دنیامیں کسی بھی جگہ علماء جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے تمام تصانیف

Play Store اور Website سے بالکل فری انسٹال / ڈاؤن لوڈ کریں۔

انسٹال / ڈاؤن لوڈ کرنے کا طریقہ

Play Store سے " مکتبۃ الاشاعت " انسٹال کرنے کے بعد ایپ میں مطلوبہ کتاب ڈاون لوڈ کریں

نیز اپنی کتاب کو Website / Play Store پر مفت شائع کرنے کے لیے بھی رابطہ کریں۔

Whataspp:03201914145

نوٹ

ویب سائٹ پر جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے تمام تصانیف مثلاً تفاسیر ، فتاویٰ جات، شروح، سوانح حیات، نوٹس، درس نظامی کے کتب وغیرہ دستیاب ہیں آپ وقتاً فوقتاً Play Store اور website پر چیک کیا کریں مزید معلومات کے لیے دیے گئے واٹس ایپ نمبر پر رابطہ کریں۔ وہاں آپ کو آسانی کے لئے مطلوبہ کتاب کا link دیا جائے گا اور آپ کو بہترین رہنمائی دی جائے گی جس سے آپ کو مطلوبہ کتاب آسانی سے ملے گا۔ پلے سٹور پر ترجمہ وتفسیر یا سورتوں کے نوعیت والے تصانیف دستیاب ہوں ہیں کیونکہ ایک PDF میں اس کا مطالعہ مشکل ہوتا ہے تو ہم نے آسانی کے لیے ہر ایک پارے کے لیے الگ الگ بٹن بنایا ہے تاکہ قارئین کے لیے پڑھنے میں آسانی ہو باقی تمام نوعیت کے تصانیف مندرجہ ذیل ویب سائیٹ پر دستیاب ہوں گے۔ جو Goggle پر مزکورہ ویب سائیٹ میں سرچ کرنے سے یا ہمارے مندرجہ بالا app " مکتبۃ الاشاعت " کو پلے سٹور سے انسٹال کرنے کے بعد ایپ میں سرچ کرنے سے ملیں گے۔ آسانی کے لیے ویب سائیٹ پر links ملاحظہ کیجئے۔ جزاکم اللہ

ویب سائیٹ maktabatulishaat.com (مکتبۃ الاشاعت ڈاٹ کام)

روزانہ کی بنیاد پر ہم ویب سائیٹ اور پلے سٹور میں مزید تصانیف شامل کر رہے ہیں اور ان میں مزید بہتری لا رہے ہیں۔ نئے شامل شدہ تصانیف کے لئے آپ وقتاً فوقتاً ویب سائیٹ اور پلے سٹور کو چیک کیا کریں مزید بہتری کے لیے اپنے قیمتی تجاویز سے ہمیں ضرور آگاہ کریں۔

مکتبہ ابو حنیفہ
0345-0490075
بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھُمَّ
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاہِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اللّٰھُمَّ
بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاہِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

رد غیر مقلدیت پر حضرت نیلویؒ کی علمی تحقیقی تصنیفات کا مجموعہ

المعروف بہ

مجموعہ رسائل نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ التفسیر والحدیث
مفتی اعظم الشیخ المحقق حضرت مولانا مفتی محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ہندوستان

تلمیذ رشید
مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی
محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

وتلمیذ رشید وخلیفہ مجاز
امام اہل السنت رئیس المفسرین الشیخ علامہ
حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ

جلد پنجم

رد غیر مقلدیت

- اعدل الکلام
- فتح الرحمن فی قیام رمضان
- کیا عورت امام بن کر صلوۃ التسبیح پڑھا سکتی ہے؟
- فضل المعبود
- الرأی الصائب فی حکم الصلوۃ علی الغائب

مکتبہ اشاعۃ العلوم

اعدل الکلام
فی حکمِ
الفاتحۃ
خلف الامام

ازقلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

اجمالی فہرست

جلد پنجم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

محترم قارئین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اس مرتبہ ہم **"اعدل الکلام فی حکم الفاتحۃ خلف الامام"** کے نام سے ایک ایسا اہم مضمون شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جس کی ضرورت ہمارے قارئین کے ساتھ ساتھ دوسرے حضرات بھی محسوس کر رہے تھے۔ کیونکہ کچھ عرصہ سے ملک بھر میں ایک مخصوص جماعت کی طرف سے نہایت تیزی کے ساتھ یہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ جو لوگ باجماعت نماز پڑھتے ہوئے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے ان کی نماز ہوتی ہی نہیں۔ گویا جس شخص کی کبھی تکبیر تحریمہ بھی فوت نہ ہوئی ہو اس کا شمار بھی بے نمازوں میں کیا جا رہا ہے۔ اس لیے ضرورت تھی کہ اس موضوع پر کوئی تحقیقی مضمون شائع کیا جائے۔ تاکہ بہت سے حضرات جو اس مخالف پروپیگنڈے کے زیرِ اثر پریشان ہیں ان کی پریشانی کا مداوا ہو سکے۔

یاد رہے کہ اسی موضوع پر حضرت علامہ نیلوی مدظلہ العالی کا ایک فتویٰ اکتوبر ۱۹۹۵ء میں بھی شائع کیا گیا تھا۔ اور اس مضمون میں بھی دراصل اسی فتویٰ کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ اور اس موضوع پر مزید جن امور کی ضرورت محسوس کی گئی اسے اس میں شامل کیا گیا ہے۔ گویا اصلاح و اضافہ اور نظرِ ثانی کے بعد وہی فتویٰ دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔ ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف

والسلام

سید حسن وسطی

شہری مسجد بلاک اے سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا — ایڈیٹر ماہنامہ گلشتانِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین ○ اما بعد :

○ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو اور وہ امام کی فاتحہ پر اکتفاء کرتے ہوئے خود فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس بارے میں سو سے زیادہ روایات ہیں۔ جبکہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والوں کے پاس صرف ایک حدیث ہے۔ حالانکہ ان کا یہ کہنا درست نہیں۔

○ باجماعت نماز پڑھتے وقت فاتحہ خلف الامام سے متعلق مسئلہ کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے چند باتیں ذہن نشین کر لینی چاہییں :

○ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں زبانی تعلیم ہوتی تھی۔ کتابی صورت نہیں تھی۔ کتابی صورت میں صرف قرآن مجید کو جمع کر لیا گیا تھا' لیکن اس کی تشریح و تفسیر کے لیے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ جو ہر پیش آمدہ مسئلہ کا جواب اول تو قرآن مجید میں تلاش فرماتے تھے' اور اگر انھیں وہ مسئلہ قرآن مجید میں نہ ملتا تو پھر اس بارے میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل' یا آپؐ کے فرمان کی روشنی میں اس مسئلے کا حل تلاش فرماتے تھے۔ چنانچہ جب کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہوتا تھا تو وہ لوگ حضرات صحابہ کرامؓ کی طرف رجوع فرماتے اور صحابہ کرامؓ اس بارے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا عمل پیش فرما کر وہ مسئلہ سمجھا دیا کرتے تھے۔ اور صحابہ کرامؓ کے بیان کیے ہوئے انہی اقوال کو حدیث کہتے ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل سے ہو۔

○ جب کسی صحابیؓ سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ اس بارے میں جو حدیث بیان کرتے تو اول سے آخر تک مکمل تقریر نہیں کرتے تھے کہ اس کا یاد رکھنا ہی مشکل ہو جائے' بلکہ موقع

محل کو دیکھ کر جس امر کی اشد ضرورت سمجھتے تھے وہ بیان فرما دیتے تھے، پھر شاگردوں (تابعینؒ) نے اس موقع پر جتنا سنا اسی قدر آگے بیان کر دیتے تھے۔ مثلاً:

❶ نماز کا بیان ہی لے لیجیے۔ کسی صحابیؓ نے نماز پڑھنے کا پورا طریقہ ایک وقت میں اس طرح بیان نہیں فرمایا کہ:

نمــــاز پڑھنے کا طریقہ

(۱) سب سے پہلے نیت کریں،

(۲) پھر قبلہ رُخ کھڑے ہوں، اور پاؤں کی انگلیاں سیدھی قبلہ رُخ رکھیں،

(۳) پھر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائیں اور ہاتھوں کی ہتھیلیاں سیدھی قبلہ کی طرف رکھیں،

(۴) پھر تکبیر تحریمہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر (۱) ہاتھ نیچے کھلے چھوڑ کر سیدھے کھڑے ہو جائیں، (۲) یا ہاتھ سینے پر باندھیں، (۳) یا ناف سے اوپر، (۴) یا ناف سے نیچے اس طرح باندھیں کہ (۵) دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر ہو، (۶) اور اپنی نظر سجدے کی جگہ پر رکھیں،

(۵) پھر سبحنك اللهم... [الخ] بلند یا پست آواز سے پڑھیں،

(۶) پھر تعوذ اور تسمیہ بلند یا پست آواز سے پڑھ کر (۱) سورۂ فاتحہ بلند یا پست آواز سے پڑھیں، (۲) پھر آمین بلند کہیں یا پست،

(۷) پھر کوئی لمبی یا چھوٹی سورت بلند یا پست آواز سے پڑھیں،

(۸) پھر ہاتھ اٹھا کر یا بغیر ہاتھ اٹھائے تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں جائیں، (۱) رکوع کی حالت میں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھیں، (۲) کمر بھی سیدھی رہے، (۳) سر کو زیادہ نہ جھکائیں، (۴) پھر بلند یا پست آواز سے تین، پانچ یا سات بار تسبیح پڑھیں،

(۹) رکوع سے کھڑے ہوتے وقت اپنے ہاتھ اٹھاتے ہوئے یا بغیر ہاتھ اٹھائے سمع الله لمن حمده کہے۔ اور اس کے بعد (۱) ربنا ولك الحمد یا: (۲) ربنا لك الحمد یا: (۳) اللهم ربنا ولك الحمد یا: (۴) اللهم ربنا ولك الحمد حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه بلند یا پست آواز سے کہے۔

(۱۰) پھر ہاتھ اٹھا کر یا بغیر ہاتھ اٹھائے تکبیر کہتے ہوئے سجدے میں اس طرح جائے کہ:
(۱) پہلے زمین پر گھٹنے رکھے۔ (۲) پھر ہاتھ۔ (۳) پھر ناک۔ (۴) پھر پیشانی
(۵) اور پاؤں ملا کر پاؤں کی انگلیاں زمین پر رکھے (۶) اور ران سے پیٹ کو اور پہلو سے بازوؤں کو دور رکھے۔ (۷) پھر بلند یا پست آواز سے تین یا پانچ یا سات بار تسبیحات پڑھے۔

(۱۱) پھر ہاتھ اٹھا کر یا بغیر ہاتھ اٹھائے تکبیر کہتا ہوا سجدے سے اٹھ کر اس طرح بیٹھے کہ:
(۱) بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائے (۲) اور دایاں پاؤں انگلیوں کے بل کھڑا رکھے۔ (۳) پھر اللھم اغفرلی وارحمنی وعافنی واھدنی وارزقنی واجبرنی وارفعنی سارا یا بعض پڑھے۔

(۱۲) پھر ہاتھ اٹھا کر یا ہاتھ اٹھائے بغیر تکبیر کہتے ہوئے دوسرے سجدے میں چلا جائے۔ اور پہلے سجدے کی طرح دوسرا سجدہ بھی کرے۔

(۱۳) پھر دوسرے سجدے سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھائے یا نہ اٹھائے۔

(۱۴) پھر قعدۂ استراحت کرے۔ یا اس کے بغیر سیدھا کھڑا ہو جائے۔ اور دوسری رکعت، پھر تیسری اور چوتھی رکعت ادا کرے۔

بہرحال کسی صحابیؓ سے ایسی کوئی حدیث مروی نہیں جس میں ساری نماز کا مسلسل بیان ہو۔ البتہ موقع محل کے مطابق جس قدر ضرورت ہوتی یا موضوعِ گفتگو کا جو تقاضا ہوتا اس قدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنے شاگرد تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے سامنے بیان فرما دیا کرتے تھے۔ چنانچہ:

○ کتبِ احادیث کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایک صحابیؓ اگر کسی واقعہ کے ایک حصے کا بیان فرماتے ہیں تو دوسرے صحابیؓ کے قول سے اس واقعہ کا دوسرا حصہ بھی سامنے آتا ہے۔ مثلاً:

○ سیدنا ابوموسیٰ اشعری اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے صحیح سند کے ساتھ صرف لا نکاح الا بولی کے الفاظ مروی ہیں کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ کیونکہ

اس وقت یہی مسئلہ درپیش تھا، اس لیے ان دونوں بزرگوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کے فرمانِ ذی شان سے یہ حصہ بیان فرمادیا۔

○ لیکن دوسرے موقع پر سیدنا عمران بن حصینؓ اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا: لانکاح الا بولی وشاھدی عدل کہ ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا، ان ہستیوں نے یہ بات اس لیے بیان فرمائی کہ اس وقت یہی مسئلہ درپیش تھا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ اور سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے نزدیک دو عادل گواہوں کے بغیر محض ولی کی اجازت سے ہی نکاح ہو جاتا ہے۔

❷ بسا اوقات بظاہر حکم عام ہوتا ہے مگر دوسری حدیثوں یا قرائن سے اس حکم کی تخصیص کرنی پڑتی ہے، جیسے:

○ امامنافی الدین سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان اللہ لا یقبل صلوۃ احدکم اذا احدث حتی یتوضأ (بخاری صفحہ ۲۵) کہ بے وضو آدمی کی نماز اللہ تعالیٰ اس وقت تک قبول نہیں فرماتے جب تک کہ وہ آدمی وضو نہ کرلے۔ اس ارشادِ نبویؐ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان معذور اور غیر معذور سب کے لیے یکساں ہے۔

○ لیکن کوئی ایسا شخص جسے پانی دستیاب نہ ہو، یا وہ پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو تو وہ اس حدیث کو دیکھ کر کہ جب بغیر وضو کے نماز قابلِ قبول ہی نہیں تو پھر وہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر بھی وضو کے لیے پانی کا استعمال کرنے کی کوشش ضرور کرے گا، اور جب تک اسے پانی کے استعمال پر قدرت حاصل نہ ہوگی تب تک وہ مضطرب اور بے چین رہے گا، لیکن جب اسے یہ بتادیا جائے گا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کا یہ فرمانِ ذی شان معذور شخص کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ تو پانی کے استعمال پر قدرت رکھنے والے غیر معذور شخص کے لیے ہے، اور معذور شخص تو حکمِ الٰہی سے نماز کے لیے تیمم بھی کر سکتا ہے، جیسا کہ دوسری احادیثِ مبارکہ سے بھی معلوم ہوتا ہے،

- اسی طرح سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت حضرمیؒ نے دریافت کیا کہ آدمی کس چیز سے بے وضو ہوتا ہے، یا وضو کس چیز سے ٹوٹتا ہے، تو اس کے جواب میں سیدنا ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ : آواز کے ساتھ یا بغیر آواز کے ذریعے خارج ہونے والی ہوا سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وضو توڑنے والی چیز صرف گوز ہی ہے، حالانکہ نواقضِ وضو اور بھی بہت ہیں، جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن کسی صحابیؓ نے بھی نواقضِ وضو کی فہرست بنا کر ایک ساتھ ہی بیان نہیں فرمائی۔ کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ یہ تھا کہ وہ بے موقع بات نہیں کرتے تھے اور جہاں موقع ہوتا وہاں اسی قدر بیان فرماتے جتنی ضرورت ہوتی تھی۔ مثلاً :

- خلیفۂ رابع امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ : مذی نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔
- سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ : ایسی نیند سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے جو لیٹنے یا کسی چیز کے ساتھ ٹیک لگانے سے آئی ہو۔
- اسی طرح پیشاب اور پاخانہ سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید اور احادیثِ نبویؐ سے معلوم ہوتا ہے۔
- علیٰ ہذا القیاس وضو توڑنے والی چیزوں کا ذکر الگ الگ تو احادیث میں آتا ہے لیکن تمام نواقضِ وضو کا بیان کسی ایک روایت میں یکجا کہیں نہیں ملتا۔ بعد میں حضرات فقہاءِ کرامؒ نے تمام احادیثِ مبارکہ کو سامنے رکھتے ہوئے فہرست کی صورت میں تمام نواقضِ وضو جمع کر کے ہماری سہولت کے لیے یکجا تحریر فرما دیے۔

(۲) اسی طرح ہم لوگ کلمۂ طیبہ میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھتے ہیں۔ اور اس کا معنی ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کلمہ میں "لا" نفی جنس کا ہے، اس لیے اس "لا" میں نوری، ناری اور خاکی وغیرہ تمام مخلوق کی عبادت کی نفی ہو گئی کہ کوئی مخلوق بھی عبادت کے لائق نہیں۔ لیکن یہ قاعدہ ہر جگہ

جاری نہیں ہوتا۔ کیونکہ بے شمار ایسے مقامات ہیں جہاں "لا" سے مطلق شئے کی نفی نہیں بلکہ کمال کی نفی ہوتی ہے۔ مثلاً :

(۱) سیدنا انس بن مالکؓ سے مرفوعاً روایت ہے : لا ایمان لمن لا امانۃ لہ اس کا معنی یہ نہیں کہ جس شخص نے امانت میں ذرا سی بھی خیانت کی تو بس وہ خارج از ایمان، اور کافر و مرتد ہو گیا، جبکہ مرتد واجب القتل ہوتا ہے۔ بلکہ اس حدیثِ مبارک کا معنی یہ ہے کہ : خائن کا ایمان ناقص اور ادھورا ہے۔

(۲) اسی طرح لا دین لمن لا عہد لہ اس کے معنے بھی یہ نہیں کہ عہد شکنی کا ارتکاب کرنے والے شخص کا ایمان بالکلیہ سلب ہو گیا اور وہ کافر و مرتد اور واجب القتل ہو گیا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ : عہد شکن ناقص الایمان ہے۔ البتہ خیانت اور عہد شکنی گناہِ کبیرہ ہیں، اور جو شخص کسی ایک گناہِ کبیرہ کو بھی گناہ نہ سمجھے وہ کافر و مرتد ہو جاتا ہے۔

آمدم برسرِ مطلب

○ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہدِ مبارک کا واقعہ ہے کہ کسی مجلس میں یہ بحث چل پڑی کہ جب قیام کی طرح رکوع و سجود بھی فرض ہیں تو اس میں بجائے تسبیحات کے قرآن مجید کی تلاوت ہی کر لی جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟

○ امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فرمایا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے رکوع میں قرآن مجید پڑھنے کو منع فرمایا ہے۔ (ترمذی صفحہ ۴۴)

فائدہ السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۸۷ میں ہے : نہانی رسول اللہ ان اقرأ راکعاً اوساجداً۔ (رواہ مسلم)

○ اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے : فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (۷۳ : ۲۰) کہ نماز کے دوران قرآن مجید میں سے جو حصہ تمہیں آسان معلوم ہو وہ پڑھا کرو۔ لیکن قرآن مجید میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ قراءۃ قرآن کا محل نماز میں کیا ہے۔ اس لیے :

قانون ہے کہ : جو مسئلہ قرآن میں نہ ملے وہ احادیث میں تلاش کیا جائے۔

- امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کی حالت میں قراءۃ قرآن مجید سے منع فرمایا ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر نماز میں قراءۃ قرآن کا محل کیا ہے۔ قیام کی حالت' یا قعدہ میں۔ لیکن سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک واقعہ بیان فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں قراءۃ قرآن مجید کا محل قیام ہے۔ چنانچہ :

نماز میں قراءۃِ قرآن کا محل

- امامنا فی الدین سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص (خلاد بن رافعؓ) مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھی' حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسجد میں تشریف فرما تھے۔ حضرت خلاد نے نماز سے فارغ ہوکر بارگاہِ رسالت میں حاضری دی اور السلام علیکم کہا۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ جاؤ اور پھر سے نماز پڑھو۔ کیونکہ آپ کی نماز نہیں ہوئی۔ تو حضرت خلادؓ نے دوبارہ نماز پڑھی اور پھر آ کر سلام پیش کیا' حضرتؐ نے پھر انھیں لوٹا دیا اور ایک بار پھر نماز پڑھنے کا حکم فرمایا۔ اسی طرح آپؐ نے انھیں تین بار نماز لوٹانے کا حکم فرمایا۔ اس کے بعد انھوں نے عرض کی :

- یارسول اللہ ! میں تو اس سے بہتر نماز نہیں جانتا' اس لیے آپؐ مجھے نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ بتلائیں۔ اس پر حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ : آپ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوں تو پہلے اللہ اکبر کہیں، پھر قرآن مجید میں سے جونسا حصہ آسان لگے وہ پڑھیں اور پھر رکوع کریں۔ الخ (بخاری صفحہ ۱۰۵ و ۱۰۹ و ابوداؤد صفحہ ۱۳۱)

- اس حدیثِ مبارک سے نماز میں قرآن مجید پڑھنے کا موقع محل تو معلوم ہو گیا کہ رکوع سے پہلے قیام کی حالت میں قرآن مجید کی قراءت کرنا فرض ہے۔ نیز یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہورہی ہے کہ : نماز کی حالت میں دورانِ قیام مطلق قرآن مجید کی تلاوت ضروری ہے' جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

- نیز اس حدیثِ مبارک سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ : حضرت نبیِ کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے کا یہ طریقہ اس شخص کو بتایا جو اکیلے بغیر جماعت کے نماز پڑھ رہا تھا، اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کے لیے یہ حکم نہیں ہے۔ کیونکہ:

آداب قرآن میں سے ایک اہم امر یہ بھی ہے کہ جب قرآن مجید پڑھا جا رہا ہو اس وقت خاموشی سے قرآن مجید سنا جائے۔ جیسا کہ:

○ اللہ تعالٰی نے قرآن مجید میں حکم فرمایا ہے: اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (الاعراف۔۷: ۲۰۴) کہ جب قرآن مجید کی قرات ہو رہی ہو تو اگر تمہیں آواز آ رہی ہو، یعنی قرات بالجہر ہو رہی ہو تب تو کان لگا کر غور سے سنو، اور اگر تمہیں قراتِ قرآن کی آواز سنائی نہ دے رہی ہو، یعنی مخافتۃً قرات ہو رہی ہو۔ یعنی امام پست آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہو۔ جیسا کہ سری نمازوں یعنی ظہر و عصر میں ہوتی ہے، یا قرات تو بالجہر ہی ہو لیکن تم لوگ امام یا قاری سے دُور ہونے کی وجہ سے قرات سننے پر قادر نہ ہو تب بھی تم ضرور خاموش رہا کرو۔ تاکہ تم لوگوں پر رحم کیا جائے۔ جیسا کہ حضرت ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۰۳ میں تحریر فرمایا ہے۔

○ تفسیر قرطبی جلد ۷ صفحہ ۳۵۴ میں ہے کہ اس بات پر تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ (مذکورہ بالا آیت میں) یہ حکم فرض اور غیر فرض نمازوں (تراویح وغیرہ) کے لیے ہے۔

○ سیدنا عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: یہ آیت مبارکہ قراءۃ خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی۔ (حاشیہ مسند اعظم صفحہ ۶۵ بحوالہ تفسیر ابن مردویہ)

○ نیز کسی شخص نے سیدنا ابن مغفلؓ سے پوچھا کہ کوئی شخص قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہو تو کیا ہر سننے والے پر اس کا سننا اور خاموش رہنا واجب ہے؟۔ تو اس کے جواب میں سیدنا عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: نہیں! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ: دراصل یہ آیت مبارکہ نماز میں امام کی قرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب امام قرات کر رہا ہو تو مقتدیوں کو چاہیے کہ وہ اسے کان لگا کر سنیں اور خاموش رہیں۔ (درمنثور جلد ۳ صفحہ ۶۳۵)

- رأس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: یہ آیت مبارکہ فرض نمازوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ (درمنثور جلد ۳ صفحہ ۶۳۴)
- نیز آپؓ نے فرمایا کہ: جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں قراءت شروع فرمائی تو ان کے پیچھے بعض لوگوں نے بھی قراءت شروع کردی، اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ (درمنثور جلد ۳ صفحہ ۶۳۴)
- سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: یہ آیت مبارکہ قراءتِ خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی تھی، اس لیے قراءتِ قرآن سننے کیلیے خاموش رہو جیسا کہ حکم ہوا ہے، اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ امام کی قراءت تم مقتدیوں کے لیے کافی ہے۔ (درمنثور جلد ۳ صفحہ ۶۳۵)
- امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے تلمیذِ رشید حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت نماز پڑھتے تھے تو بعض صحابہ کرامؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ قراءت شروع کردیتے تھے، تو اس وقت قرآن مجید کی یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی۔ (درمنثور جلد ۳ صفحہ ۶۳۵)
- سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے تلمیذِ رشید حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ نماز میں قراءت فرما رہے تھے اور مقتدیوں میں سے ایک انصاری صحابیؓ نے بھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ پڑھنا شروع کردیا، تو اس وقت یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی۔ (درمنثور جلد ۳ صفحہ ۶۳۴ و مسند امام اعظم صفحہ ۶۵)
- حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قراءت فرماتے تھے تو آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے مقتدی بھی پڑھنا شروع کردیتے تھے، اس لیے یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی۔ (درمنثور جلد ۳ صفحہ ۶۳۶)
- حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ: تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیتِ مبارکہ نماز کے بارے میں ہی نازل ہوئی۔ (حاشیہ مسند اعظم صفحہ ۶۵ بحوالہ بیہقیؒ)

○ بہر حال یہ بات تو متفق علیہ اور مختق ہے کہ یہ آیت مبارکہ اذا قرأی القران فاستمعوا لہ نماز ہی کے بارے میں ہے۔

○ اور یہ بات بھی واضح ہے کہ جب امام قرارت کررہا ہو تو اس وقت اس آیت مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے نزدیک والے تو کان لگا کر قرارت سنیں اور جو لوگ امام سے دور ہوں وہ بھی خاموش رہیں اور خود قرارت نہ کریں۔

ایک معمہ
"فاقرأوا ما تیسر من القرآن"
کا مطلب صحابۂ کرامؓ نے کیا سمجھا؟

○ لیکن قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے "فاقرأوا ما تیسر من القرآن" کا حکم بھی تو فرمایا ہے۔ جو کہ نماز ہی کے بارے میں ہے۔ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ اس آیت کا مطلب کیا ہے اور وہ آیت کیا حکم دے رہی ہے۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ نے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں زندگی گزاری تھی، اور انھوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست فیض حاصل کیا تھا۔ لہٰذا ان کے لیے ان آیات کا ظاہری تعارض اور اختلاف کسی قسم کی الجھن کا باعث نہیں بن سکتا تھا۔ البتہ :

○ تابعینؒ کے لیے یہ بات ایک معمہ بن گئی اور ان کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوا کہ اگر ہم پہلی آیت مبارکہ اذا قرأی القران فاستمعوا لہ پر عمل کرتے ہوئے امام کے پیچھے خاموش کھڑے رہیں تو دوسری آیت "فاقرأوا ما تیسر من القرآن" پر عمل کس طرح ہو سکتا ہے۔ پھر اس معمے کو حل کرنے کے لیے تابعینؒ نے صحابہ کرامؓ کی طرف رجوع کیا تو صحابہ کرامؓ نے احادیث نبویؐ کے حوالے سے جس طرح یہ معمہ حل کیا، آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیں۔

اذا قرأ الامام فانصتوا

① سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ : جو شخص امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہو تو (وہ قرأت نہ کرے، کیونکہ) امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہو جاتی ہے۔ (ابن ماجہ صفحہ ۶۱، طحاوی صفحہ ۱۲۸، مؤطا امام محمد صفحہ ۹۸ و ۹۹، مسند امام اعظم صفحہ ۶۱)

○ حضرت رسول اللہ ﷺ کے اس فرمانِ عالی شان سے معلوم ہوا کہ مقتدی گو کہ خاموشی کے ساتھ ہی کھڑا ہو تب بھی حکماً وہ ایسا ہی ہے گویا وہ خود قرأت کر رہا ہے۔ لہٰذا قرآن مجید کی مذکورہ بالا دونوں آیات مبارکہ پر عمل ہو گیا۔ یعنی امام کی قرأت تو حقیقی ہے جبکہ مقتدی کی قرأت کو حکمی کہا جائے گا۔

○ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی دونوں آیات مذکورہ کا باہم کوئی تعارض نہیں۔ اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید کا پڑھنا ہر نمازی پر فرض ہے۔ لیکن جب امام قرأت کر رہا ہو تو امام کی قرأت کو ہی مقتدی کی قرأت بھی سمجھا جائے گا۔ گویا کہ مقتدی بھی خاموش ہونے کے باوجود حکماً قرأت ہی کر رہا ہے۔ یعنی اُسے نماز میں قرأت کا پورا پورا ثواب مل رہا ہے۔ نیز :

(۲) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ : جس نماز میں سورت فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ نماز ناقص اور ادھوری ہے۔ لیکن جو نماز امام کے پیچھے پڑھی جائے گی وہ سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر ہی مکمل ہے۔ (دار قطنی صفحہ ۱۲۴)

(۳) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ : جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لیے امام کی قرأت ہی کافی ہے۔ (مؤطا امام محمد صفحہ ۹۸)

یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ امام کے پیچھے خاموش رہنے سے متعلق ارشاداتِ نبویؐ بیان کرنے میں سیدنا جابرؓ تنہا نہیں ہیں، بلکہ دیگر صحابۂ کرامؓ کے بیانات سے بھی ان کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ :

(۴) امیرالمؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ : جب امام پڑھنا شروع کر دے تو تم خاموش ہو جایا کرو۔

(کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۸۶)

۵) امیر المؤمنینؓ سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی کے پوچھنے پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: امام کے پیچھے خاموشی کے ساتھ کھڑے رہا کرو۔ (دارقطنی صفحہ ۱۲۵)

۶) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس شخص کا امام (قرأت کر رہا) ہو تو امام کا پڑھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ خود مقتدی پڑھ رہا ہے۔ (دارقطنی صفحہ ۱۲۴)

۷) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب امام قرأت شروع کر دے تو تم خاموش ہو جایا کرو۔ (لسان المیزان جلد ۲ صفحہ ۲۲۴)

۸) نیز آپؓ نے فرمایا کہ: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ ایسا کرنے (یعنی امام کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرنے) سے منع فرمایا۔ (طحاوی صفحہ ۱۲۸)

۹) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب امام قرأت شروع کر دے تو تم خاموش ہو جایا کرو۔ اور جب غیر المغضوب علیہم و لا الضالین کہے تو پھر تم آمین کہا کرو۔ (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۴۸ و صفحہ ۲۰۱، نسائی صفحہ ۱۴۶، مسلم صفحہ ۱۷۴، ابن ماجہ صفحہ ۶۱ باب اذا قرأ الامام فانصتوا، دارقطنی صفحہ ۱۲۵)

۱۰) سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب امام قرأت شروع کر دے تو تم لوگ خاموش ہو جایا کرو۔ (مسند ابی عوانہ صفحہ ۱۳۳، مسلم صفحہ ۱۷۴، دارقطنی صفحہ ۱۲۵)

۱۱) سیدنا عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہو تو امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہوگی۔ (مؤطا محمد صفحہ ۱۰۱)

۱۲) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ : تمھیں امام کی قرارت ہی کافی ہے، خواہ امام پست پڑھے یا اونچی آواز سے۔ (دارقطنی صفحہ ۱۲۶)

○ نیز حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی تعلیم نبویؐ کے مطابق مستفتین کو فتویٰ دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں منقول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے۔

صحابۂ کرامؓ کے فتوے

فتویٰ ۱ امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے کسی سائل کو فتویٰ دیتے ہوئے فرمایا کہ تیرے لیے امام کی قرارت ہی کافی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۶)

فتویٰ ۲ امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے قرارت کرے وہ فطرت پر نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۶ و دارقطنی صفحہ ۱۲۵)

فتویٰ ۳ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے آکر پوچھا کہ میں امام کے پیچھے قرارت کیا کروں یا نہ؟ تو آپؓ نے جواب دیا کہ تیرے لیے امام کی قرارت ہی کافی ہے۔ (موطا امام محمد صفحہ ۱۰۱ و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۶)

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جو مشہور کاتبِ وحی ہیں، قرارت خلف الامام کے بارے میں فتویٰ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے کوئی قرارت نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۶)

نیز آپؓ نے یہ بھی فرمایا کہ امام کے پیچھے قرارت نہ کی جائے، خواہ امام اونچی آواز سے قرارت کر رہا ہو یا پست۔ (مسلم صفحہ ۲۱۵ و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۶)

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ان کے شاگرد حضرت ابو ہارونؒ نے قرارتِ خلف الامام کے بارے میں سوال کیا تو آپؓ نے فرمایا کہ تیری قرارت کے لیے امام ہی کافی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۷)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب دریافت کیا جاتا تو آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرارت ہی اس کے

لیے کافی ہے۔ (مؤطا امام مالک صفحہ ۲۹، مؤطا امام محمد صفحہ ۹۵ و ۹۸، طحاوی صفحہ ۱۲۹، فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۵)

فتویٰ ۸ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ امام کے پیچھے قراءت نہ کی جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۶)

فتویٰ ۹ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو مشہور جوشیلے صحابی ہیں، شاید باربار کے سوالات اور سیدنا انس کے بقول حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمادینے کے باوجود قراءت خلف الامام پر باز نہ آنے والوں کے عمل سے تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق غصے کے ساتھ یہاں تک فرمادیا کہ امام کے پیچھے قراءت کرنے والے مقتدی کے منہ میں چنگاری پڑے۔ (ایضاً جلد ۱ صفحہ ۳۷۶)

فتویٰ ۱۰ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب امام جماعت کرا رہا ہو تو ان کے لیے امام کی قراءت ہی کافی ہے۔ یعنی مقتدیوں کو امام کے پیچھے قراءت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (نسائی صفحہ ۱۴۶، طحاوی صفحہ ۱۲۷)

○ مفسر قرآن و مشہور تابعی حضرت زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ میرے اساتذۂ کرام میں سے دس صحابہ کرامؓ تو بہت سختی کے ساتھ قراءتِ خلف الامام سے منع فرمایا کرتے تھے، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مانعین فاتحہ خلف الامام کے اسمائے گرامی

① امیر المؤمنین سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
② امیر المؤمنین سیدنا امام عمر فاروق رضی اللہ عنہ
③ امیر المؤمنین سیدنا امام عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ
④ امیر المؤمنین سیدنا امام علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
⑤ سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ
⑥ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
⑦ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

(۸) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

(۹) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

(۱۰) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

تنبیہ یاد رہے کہ ان دس صحابۂ کبار میں سے پانچ ہستیاں تو وہ ہیں. جنھیں ان کی زندگی میں ہی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دے دی تھی، ان خوش قسمت ہستیوں کو عشرہ مبشرہ کے لقب سے پہچانا جاتا ہے اور باقی پانچ صحابۂ کرامؓ بھی مشہور مفسر قرآن ہوئے ہیں۔ اور حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے بقول: یہ تمام جلیل القدر صحابۂ کرامؓ قرارت خلف الامام سے سختی کے ساتھ منع فرمایا کرتے تھے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ بزرگ خود بھی امام کے پیچھے قرارتِ قرآن مجید نہیں فرماتے تھے، اور صرف امام کی قرارت پر ہی اکتفاء فرماتے تھے۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان حضرات کا شمار بے نماز لوگوں میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ احناف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ قرارتِ خلف الامام نہ کرنے کی وجہ سے ان کا شمار بے نمازوں میں ہوگا۔ نعوذ باللہ۔ حالانکہ نماز اسلام کا وہ اہم اور اولین حکم ہے۔ جس کے متعلق قیامت کے دن سب سے پہلے سوال کیا جائے گا۔

روزِ محشر کہ جاں گداز بود
اولیں پرسش نماز بود

○ اور جس شخص کی نماز ہی ادھوری ہو اس کے متعلق جنت کی بشارت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: الصلوٰۃ عماد الدین من اقامها فقد اقام الدین ومن ترکها فقد هدم الدین کہ نماز دین کا ستون ہے۔ جس شخص نے نماز کو قائم رکھا اس نے دین کو سیدھا رکھا۔ اور جس نے نماز چھوڑ دی اس نے دین کو ڈھادیا۔ (غُنْیَۃُ الْمُسْتَمْلی فی شرح منیۃ المصلی المعروف بہ کبیری لابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی تلمیذ علامہ ابن ہمام صفحہ ۱۰)

○ اور احناف کو فاتحہ خلف الامام کے بغیر مقتدی کی نماز ناقص ہونے کا طعنہ دینے

والوں کو یہ بھی ضرور سوچنا چاہیے کہ اس طعنہ کی زد میں مذکورِ بالا صحابہ کبار بھی آجاتے ہیں۔ اور ان ہستیوں کی نماز ناقص ہونے کے طعن سے شیعیت کی تائید ہوتی ہے۔ جو ان ہستیوں کو نعوذ باللہ سرے سے مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔

فرمانِ رسول ﴿لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ﴾ پر

سیدنا عبادۃ بن الصامت کے عمل سے متعلق مشہور حدیث

- یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جہاں مذکور بالا جلیل القدر صحابہ اُمِّ فاتحہ خلف الامام سے منع فرماتے ہیں وہاں "السابقون الاولون" میں سے مشہور و جلیل القدر صحابی سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کی روشنی میں اس کے خلاف بیان کیا جاتا ہے۔
- حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی عہد میں مدینہ منورہ (یثرب) سے بیت اللہ شریف کے حج کی غرض سے تشریف لانے والے سرداروں میں سے ایک سردار سیدنا عبادۃ بن الصامت بن قیس خزرجی رضی اللہ عنہ ہیں، جنہوں نے اپنے ہمسفر سرداروں کے ساتھ لیلۃ العقبہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ سن کر اسلام قبول کیا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت فرما کر "السابقون الاولون" میں شامل ہونے کی سعادتِ عظمیٰ حاصل کی۔
نیز آپؓ کا نام ان پانچ جامعینِ قرآن مجید میں بھی آتا ہے۔ جنھیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جمعِ قرآن کی عظیم ذمہ داری سونپی گئی تھی۔
- پھر وفاتِ نبویؐ کے بعد امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں آپؓ کو مبلغ اسلام بنا کر شام بھیجا گیا تھا۔ آپؓ نے ۳۴ھ میں بعمر ۷۲ سال وفات پائی۔
- سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ ایک مسجد میں امامت بھی کراتے تھے، ایک دن اتفاقاً فجر کی نماز پڑھانے کے لیے آپ ٹھیک وقت پر نہ پہنچ سکے تو لوگوں نے

حضرت ابو نعیم رحمۃ اللہ تعالیٰ کو نماز پڑھانے کے لیے مصلّے پر کھڑا کر دیا۔ پھر سیدنا عبادۃ بن الصامتؓ بھی پہنچ گئے تو پچھلی صف میں کھڑے ہو گئے۔ اور حضرت نافع (بن محمود بن ربیع) بھی ان کے ساتھ کھڑے ہو گئے، جو کہ فاتحہ خلف الامام کے قائل نہیں تھے۔ کیونکہ :

○ انھوں نے اپنے اساتذہ صحابہ کرامؓ سے یہی پڑھا تھا کہ امام کے پیچھے سری و جہری کسی نماز میں بھی قراءت نہ کی جائے۔ لیکن سیدنا عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فاتحہ پڑھنی شروع فرمادی، جس کی آواز حضرت نافعؒ نے سن لی۔ تو انھوں نے نماز کے بعد دریافت فرمایا کہ : آپ نے امام کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہوئے سورۂ فاتحہ کس طرح پڑھ لی؟

○ سیدنا عبادۃؓ نے جواب دیا کہ : حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے : "لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب" یعنی فاتحہ کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔ (ابوداود صفحہ ۱۳۱)

○ اس حدیث کے راوی حضرت نافعؒ ہیں۔ لیکن یہ نافعؒ کون ہیں؟ اس کے متعلق سطورِ ذیل میں بحث کی جاتی ہے۔

اس حدیث کے راوی نافع کون ہیں؟

○ اس حدیث کے راوی حضرت نافعؒ دراصل حضرت ابو نعیم محمود بن ربیع (ابن سراقہ بن عمرو بن زید بن عبدۃ بن عامر بن عدی بن کعب بن خزرج) کے بیٹے اور سیدنا عبادۃ بن الثابت رضی اللہ عنہ کے نواسے ہیں۔

○ حضرت ابو نعیم محمود بن ربیع کا شمار چھوٹے صحابہؓ یا کبار تابعینؒ میں ہوتا ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ یعنی حضرت نافع کے والد ماجد کل چار سال کے تھے۔ اس طرح انھیں رؤیۃً صحابی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن یہ روایۃً صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں۔ اور یہ بھی مدلس۔

○ اور حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ کے نانا جان اور حضرت ابو نعیم محمود بن ربیع انصاری خزرجی رحمۃ اللہ علیہ کے سسر، صحابی رسولؐ سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ

نے ۳۴ھ میں وفات پائی۔

- ان شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نافع بن محمود بن ربیع نے جب اپنے نانا جان سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑے ہوکر اپنے والد حضرت ابو نعیم کی اقتدار میں نمازِ فجر ادا فرمائی تھی اس وقت وہ تقریباً سات سالہ بچے تھے۔
- یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ عام طور پر کنیت بڑے بیٹے کے نام پر ہوتی ہے اور حضرت محمود بن ربیع کی کنیت "ابو نعیم" کے علاوہ "ابو محمد" بھی ملتی ہے۔ لیکن ان کی کنیت "ابو نافع" کہیں نہیں ملتی۔
- جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نافع سے بڑے ان کے دو بھائی اور بھی تھے۔ اور یہ واقعہ ۳۴ھ میں سیدنا عبادۃؓ کی وفات سے ممکن ہے چند سال پہلے کا ہو جبکہ حضرت نافع اپنے والدین کے ساتھ یا ممکن ہے صرف اپنے والد حضرت ابو نعیم کے ساتھ اپنے نانا جان کو ملنے کے لیے مدینہ منورہ سے بیت المقدس تشریف لائے ہوں گے۔
- نیز حکم ہے کہ سات سالہ بچے کو پیار سے نماز پڑھنے کا حکم دیں۔ تو ظاہر ہے کہ حضرت نافعؒ نے سات سال سے پہلے مدینہ منورہ میں مدینہ منورہ کے علماء سے نماز کے احکام سیکھ لیے ہوں گے، جیسا کہ خیر القرون میں تمام مسلمانوں کا معمول تھا۔
- حضرت نافع نے علماءِ مدینہ سے یہ مسئلہ بھی سن رکھا ہوگا کہ جماعت کی صورت میں امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے مقتدی کو خاموش رہنا چاہیے، مقتدی نہ تو سورۂ فاتحہ پڑھے اور نہ ہی قرآن مجید کا کوئی اور حصہ۔ جیسا کہ مدینہ منورہ میں رہنے والے متعدد صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کی مرفوع روایات اور فتاویٰ سے صاف ظاہر ہے جو قبل ازیں لکھے جا چکے ہیں۔
- بہرحال جب حضرت نافع نے اپنے نانا جان سیدنا عبادۃ بن الصامتؓ کو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے ہوئے سنا تو ان کو یہ بات انوکھی لگی، اور وہ اس کے بارے میں پوچھے بغیر نہ رہ سکے۔ اور آپ نے دریافت فرمایا کہ نانا جان! امام کی اقتدا میں

آپ نے سورۂ فاتحہ کیوں پڑھی؟ تو معصوم نواسے کا یہ سوال سُن کر سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ حضرت نافع اس وقت بچے تو تھے ہی، پھر ادب کا تقاضا بھی یہی تھا کہ اپنے ناناجان کے سامنے خاموش ہوجاتے، اس لیے وہ خاموش ہو گئے۔

○ نیز یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اس حدیث کے راوی حضرت نافع رحمۃ اللہ تعالیٰ محدثین میں شمار نہیں ہوتے۔ ان کا ذکر نہ تو امام بخاریؒ نے فرمایا، اور نہ ہی ابن ابی حاتمؒ نے۔ انھوں نے صرف یہی ایک روایت بیان کی ہے جو قراءتِ خلف الامام کے بارے میں سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی اور حدیث یا تو سرے سے ہے ہی نہیں۔ اور اگر اس کے علاوہ ان کی حدیث کوئی اور ہو بھی تو وہ معروف نہیں۔

○ حضرت امام ابنِ حبان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے انھیں ثقات میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان کی حدیث مُعلّل ہے۔

○ حضرت نافعؒ نے جب یہ حدیثِ نبویؐ اپنے ناناجان سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے سُنی تو اس کا ذکر اپنے والد حضرت ابو نعیم محمود بن ربیعؒ کے سامنے بھی کر دیا۔ لیکن اس بات کا ثبوت کہیں نہیں ملتا کہ حضرت نافعؒ یا حضرت ابو نعیمؒ نے اس حدیث کو سننے کے بعد امام کے پیچھے خود بھی فاتحہ پڑھنی شروع کر دی ہو۔

○ حضرت ابو نعیمؒ نے اس حدیثِ نبویؐ کا ذکر اپنے شاگرد حضرت محمد بن مسلم بن شہاب زہریؒ سے بھی کر دیا، لیکن حضرت زہریؒ کو انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ میں نے یہ حدیثِ مبارک اپنے بیٹے نافعؒ سے سُنی ہے اور میرے بیٹے نے اپنے نانا سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے سُن کر مجھے بتائی تھی۔

○ حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے استاذ حضرت ابو نعیمؒ سے یہ حدیث مبارک سُنی۔ لیکن اسے اپنا معمول نہیں بنایا۔ البتہ امام زہریؒ نے اپنے استاذ حضرت ابو نعیمؒ کے حوالے سے اپنے شاگرد حضرت سفیان بن عیینہؒ کے سامنے یہ حدیث

نبویؐ بیان فرمائی، تو انھوں نے چونکہ دیگر کئی اساتذۂ کرام سے حدیث نبویؐ پڑھ رکھی تھی، وہ فوراً سمجھ گئے کہ اس حدیث مبارک میں کس بات کا حکم ہے، چنانچہ:

○ آپنے فرمایا کہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب یا لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعداً کا حکم مقتدی کے لیے نہیں، بلکہ مخصوص اس شخص کے لیے ہے جو تنہا نماز پڑھ رہا ہو اور امام کی اقتداء نہ کر رہا ہو، جیسا کہ:

○ سُنن ابی داؤد صفحہ ۱۲۶ میں ہے: قال سفیان (بن عیینہ) لمن یصلی وحدہ.

وجوہِ توجیہ

حضرت امام سفیان بن عُیَینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی اس توجیہ کی دو وجوہ ھیں

وجہ ۱ حضرت سُفیان بن عُیَینہ بچپن ہی سے تحصیلِ علم میں مشغول ہو گئے تھے، اور تمام اہلِ عراق اور اہلِ حجاز کی بیان کردہ احادیث کے جامع اور حافظ تھے۔ انھیں اپنے اس مجموعہ میں ایسی کوئی حدیث نہیں ملی جس میں حکم ہو کہ امام کے پیچھے مُقتدی بھی فاتحہ پڑھا کرے، اسی لیے وہ خود بھی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ یا قرآن مجید کی کوئی دوسری آیات قیام کی حالت میں نہیں پڑھتے تھے۔

وجہ ۲ نیز قرآن مجید میں حکمِ الٰہی ہے: واذا قرئ القراٰن فاستمعوا لہ وانصتوا۔ اور سیدنا عبادہؓ کی مروی حدیث بظاہر قرآن مجید کی آیتِ مبارکہ کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے اصولی قاعدہ کے مطابق قرآن مجید کو اپنے حال پر چھوڑ کر خبر واحد میں ایسی توجیہ کی کہ قرآن اور حدیث دونوں پر برابر عمل رہے۔ کیونکہ "عام" میں تخصیص کرنا تو عموماً ہوتا ہی رہتا ہے۔ اور قرآن مجید کی آیتِ مبارکہ کے نزول کا سبب کچھ بھی ہو اس کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا۔ کیونکہ:

قاعدہ ہے: العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب. کہ لفظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے، سبب کی خصوصیت کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اس لیے قرآن مجید کے حکم عام کو اپنے عموم پر رکھا اور حدیث میں عام کو خاص کر دیا۔ کیونکہ:

قاعدہ ہے کہ: "عام قطعی" کی تخصیص، خبرِ واحد بلکہ کسی ظنی کے ساتھ بھی نہیں کر سکتے۔

تنبیہ یاد رہے کہ حضرت ابونعیم محمود بن ربیع مدلّس ہیں، اور انھوں نے یہ روایت "عن" کے ساتھ بیان کی ہے۔ اس لیے ان کی یہ روایت مقبول نہیں۔ کیونکہ :

قاعدہ ہے کہ : مدلّس کی روایت اگر "عن"، "عنہ" یا "قال" کے ساتھ آئے، اگرچہ وہ مدلّس عادل بھی ہو، تب بھی مقبول نہیں ہوتی، جب تک کہ وہ مدلّس "سمعت" یا "حدثنا" نہ کہے۔ (نخبۃ الفکر صفحہ ۵۳)

○ اب چونکہ حضرت ابونعیم محمود بن ربیع مدلّس ہیں، اور ان کی یہ روایت صحاح ستہ کی تمام کتب میں "عن" کے ساتھ ہی آئی ہے اس لیے یہ حدیث مقبول نہیں۔

حوالہ کے لیے دیکھیے درجِ ذیل کتبِ صحاحِ ستہ :

① صحیح بخاری صفحہ ۱۰۴ ② صحیح مسلم صفحہ ۱۶۹ ③ جامع ترمذی صفحہ ۵۷ ④ سُنن نسائی صفحہ ۱۴۵ ⑤ سُنن ابن ماجہ صفحہ ۶۰ ⑥ سُنن ابی داود صفحہ ۱۲۶ فیہ فصاعداً

○ اسی طرح دیگر کتبِ حدیث میں بھی یہ روایت "عن" کے ساتھ ہی آئی ہے۔ مثلاً :

① مسند دارمی صفحہ ۱۳۶ ② صحیح ابن حبان جلد ۴ صفحہ ۱۴۰ ③ مسند ابی عوانہ صفحہ ۱۲۴ ④ مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۶۱ ⑤ سُنن دارقطنی صفحہ ۱۲۰ ⑥ مسند امام احمد جلد ۶ صفحہ ۳۲۸

○ اسی طرح حضرت امام زہریؒ بھی مدلّس ہیں، اور یہ روایت انھوں نے بھی "عن" کے ساتھ ہی بیان کی ہے، گو کہ یہ عادل تو ہیں لیکن "عن" کی وجہ سے ان کی یہ روایت مقبول نہیں۔ البتہ :

○ حضرت امام محمد بن مسلم بن شہاب زہریؒ کے شاگرد رشید حضرت امام سُفیان بن عُیینہ گو کہ مدلّس تو نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود انھوں نے یہ روایت "حدثنا" کہہ کر بیان فرمائی ہے۔ کیونکہ انھوں نے یہ روایت براہِ راست حضرت امام زہریؒ سے سُنی ہے۔

○ اور چونکہ حضرت سُفیان بن عُیینہ تدلیس نہیں کرتے اس لیے اگر یہ "حدثنا" کی بجائے "عن"۔ "عنہ" یا "قال" کے ساتھ بھی کوئی

روایت بیان کریں تب بھی ان کی روایت مقبول ہوتی ہے۔

- بہر حال حضرت سفیان بن عیینہؒ نے جب یہ روایت سنی جو دراصل حضرت نافع بن محمود بن ربیع رحمۃ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے اور دو مدلس راویوں کے واسطے سے ان تک پہنچی ہے، تو انہوں نے اس کا انکار نہیں کیا، بلکہ "لمن یصلی وحدہ" کے الفاظ سے اس حدیث کی مناسب توجیہ فرمادی۔ تاکہ اس حدیث پر بھی عمل ہوتا رہے اور اس کے ساتھ ساتھ "اذا قرأ فانصتوا" جیسی حدیثِ مشہور پر بھی عمل برقرار رہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حکم قرآن بھی معمول بہ رہے۔

- نیز اس حدیثِ مبارک کی یہ مناسب اور برمحل توجیہ کرنے میں حضرت سفیان بن عیینہؒ ہی منفرد اور اکیلے نہیں ہیں، بلکہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے بھی اس روایت کی یہی توجیہ فرمائی ہے۔ چنانچہ:

- حضرت امام احمد بن حنبل، ابوعبداللہ شیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
معنی قول النبی ﷺ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ واحتج بحدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما حیث قال من صلی رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام. قال احمد فھذا رجل من اصحاب النبی ﷺ تاول قول النبی ﷺ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ان ھذا اذا کان وحدہ (ترمذی صفحہ ۵۰) کہ حضرت نبیِ کریم ﷺ کے فرمانِ مبارک لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا مطلب یہ ہے کہ اکیلے آدمی کی نماز سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر نہیں ہوتی۔

- حضرت امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی یہ توجیہ نقل فرمانے کے بعد تحریر فرمایا کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے دلیل میں سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا فرمان بیان فرمایا کہ آپؓ نے فرمایا تھا کہ: جو شخص ام القرآن یعنی سورۂ فاتحہ کے بغیر ایک رکعت بھی پڑھے گا تو ایسا ہوگا جیسے اس

نے نماز پڑھی ہی نہیں۔ البتہ جس شخص نے امام کی اقتداء میں نماز شروع کر رکھی ہو تو بغیر سورۂ فاتحہ پڑھے کے اس کی نماز ہو جاتی ہے۔

○ نیز حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، انھوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک سے یہی مطلب سمجھا اور (بالواسطہ) ہمیں سمجھایا کہ: یہ فرمانِ نبوی مقتدی کے لیے نہیں بلکہ اکیلے نماز پڑھنے والے شخص کے لیے مخصوص ہے۔

مکحولؒ کی روایت

○ سیدنا عبادہ بن الصامتؓ کی مذکورہ بالا روایت کے راوی حضرت نافع بن محمود بن ربیع اور ان کے والد کی روایات اور ان کی مناسب توجیہات ملاحظہ فرمانے کے بعد اس بات میں تو کوئی شک نہیں رہتا کہ: امام کے پیچھے قراءت کے معاملے میں سیدنا عبادہ بن الصامتؓ تمام صحابہ کرام اور مجتہدینؒ و محدثینؒ سے جداگانہ مسلک رکھتے ہیں، اور مذکورہ بالا توجیہات کے بعد اب اس روایت پر مزید کچھ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔ تاہم یہ بیان کرنا ابھی باقی ہے کہ سیدنا عبادہؓ سے روایت کرنے والے ایک اور بزرگ بھی ہیں، جن کا نام حضرت "مکحول" رحمۃ اللہ تعالیٰ ہے۔

○ حضرت مکحولؒ کے والد کا نام شہراب بن شاذان بن شروان بن یزدک بن یغوث بن کسریٰ تھا۔ ان کا تعلق کابل یا ہرات سے تھا۔ عہد صحابہؓ میں جب یہ علاقے فتح ہوئے تو اسلامی سپاہ کے ہاتھوں قید ہو کر دارِ اسلام میں آئے۔ پھر کسی امویہ یا ہذلیہ عورت کے غلام رہے، پھر آزاد کر دیے گئے۔ آپؒ نے متعدد بلادِ اسلام کا سفر کیا، دین سیکھا اور سکھایا۔ آپؒ کئی صحابہؓ کے حوالے سے حدیث بیان فرماتے تھے، لیکن انھوں نے صرف:

(۱) سیدنا واثلۃ بن الاسقع رضی اللہ عنہ (متوفی ۸۵ھ)

(۲) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ (متوفی ۹۳ھ) اور

(۳) سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ یا سیدنا ابو ہند رضی اللہ عنہ سے براہِ راست حدیثیں سنی ہیں۔ اور

ان تین صحابہؓ کے علاوہ اور کسی صحابیؓ سے براہِ راست علمِ حدیث حاصل نہیں کرسکے۔

○ انھوں نے صحابہؓ کے شاگردوں سے علمِ حدیث حاصل کیا۔ آپؒ چونکہ عجمی تھے، اس لیے مخصوص عربی الفاظ کا تلفظ ادا نہیں کرسکتے تھے۔ مثلاً: "قل" کی بجائے "کل" کہتے تھے۔ اہلِ شام میں آپؒ بہت بڑے فقیہ تھے، حتیٰ کہ امام زہریؒ سے بھی زیادہ فقیہ تھے۔ آپؒ پہلے تقدیر کے منکر تھے پھر تائب ہوگئے۔

○ حضرت مکحولؒ نے چونکہ مذکورہ بالا تین صحابہ کرامؓ کے علاوہ اور کسی صحابیؓ سے براہِ راست حدیث نہیں سُنی، اور اپنے استاذ کا نام بتلائے بغیر "عن" کے ساتھ صحابہؓ سے روایت کرتے ہیں، اس لیے مدلّس ہیں۔ نیز ان کی روایت کردہ زیرِ بحث حدیث متناً اور سنداً دونوں لحاظ سے مُضطرب بھی ہے۔ چنانچہ:

○ سطورِ ذیل میں اس روایت کی سند کے لحاظ سے اضطراب کی مختلف صورتیں بیان کی جاتی ہیں۔

سند کے لحاظ سے اضطراب کی صُورت

(۱) کہیں آتا ہے: مکحول عن عبادۃ (دارقطنی صفحہ ۱۲۱، ابوداؤد صفحہ ۱۲۶)

(۲) کہیں آتا ہے: مکحول عن نافع بن محمود عن عبادۃ (ابوداؤد صفحہ ۱۲۶)

(۳) کہیں آتا ہے: مکحول عن محمود بن ربیع عن عبادہ (ترمذی صفحہ ۴۹، ابوداؤد صفحہ ۱۲۶، مُستدرک حاکم جلد ۱ صفحہ ۳۶۴، دارقطنی صفحہ ۱۲۰)

(۴) کہیں آتا ہے: مکحول عن محمود بن ابی نعیم انہ سمع عبادہ (مُستدرک صفحہ ۳۶۴، دارقطنی صفحہ ۱۲۱)

(۵) کہیں آتا ہے: مکحول عن نافع عن محمود عن عبادۃ (دارقطنی صفحہ ۱۲۱، و ابوداؤد صفحہ ۱۲۶)

(۶) کہیں آتا ہے: مکحول عن عبداللہ بن عمرو (ماردینی)

(۷) کہیں آتا ہے: مکحول عن رجاء بن حیوۃ عن عبداللہ عمرو (ماردینی)

⑧ کہیں آتا ہے: مكحول عن رجاء بن حيوة عن محمود موقوفا على عبادة (ماردینی)

○ اب آپ بنظرِ انصاف دیکھیں کہ حضرت مکحولؒ کہیں تو سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہیں، نافعؒ سے، کہیں محمود بن ربیعؒ سے کہیں سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے اور کہیں رجاء بن حیوۃؒ سے روایت کرتے ہیں۔ اسی کو سند کے لحاظ سے اضطراب کہا جاتا ہے۔ اور اس اضطرابِ شدید کی وجہ سے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ:

① یہ حدیث مرفوع ہے یا موقوف، متصل ہے یا منقطع۔ بلکہ:

② یہ بھی معلوم کرنا مشکل ہے کہ سیدنا عبادہؓ نے یہ روایت حضرت نافعؒ کے سامنے بیان فرمائی تھی، جو اُن کے نواسے تھے، یا حضرت ابو نعیم محمود بن ربیع کے سامنے بیان فرمائی جو اُن کے داماد تھے۔

③ اسی طرح یہ فیصلہ کرنا بھی مشکل ہے کہ ابو نعیم محمود بن ربیع کے علاوہ ان کے ہمعصر کوئی اور ابو نعیم بھی تھے جنھوں نے نماز پڑھائی، جیسا کہ مستدرک حاکم جلد ا صفحہ ۳۶۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمودؒ فرماتے ہیں کہ: میں سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔

④ نیز یہ بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ واقعہ سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کا ہے یا سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا۔

⑤ نیز یہ بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ واقعہ عہدِ نبویؐ کا ہے یا وفاتِ نبویؐ کے بعد کا۔

⑥ نیز اس روایت کے راوی نافع مجہول ہیں اور ابو نعیم کی تعیین بھی نہیں ہو سکتی کہ یہ کون ہیں۔

○ اس لیے ایسی مضطرب حدیث کسی طرح بھی حجت نہیں ہو سکتی۔

متن کے لحاظ سے اضطراب کی صورت

① ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسبِ معمول باجماعت نماز پڑھائی تو ان کے پیچھے بعض صحابہؓ نے بھی پڑھنا شروع کر دیا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: هل تقرأون في الصلوة معي؟ کہ

میرے ساتھ ساتھ نماز میں تم قراءت کرتے رہتے ہو؟ تو ہم نے عرض کیا نعم کہ یا حضرتؐ! ہم پڑھتے رہتے ہیں۔ اس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا: فلا تفعلوا الا بفاتحۃ الکتاب کہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھا کرو۔

○ پھر فرمایا: فانہ لا صلوۃ لمن لم یقرأ بھا کیونکہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔ (سُنن ابی داؤد صفحہ ۱۲۶، ترمذی صفحہ ۴۹)

② اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فلا تفعلوا الا بامّ القراٰن سرًا فی انفسکم کہ سوائے سورۂ فاتحہ کے اور کچھ نہ پڑھا کرو، اور یہ بھی خاموشی سے دل میں پڑھا کرو۔ (دارقطنی صفحہ ۱۲۱، کنزالعمال جلد ۸ صفحہ ۱۱۲)

③ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فلا یقرأن احد منکم شیئًا من القراٰن اذا جھرت بالقراءۃ الا بامّ القراٰن کہ جب میں اونچی آواز سے قراءت شروع کردوں تو تمھارے میں سے کوئی ایک شخص بھی سوائے ام القرآن کے قرآن مجید میں سے کوئی ایک لفظ بھی ہرگز ہرگز نہ پڑھا کرے۔ (دارقطنی صفحہ ۱۲۱)

④ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من قرأ خلف الامام فلیقرأ بفاتحۃ الکتاب کہ جو شخص امام کے پیچھے پڑھنا ہی چاہے تو فاتحۃ الکتاب پڑھ لیا کرے۔ (مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۱۱۱)

⑤ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب امام او غیر امام کہ امام ہو یا غیر امام یعنی اکیلا ہو یا مقتدی، سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ (کنزالعمال جلد ۸ صفحہ ۱۱۱)

⑥ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امّ القراٰن عوض من غیرھا و لیس غیرھا منھا عوض کہ قرآن مجید کی آیات کے بدلے میں سورۂ فاتحہ ہے اور سورۂ فاتحہ کے عوض میں قرآن پاک کی دوسری آیات نہیں۔ (دارقطنی صفحہ ۱۲۲، باب وجوب قراءۃ ام الکتاب فی الصلوۃ و خلف الامام)

⑦ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فلا تقرأوا بشیٔ من القرآن اذا جھرت الابأمر القرآن کہ جب میں بلند آواز سے پڑھنا شروع کردوں تو اس وقت ام القرآن کے سوا قرآن مجید میں سے بھی کچھ نہ پڑھا کرو۔ (ابوداؤد صفحہ ۱۲۶ و مثلہ فی الدارقطنی صفحہ ۱۲۱)

⑧ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کہ فاتحۃ الکتاب پڑھے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔ (بخاری صفحہ ۱۰۴)

⑨ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب وأیتین معھا کہ فاتحۃ الکتاب اور اس کے ساتھ دو آیتیں ملائے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ (مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۱۱۵)

⑩ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعداً کہ فاتحۃ الکتاب اور پھر اس سے کچھ اوپر (دو چار آیتیں) پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ (ابوداؤد صفحہ ۱۲۶)

○ سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ بالا روایات کو دیکھنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جس طرح یہ روایت سنداً مضطرب ہے اسی طرح متن کے لحاظ سے بھی یہ روایت شدید اضطراب کا شکار ہے۔ کیونکہ عام طور پر ایک واقعہ کو اگر کئی راوی بیان کرنے والے ہوں اور ہر راوی کا بیان مختلف ہو تو ایسی روایت کو مضطرب کہا جاتا ہے۔ لیکن یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ ایک ہی موضوع پر ایک ہی راوی کے مختلف بیانات ہیں۔ یعنی اس روایت کو مضطرب ہونے میں ایسا کمال حاصل ہے جو کہیں اور ملنا مشکل ہے۔ لہٰذا یہ روایت کسی طرح بھی قابلِ عمل نہیں ہوسکتی۔

○ نیز اس حدیث کی ایک سند میں حضرت مکحولؒ نے استاذ کا نام محمود بن ربیع اور دادا استاذ کا نام ابونعیم بتلایا ہے۔ یعنی سیدنا عبادۃؓ سے ابونعیم نے سنا، اور ابونعیم سے محمود بن ربیعؓ نے سنا۔ حالانکہ اول تو ابونعیم، حضرت محمود بن ربیع کی کنیت ہے، اور دوسرے یہ کہ اس دور میں ابونعیم کسی دوسرے محدث کی کنیت ثابت نہیں، جو

ابونعیم محمود بن ربیع کا استاذ ہو۔

○ البتہ تابعین میں تو ایک ابونعیم ضرور ملتے ہیں، لیکن ان کا سماع سیدنا عبادۃ بن الصامتؓ سے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ یہ ابونعیم جن کا نام وہب بن کیسانؒ ہے سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی وفات (۳۴ھ) کے بعد پیدا ہوئے ہیں، اور صغر سنی یعنی کم عمری کی وجہ سے بمشکل سیدنا ابوہریرہؓ کی زیارت سے مشرف ہوسکے ہیں، جن کی وفات ۵۸ھ میں ہوئی۔ لیکن انھوں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بھی نہیں پڑھی، البتہ:

① سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (متوفی ۶۸ھ)

② سیدنا ابوسعید خدریؓ (متوفی ۶۵ھ)

③ سیدنا جابر بن عبداللہ (متوفی بعد از ۷۳ھ)

④ سیدنا عبداللہ بن زبیر (استشہد ۷۳ھ)

⑤ ربیب النبی سیدنا عمرو بن ابی سلمہؓ (متوفی ۸۳ھ)

سے انھوں نے دین سیکھا ہے۔

○ اور ۵۸ھ میں جب سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا ممکن ہے اس وقت حضرت وہب بن کیسان ابونعیم رحمہ اللہ تعالیٰ تین چار سال سے بھی چھوٹے ہی ہوں گے۔ اسی لیے تو انھوں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی صرف زیارت فرمائی ہے، ان سے پڑھا نہیں۔ کیونکہ:

○ اس زمانے میں دستور یہی تھا کہ جب بچہ بولنے لگتا تو سب سے پہلے دین کی باتیں سکھائی جاتی تھیں، بلکہ بچہ پیدا ہونے کے بعد صحابۂ کرامؓ کی زیارت کرانے کو باعثِ سعادت سمجھا جاتا تھا، خواہ اس میں بولنے اور سمجھنے کی صلاحیت ابھی پیدا نہ ہوئی ہو۔

○ ان شواہد سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت وہب بن کیسان ابونعیم رحمہ اللہ تعالیٰ اور سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی ملاقات یا ان سے کچھ پڑھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان ابونعیمؒ کی تو ولادت ہی سیدنا عبادہؓ کی وفات سے بیس بائیس

سال کے بعد ہی بن سکتی ہے، جبکہ آپؒ کی وفات ۱۲۷ھ میں ہوئی۔ اور آپؒ کے مشہور شاگردانِ گرامی میں :

① حضرت عُبید اللہ بن عمرؒ (۷۰ھ - ۱۴۵ھ یا ۱۴۷ھ)

② حضرت ہشام بن عروۃ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ (۶۱ھ - ۱۴۶ھ)

③ حضرت محمد بن اسحاقؒ (۸۰ھ - ۱۵۰ھ)

④ حضرت امام مالکؒ (۹۳ھ - ۱۷۹ھ)

کے نام شامل ہیں، حضرت وہب بن کیسان ابو نعیمؒ کے شاگردوں میں حضرت محمود بن ربیع ابو نعیم تو رہے درکنار، مُطلق محمود بھی کسی کا نام نہیں ہوا۔

○ مذکورہ بالا شواہد کی روشنی میں یہ کہنا درست ہوگا کہ اس روایت کی سند اصل میں یہ تھی : مکحول عن محمود ابی نعیم لیکن کسی نامعلوم ناقل یا کاتب نے محمود اور ابی نعیم کے درمیان غلطی سے "عن" لکھ دیا۔ اور بعد کے علماء نے سمجھا کہ خود محمود بن ربیع نے اپنے استاذ کا نام ابو نعیم بتلایا ہے۔ اور پھر ان کے بعد آنے والے علماء نے ابو نعیم سے مراد محمود بن ربیع کی بجائے وہب بن کیسانؒ لے لیا۔ حتیٰ کہ حضرت امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح تحریر فرمادیا۔ چنانچہ :

○ المستدرک علی الصحیحین جلد ا صفحہ ۳۶۴ میں تحریر فرمایا ہے : وقد ادخل محمود بن الربیع بینہ وبین عبادۃ وھب بن کیسان۔ کہ محمود بن ربیع نے اپنے اور سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کے درمیان وہب بن کیسانؒ کو داخل کیا ہے حالانکہ یہ بہت بڑا مغالطہ ہے۔

○ اور حضرت علامہ ذہبیؒ نے حاشیہ میں اس کی نشاندہی کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے : ذکر المؤلف ان ابا نعیم ھو وھب بن کیسان فاخطأ، وھب صغیر۔ کہ مؤلف (امام حاکمؒ) نے ابو نعیم کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ وہ وہب بن کیسانؒ ہیں۔ سو اس میں (امام حاکمؒ کو) غلطی لگ گئی ہے۔ کیونکہ وہب تو چھوٹے ہیں۔

○ سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی روایت جسے محض ایک دو راویوں نے کئی

مختلف انداز سے بیان کر کے ناقابلِ عمل بنا دیا ہے۔

○ البتہ ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک دو بار یہ واقعہ ضرور پیش آیا ہے کہ بعض صحابہؓ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھتے ہوئے قرارت کی تھی اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد صحابہؓ سے اس بارے میں دریافت فرمایا کہ: تم میں سے میرے پیچھے قرارت کس نے کی تھی، تو بعض صحابہؓ کے اقرار پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ معصوم سے جو الفاظ ارشاد فرمائے ان کے بارے تعیین نہیں کی جا سکتی کہ وہ الفاظ کیا تھے۔

○ چونکہ یہ واقعہ نماز کا ہے، اس لیے نماز میں موجود تقریباً تمام صحابہؓ کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ بعض لوگوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھتے ہوئے قرارت کی تھی جس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے۔ پھر جب صحابہ کرامؓ نے اپنے شاگردوں کو یہ واقعہ سنایا تو اکثر صحابہؓ نے مختلف الفاظ بتلائے۔

○ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگردوں نے جب اپنے شاگردوں کے سامنے یہ واقعہ بیان فرمایا تو الفاظ کچھ اور بدل گئے، جیسا کہ اس واقعہ کے بارے میں دیگر روایات سے صاف ظاہر ہے۔ مثلاً:

دیگر روایات

(۱) سیدنا ابو قتادہ، سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فلا تفعلوا الا بام القرآن کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر کچھ بھی نہ پڑھا کرو۔ (کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۰ و ۲۹۲) اس حدیث میں سری یا جہری نماز کا کوئی ذکر نہیں۔

(۲) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الامام یقرأ کہ امام جو پڑھتا ہے۔ یعنی جب امام پڑھتا ہے تو مقتدیوں کو پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ خاموش رہا کریں۔ (کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۲)

(۳) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اقرأوا

بفاتحۃ الکتاب کہ سورۂ فاتحہ پڑھا کرو۔ (کنزالعمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۰) یعنی خواہ امام سراً پڑھے یا جہراً سورۂ فاتحہ تو ہر حال میں پڑھا کرو۔

④ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک جہری نماز کے بعد) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اقول مالی انازع القرآن کہ میں سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میری قرأت میں کشمکش ہو رہی ہے۔

○ سیدنا ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد لوگ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے امام کے ساتھ ساتھ پڑھنے سے رک گئے۔ (کنزالعمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۰)

○ لیکن سری نمازوں میں پھر بھی بعض لوگ امام کے پیچھے بدستور پڑھتے رہے۔ جیسا کہ سیدنا اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت فرمایا کرتے تھے۔ (کنزالعمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۳)

⑤ امیرالمومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے تو کسی شخص نے آپ کے پیچھے پڑھنا شروع کر دیا، نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی نے میری ساتھ قرأت کی ہے، تو ایک شخص بولا: جی ہاں یارسول اللہ! میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى پڑھتا رہا ہوں۔ اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انی اقول مالی انازع القرآن کہ تبھی تو میں سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا ہوگیا ہے، میرے ساتھ قرأت میں کشمکش کیوں ہو رہی ہے۔ پھر فرمایا: اما یکفی احدکم قراءۃ امامہ کہ کیا تم میں سے کسی کو امام کی قرأت کافی نہیں؟

○ پھر فرمایا: انما جعل الامام لیؤتم به فاذا قرأ فانصتوا کہ امام تو ہوتا ہی اس لیے ہے کہ اس کی اتباع کی جائے، اس لیے جب امام قرأت کر رہا ہو تم خاموش ہو جایا کرو۔ (کنزالعمال جلد ۸ صفحہ ۲۸۶)

⑥ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر یا

عصر کی نماز پڑھائی اور سلام پھیرنے کے بعد دریافت فرمایا کہ میرے پیچھے سبح اسم ربك الاعلیٰ کس نے پڑھی تھی۔ جب کسی نے جواب نہ دیا تو آپ ﷺ نے پھر یہی فرمایا' تین بار دریافت فرمانے کے بعد ایک شخص نے عرض کی کہ جی ہاں: یارسول اللہ! میں نے پڑھی ہے۔ تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں سے جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے (تو کچھ نہ پڑھے کیونکہ) اس کی قرارت مقتدی ہی کی قرارت متصور ہوتی ہے۔ (کنزالعمال جلد ۸ صفحہ ۲۸۷)

⑦ سیدنا عبداللہ بن بجینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: میری قرارت میں کش مکش ہورہی ہے تو یہ سُن کر لوگ قرارت کرنے سے رک گئے تھے۔ (کنزالعمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۲)

⑧ سیدنا ابوقلابہ اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس موقع پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: آئندہ ایسا نہ کیا کرو یعنی امام کے پیچھے نہ پڑھا کرو۔ بلکہ لیقرأ احدکم بفاتحۃ الکتاب فی نفسہ۔ یعنی تم (مقتدیوں) میں سے ہر شخص کو اپنے دل ہی دل میں فاتحۃ الکتاب پڑھ لینی چاہیے۔ (کنزالعمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۳ و ۲۹۴)

قراءۃ فی نفسہ کا مفہوم

○ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے شاگرد حضرت ابوالسائب مولیٰ ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کو دوران تدریس یہ بتلا رہے تھے کہ: ام القرآن بڑی فضیلت والی سورت ہے۔ یہ سورت نماز میں ضرور پڑھا کرو۔ اور یہ کہ اس کے بغیر نماز ادھوری ہوتی ہے۔ اس پر حضرت ابوالسائبؒ نے دریافت فرمایا کہ: یا حضرتؓ! ہم لوگ بسا اوقات امام کی اقتدار میں نماز پڑھتے ہیں' تو کیا اس وقت بھی سورۂ فاتحہ پڑھ لینی چاہیے؟ حضرت ابوالسائبؒ کے دل میں یہ سوال اس لیے پیدا ہوا کہ وہ امام کے پیچھے قرارت نہیں فرماتے تھے۔ اور جب اپنے استاذ مکرم اور صحابئ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس بات سے اشکال پیدا ہوا تو ان

کی خدمت میں سوال پیش فرما دیا۔

- سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوالسائبؒ کو جواب میں ارشاد فرمایا: اقرأبها في نفسك يا فارسي کہ اے فارسی! سورۂ فاتحہ کی قراءت زبان کے ساتھ پست آواز سے نہیں بلکہ زبان کو حرکت دیے بغیر محض دل میں اس کا خیال کر لیا کرو، اور اس کے مضامین کو ذہن میں رکھا کرو۔

- اقرأبها في نفسك سے مراد یہ ہرگز نہیں کہ امام کے پیچھے پست آواز سے زبان کے ساتھ قراءت کیا کرو۔ کیونکہ یہ معنے ایک طرف تو قرآن مجید کی آیتِ مبارکہ اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کے مخالف ہوں گے، تو دوسری طرف حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بھی خلاف جائیں گے جو خود ① سیدنا ابوہریرہؓ ② سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ ③ سیدنا ابوسعید خدریؓ ④ سیدنا جابر بن عبداللہؓ وغیرہم سے مروی پہلے گزر چکا ہے کہ: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اذا قرأ فانصتوا کہ جب امام پڑھنا شروع کر دے تو تم (امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے) لوگ خاموش ہو جایا کرو۔

- اس لیے اقرأبها في نفسك يا فارسي سے یہ مراد لینا ہی زیادہ صحیح اور مناسب ہے کہ زبان کو حرکت دیے بغیر محض دل میں قرآن مجید کے خلاصہ اور محور سورۂ فاتحہ کا تصور اور خیال کر لیا کرو۔ کیونکہ:

- زبان کے ساتھ پست آواز سے پڑھنے کو "قراءت فی النفس" نہیں کہتے، بلکہ اسے "مخافتت" کہتے ہیں، جو ضد ہے "جہر" کی۔ (دیکھیے: تاج العروس جلد ا صفحہ ۵۴۲)

- نیز قرأ في نفسه یا قال في نفسه کا معنی ہے: دل میں خیال کرنا یا ذہن میں تصور کرنا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: يَقُولُونَ فِي أَنفُسِهِمْ (۵۸: ۸) کہ اپنے جی میں کہتے ہیں، اور اپنے دل میں خیال کرتے ہیں۔ (دیکھیے: مقامات حریری حاشیہ ۴ صفحہ ۱۸)

- نیز اصطلاحِ منطق میں "قضیۂ ملفوظہ" اور "قضیۂ معقولہ" دونوں کو قول کہتے ہیں۔ (التعریفات صفحہ ۱۵۸)
- معلوم ہوا کہ کلام دو قسم کی ہوتی ہے۔

کلام کی قسمیں

① "کلامِ لفظی" جو زبان سے بلند یا پست آواز کے ساتھ الفاظ ادا کرنے سے ہوتی ہے۔

② "کلامِ نفسی" وہ ہے جو دل میں متصوّر ہو۔

- درحقیقت ہر کلام بنیادی طور پر "کلامِ نفسی" ہی ہوتی ہے، جو انسان کے دل میں ہوتی ہے اور جب اس کلامِ نفسی کو دوسرے پر ظاہر کرنا منظور ہو تو اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ ① زبان کے ساتھ بولنے سے، ② لکھنے سے، ③ اشارہ کے ساتھ۔ جیسا کہ شرح شرح العقائد النسفیہ صفحہ ۲۱۴ میں وضاحت کی گئی ہے۔ نیز:
- کلیات ابی البقاء صفحہ ۲۸۳ میں ہے کہ: "قول" اسے کہتے ہیں "جو دل میں متصوّر ہو"۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔ ؎:

ان الكلام لفي الفؤاد و انما

جعل اللسان على الفؤاد دليلا

- یعنی اصل کلام تو ہوتی ہی وہ ہے جو دل میں ہو، اور یہ زبان تو دل کی بات کو دوسروں پر اس کلام کو ظاہر کرنے کا ایک آلہ ہے۔
- نیز سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام من اللیل یخفض طوراً و یرفع طوراً (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۶) کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں کبھی تو پست آواز سے پڑھتے تھے اور کبھی بلند آواز سے۔ لیکن ایسا کبھی نہیں کیا کہ زبان کو حرکت دیے بغیر محض دل میں قرآن مجید کا تصور فرما لیتے ہوں۔ جیسا کہ:

امام کے پیچھے قراءت کرنے والے کو آئندہ کیلیے امام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع

فرماتے ہوئے خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیقرأ احدکم بفاتحۃ الکتاب فی نفسہ کہ تم سب سراً یا مخافتۃً نہیں بلکہ زبان ہلائے بغیر محض دل میں ام الکتاب کے مضامین کی طرف دھیان رکھا کرو، یہی مقتدی کی قراءت ہے۔

○ بہرحال زبان سے پست آواز کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کو "قراءت فی النفس" کہنا درست نہیں۔ اور "قراءت فی النفس" سے درحقیقت یہی مراد ہے کہ امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے والا جب امام کے پیچھے کھڑا ہو تو اس اثناء میں سورۂ فاتحہ کا تصور اپنے دل میں قائم کرے اور اس میں غور و تدبر کرتا رہے، ورنہ انسان کا ذہن ادھر ادھر دنیا کے کاموں میں قلابازیاں کھاتا رہے گا، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہونگے کہ میرے دربار میں ہاتھ باندھے کھڑا ہے لیکن اس کا دل اور خیالات دنیا کے کاموں میں کہاں کہاں چکر لگا رہا ہے، اور یہ کیا سمجھتا ہے کہ میں علیم بذات الصدور نہیں ہوں۔ اس کی نماز کس طرح قبول ہوگی۔ اس لیے امام کی اقتداء میں نماز پڑھتے وقت دل میں سورۂ فاتحہ کا تصور کرنا بہت ہی اہم ہے۔ لیکن فرض نہیں۔

○ بعض علماء مالکیہ وغیرہم نے بھی یہی معنی مراد لیا ہے کہ یہاں قراءۃ سے قراءۃ لسانی مراد نہیں بلکہ قراءۃ نفسی مراد ہے۔ چنانچہ کلمہ فی نفسک اس معنے کی مؤید ہے۔

○ شرح موطا میں حضرت امام زرقانیؒ نے اور عمدۃ القاری میں حضرت علامہ عینیؒ نے یہی لکھا ہے: یحمل ذلک علی ان المراد تدبر ذلک و تفکرہ۔ یعنی سیدنا ابوہریرہؓ کے کلام کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ ان کی مراد سورۂ فاتحہ میں تدبر و تفکر ہے۔

○ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کا یہی مطلب اس لیے متعین کیا گیا ہے کہ آپؓ مسجد کے مئذنہ پر مغرب کی اذان دیتے تھے تو مئذنہ سے اتر کر صف تک پہنچنے میں کچھ دیر لگ جاتی تھی، تو امام مسجد والیٔ مدینہ حضرت مروانؒ کسی اور کو اقامت کا حکم دیتے تھے کہ آپ اقامت کہیں اور مؤذن کے آنے کی انتظار نہ کریں۔ کیونکہ مغرب کی نماز کا وقت بہت تھوڑا ہوتا ہے، اس لیے اس میں تاخیر ٹھیک نہیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پہنچنے تک حضرت مروانؒ سورۂ فاتحہ پڑھ کر دوسری

سورۃ پڑھنی شروع کر دیتے تھے۔ اس لیے سیدنا ابوہریرہؓ نے حضرت مروانؒ سے فرمایا: لا تفتنی بِآمین کہ مجھے آمین میں تو شامل ہو لینے دیا کریں، تاکہ مجمع مسلمین کی دعامیں میں بھی شریک ہو جایا کروں۔ (دیکھیے صحیح بخاری صفحہ ۱۰۷)

○ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر سورۂ فاتحہ رہ جانے کا اس قدر افسوس نہیں فرمایا جتنا کہ آمین رہ جانے پر افسوس کا اظہار فرمایا۔

○ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہی مسلک تھا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا کوئی حکم نہیں ہے۔

مفہوم حدیث

لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ وامثالہ

○ ہم ابتداء میں لکھ چکے ہیں کہ عربی زبان میں لا نفی جنس کا استعمال دو طرح سے ہوتا ہے۔

(۱) مطلق شے کی نفی ہو، جیسے: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں "اللّٰہ" کے سوا مطلق "الٰہ" کی نفی ہے۔

(۲) "لا" سے مطلق شے کی بجائے اس کے کمال کی نفی ہوتی ہے۔

○ اور زیرِ بحث مسئلہ میں اگر پہلا مفہوم مراد لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ: جو نماز بھی سورۂ فاتحہ کے بغیر پڑھی جائے گی تو وہ نماز سرے سے ہوگی ہی نہیں۔ خواہ وہ نماز امام کے پیچھے پڑھے یا تنہا۔ یا جس نماز میں امام جہراً پڑھے یا سرًا و مخافتۃً، خواہ مقتدی نماز میں امام کے ساتھ رکوع میں ملا ہو یا سجدے میں۔

○ اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ "لا" نفی کمال کے لیے ہے، تو اس صورت میں اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ: جو شخص نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے گا، اس کی نماز تو ہو جائے گی مگر اس کی وہ نماز ادھوری نامکمل اور ناتمام ہوگی، بشرطیکہ وہ مقتدی نہ ہو، اور مقتدی اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ امام کی قراءت ہی مقتدی کے لیے کافی ہے۔

○ اگرچہ بعض علمائے کرامؒ و محدثینِ عظامؒ کے نزدیک پہلا مفہوم راجح ہے، تاہم حنفیہ

کے نزدیک پہلے کی نسبت دوسرا مفہوم راجح اور اولیٰ بالترجیح ہے۔ کیونکہ:

دُوسرے مفہوم کے اولیٰ بالترجیح ہونے کی وجہ

- عہد نبویؐ اور بعد ازاں عہد صحابہؓ میں چند ایک (سیدنا عبادہؓ و سیدنا ابی بن کعبؓ وغیرہما) کے علاوہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے پڑھنے کی بجائے خاموش کھڑے رہنے کے قائل تھے، جن میں سے بعض صحابہ کرامؓ تو قراءت خلف الامام سے نہایت سختی کے ساتھ منع بھی فرمایا کرتے تھے۔ لیکن صحابہ کرامؓ تابعینؒ، تبع تابعینؒ سلف صالحینؒ و ائمۂ مجتہدینؒ میں سے کسی ایک نے بھی ان صحابہ کرامؓ کے بارے میں بے نماز ہونے کا فتویٰ نہیں دیا اور نہ اس بارے میں کوئی مناظرہ ہوا، اور نہ ہی کسی نے اس کی تشہیر کی۔
- البتہ بعض علماء سری نمازوں میں تو فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے لیکن جہری نمازوں میں وہ بھی فاتحہ خلف الامام کے قائل نہیں تھے، جیسے حضرت امام زہریؒ اور حضرت امام مالکؒ، لیکن اس دور سے آج تک کسی عالم نے ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا کہ وہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کیوں نہیں پڑھتے تھے، اور نہ ہی کسی نے ان کے متعلق یہ فتویٰ دیا ہے کہ ان کی جہری نمازیں یعنی فجر، مغرب عشاء، جمعہ و عیدین وغیرہ ضائع اور برباد ہیں۔
- حضرت عبداللہ بن المبارکؒ جو کہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے، انھوں نے کبھی اپنے استاذ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ اور ان کے ہم مسلک کوئی علماء پر فتویٰ نہیں لگایا جو سری نمازوں میں بھی فاتحہ خلف الامام کے قائل نہیں تھے کہ ان کی سری و جہری کوئی نماز بھی نہیں ہوئی۔ بلکہ آپؒ نے فرمایا کہ میں خود تو امام کے پیچھے پڑھتا ہوں مگر میری رائے یہ ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز بھی جائز اور صحیح ہے۔ (دیکھیے جامع ترمذی صفحہ ۵۰)
- حضرت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حدیثِ مبارک لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب میں اکیلے اور تنہا پڑھنے والے کو حکم ہے اور مقتدی کے

لیے یہ حکم نہیں ہے۔ البتہ میرا مختار مسلک یہی ہے کہ اگرچہ امام کے پیچھے ہی ہو تب بھی سورۂ فاتحہ پڑھنا نہ چھوڑے۔ (جامع ترمذی صفحہ ۵۰)

○ یہاں یہ بات بھی خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے "لا صلوٰۃ" والی حدیث خوب یاد ہونے کے باوجود امام کے پیچھے سری و جہری نمازوں میں فاتحہ نہ پڑھنے والوں کی نمازوں کو باطل اور فاسد قرار نہیں دیا۔

○ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ حدیثِ مبارک "لا صلوٰۃ..." کی رو سے مقتدی بھی سورۂ فاتحہ پڑھے، خواہ امام جہری قراءت کر رہا ہو یا سری: مگر انھوں نے بھی حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ، امام ابویوسفؒ، امام زفرؒ یا امام حسن بن زیادؒ پر بے نماز ہونے یا ان کی نمازیں ناقص یا ادھوری ہونے کا فتویٰ نہیں لگایا۔ اور نہ ہی کبھی ان ہستیوں کو فاسق و فاجر کہا ہے۔ فافہم و تدبر و لا تکن من الجاھلین

فاسق کی تعریف سے عرشِ الٰہی کانپ جاتا ہے

○ مذکورہ بالا شواہد کی روشنی میں یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ سلف صالحینؒ کے دور میں لا صلوٰۃ... کا پہلا مفہوم ہرگز مراد نہ ہوتا تھا اور نہ ہی کسی نے یہ کہا ہے کہ امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے والوں کی نعوذ باللہ نماز ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ حنبلیوںؒ، شافعیوںؒ اور مالکیوںؒ میں سے بڑے بڑے علماء حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا نام بڑے عزت و احترام سے لیتے ہیں، اور ان کے حق میں دعائیں کرتے ہیں۔ کتبِ مالکیہ، شافعیہ و حنابلہ میں دیگر اصحابِ مذہب کی طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ کو بھی صاحبِ مذہب کہا گیا ہے۔ اور ان کے مناقب میں مستقل کتابیں لکھنے والوں میں حضرت امام ذہبیؒ، علامہ ابن حجرؒ اور عبدالوہاب شعرانی رحمہم اللہ تعالیٰ کے نام شامل ہیں۔

○ اور اگر حضرت امام ابوحنیفہؒ امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے کی وجہ سے بے نماز اور فاسق تھے تو ان کی تعریف اور مناقب بیان کرنے سے بھی گریز کرنا چاہیے تھا۔

کیونکہ فاسق کی مدح کرنے سے اللہ تعالیٰ غضب ناک ہوتے ہیں اور عرشِ معلیٰ بھی کانپ جاتا ہے۔ جیسا کہ:

فرمانِ رسولؐ

○ سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اذا مدح الفاسق غضب الرب تعالیٰ واھتزله العرش. (مشکوٰۃ صفحہ ۴۱۴)

حدیثِ نبویؐ

لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب

کی تشریح خود حضرت نبیٔ کریم ﷺ کی زبانِ معصوم سے

○ لا صلوٰۃ... کے دوسرے مفہوم کو ترجیح دینے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ: حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی زبانِ معصوم سے اپنے کلام کی تشریح درج ذیل الفاظ میں فرمائی ہے:

حدیث من صلّی صلوٰۃ لم یقرأ فیھا بأم القرآن فھی خداج فھی خداج غیر تمام. یعنی جو شخص نماز میں سورۂ فاتحہ کی قراءت نہیں کرتا اس کی نماز ادھوری اور ناتمام ہے۔

○ لیکن آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز سرے سے ہوگی ہی نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ: جو شخص بغیر امام کے اکیلے نماز پڑھ رہا ہو اور نماز میں قرآن مجید کی دوسری آیاتِ مبارکہ پڑھ کر صرف فاقرأوا ما تیسر من القرآن کے حکمِ الٰہی پر عمل کرلے تو اس کی نماز ادا تو ہوجائے گی، لیکن نماز کو مکمل کرنے والی سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے کی وجہ سے اس کی نماز ادھوری اور نامکمل رہ جائے گی۔ اس لیے منفرد اور امام کو چاہیے کہ دورانِ نماز قیام کی حالت میں قرآن مجید کی دیگر آیات کے ساتھ ساتھ سورۂ فاتحہ بھی ضرور پڑھا کرے۔

○ یہ فرمانِ نبویؐ تین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور ائمۂ حدیثؒ نے اپنی کتب میں نقل فرمایا ہے۔ چنانچہ:

(۱) ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مروی حدیث نبوی سنن ابی داؤد صفحہ ۱۲۶ و السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۳۸ و مسند امام احمد جلد ۷ صفحہ ۲۰۵ و ۳۹۱ پر،

(۲) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی فرمان نبوی مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۲۱۵ و ۲۴۳ پر، اور :

(۳) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی فرمان رسول موطا امام مالک صفحہ ۲۹ ابوداؤد صفحہ ۱۲۵ و ۱۲۶ اور صحیح مسلم صفحہ ۱۶۹ و ۱۷۰ و سنن نسائی صفحہ ۱۴۲ و سنن ابن ماجہ صفحہ ۶۰ و ۶۱ و صحیح ابن حبان جلد ۴ صفحہ ۷۳ و ۹۳ و السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۹ و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۶۱ و ۳۷۱ پر موجود ہے۔ اور مختلف سندوں سے مروی اس حدیث میں کوئی اضطراب وغیرہ بھی نہیں ہے۔

○ نیز "لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب" یا "لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب" میں گو بظاہر حکم عام ہے مگر اس حکم سے مقتدی مستثنیٰ ہے، مقتدی اس حکم میں داخل نہیں۔ جیسا کہ :

○ حدیث شریف میں آتا ہے کہ بے وضو آدمی جب تک وضو نہ کرلے اس وقت تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ ((ترمذی صفحہ ۱۶))

○ گو بظاہر یہ حکم عام ہے مگر معذور اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ معذور کو تیمم کی اجازت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے : لم تجدوا ماء فتیمموا (۴ : ۴۳)

لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کے حکم سے مُقتدی کا استثناء

❶ اسی طرح لا صلوٰۃ کے حکم عام سے مقتدی کو خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے : "اذا قرأ فانصتوا" کا حکم دیا ہے۔ یعنی جب امام پڑھنا شروع کرے تو تم مقتدی خاموش ہو جایا کرو۔

ائمۂ حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان رسول بھی اپنی کتب حدیث میں محفوظ فرما کر ہمیں ممنون فرمایا۔ مثلاً :

① امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کی مروی حدیث کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۸۶،

② سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی مروی روایت صحیح مسلم صفحہ ۱۷۴ و مسند ابی عوانہ صفحہ ۱۳۳ و سنن دار قطنی صفحہ ۱۲۵ میں۔

③ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی مروی حدیث لسان المیزان جلد ۲ صفحہ ۲۲۴ میں۔

④ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت سنن نسائی صفحہ ۱۴۶ و صحیح مسلم صفحہ ۱۷۴ و سنن ابن ماجہ صفحہ ۶۱ و سنن دار قطنی صفحہ ۱۲۵ و ۱۲۶ و شرح معانی الآثار للطحاوی صفحہ ۱۲۸ و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۷ میں موجود ہے۔ نیز:

❷ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب حکم سے مقتدی کو مستثنیٰ کرنے کے لیے خود اپنی معصوم زبانِ مبارک سے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ کہ جس نمازی کا امام ہو تو اس کے امام کا پڑھنا ہی اس مقتدی کا پڑھنا سمجھا جائے گا۔

① سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث سنن ابن ماجہ صفحہ ۶۱ و شرح معانی الآثار للطحاوی صفحہ ۱۷۸ میں موجود ہے۔ جبکہ:

② سیدنا عبد اللہ بن شداد رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث مبارک موطا امام محمد صفحہ ۱۰۰ میں موجود ہے۔ نیز:

❸ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لا صلوۃ۔۔۔ کے حکم عام سے خود مقتدی کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا: من صلیٰ صلوۃ لا یقرأ فیہا بام القرآن فلم یصل الا وراء الامام (طحاوی صفحہ ۱۲۸ عن جابرؓ) کہ امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے کے علاوہ جو شخص نماز میں ام القرآن نہ پڑھے اس نے گویا نماز پڑھی ہی نہیں۔

○ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشاداتِ مبارکہ سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ ہر نمازی کے لیے قرارت ضروری ہے سوائے اس کے جو امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو۔ کیونکہ امام کی قرارت ہی مقتدی کے لیے کافی ہے۔

○ اس لیے ہم لا صلوٰۃ ... کے دوسرے مفہوم کو ترجیح دیتے ہیں۔

○

مُقتدی کو حُکمِ قراءۃ سے مُستثنیٰ کرنے کی حکمت

○ امام اور مقتدی کا باہم رابطہ، تعلق، یگانگت اور روحانی جوڑ ہوتا ہے جو ہر کسی کو محسوس نہیں ہوتا۔ اگر امام میں کوئی خرابی ہو تو اس سے مقتدی کی نماز متاثر ہوتی ہے۔ اور اگر مقتدی میں کوئی نقص ہو تو وہ امام کو متاثر کرتی ہے، لیکن اس کا احساس عام حالات میں نہ مقتدی کو ہوتا ہے نہ امام کو۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ ہستیوں کو بعض اوقات اس کا احساس ہو جاتا ہے۔ چنانچہ:

○ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں سورۂ روم پڑھ رہے تھے، اچانک آپ کو اشتباہ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ: لوگوں کا بھی کیا حال ہے کہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور ٹھیک طرح سے وضو بھی نہیں کرتے، جس کا اثر یہ ہوا کہ پڑھتے پڑھتے مجھے قراءت میں اشتباہ ہو گیا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۹)

○ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر نماز پڑھنے والے کو فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ کا حکم فرمایا۔ یہ حکم منفرد، امام اور مقتدی سب کے لیے عام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھنے کا طریقہ بتلاتے ہوئے نماز میں قرآن مجید پڑھنے پر خاص طور سے زور دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

① فی کل صلوٰۃ قراءۃ (مسلم صفحہ ۱۷۰ و نسائی صفحہ ۱۴۶) کہ ہر نماز میں قراءت قرآن مجید کرنا ضروری ہے۔

② نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل الصلوٰۃ یقرأ فیها۔ (ابن حبان جلد ۳ صفحہ ۱۴۱)

③ نیز فرمایا: فی کل الصلوٰۃ یقرأ (مسلم صفحہ ۱۷۰)

④ نیز فرمایا: لا صلوٰۃ الا بقراءۃ (مسلم صفحہ ۱۷۰)

⑤ نیز آپ نے ارشاد فرمایا: لا صلوٰۃ الا بقراءۃ ولو بفاتحۃ الکتاب کہ جب

تک نماز میں قرآن مجید نہ پڑھا جائے اس وقت تک نماز ہوتی ہی نہیں اگرچہ سورۂ فاتحہ ہی ہو، یعنی اگر قرآن مجید کا باقی حصہ یاد نہ ہو تو کم از کم سورۂ فاتحہ ہی پڑھ لیا کرو۔ (مسند اعظم صفحہ ۵۸ و جامع المسانید صفحہ ۳۰۸ بروایت ابی ہریرہؓ)

(۶) سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تصل صلوٰۃ الا قرأت فیہا ولو بفاتحۃ الکتاب کہ ایسی کوئی نماز نہ پڑھ جس میں تو قرآن مجید نہ پڑھے، اور کچھ نہیں تو کم از کم سورۂ فاتحہ ہی پڑھ لیا کر۔ (طحاوی صفحہ ۱۲۷)

(۷) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: امرنا ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب وما تیسر کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تمام صحابہ کرامؓ کو اس بات کا حکم فرمایا کہ نماز میں سورۂ فاتحہ بھی پڑھیں اور اس سے زیادہ بھی جو آسانی کے ساتھ پڑھا جا سکے۔ (سنن ابی داؤد صفحہ ۱۲۵ و مثلہ فی صحیح ابن حبان جلد ۴ صفحہ ۱۴۰)

(۸) نیز آپؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ فی کل رکعۃ الحمد وسورۃ فی فریضۃ وغیرہا کہ جو شخص نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی دوسری سورت نہیں پڑھے گا تو اس کی نماز نہیں ہوگی، خواہ فرض نماز ہو یا غیر فرض نوافل وغیرہ۔ (سنن ابن ماجہ صفحہ ۶۱ و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۶۱)

(۹) نیز آپؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تجزئ صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب ومعہا غیرہا کہ سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ قرآن مجید کا کوئی حصہ ملائے بغیر نماز ناکافی رہتی ہے۔ (جامع المسانید جلد ۱ صفحہ ۳۱۲)

(۱۰) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیتے ہوئے فرمایا: اخرج فناد فی المدینۃ انہ لا صلوٰۃ الا بقراءۃ فاتحۃ الکتاب فما زاد کہ نکلو اور مدینہ منورہ میں اعلان کر دو کہ سورۂ فاتحہ اور پھر اس کے ساتھ

قرآن مجید کا اس سے کچھ زیادہ حصہ بھی جب تک کوئی شخص نہیں پڑھے گا اس وقت تک اس کی نماز ہی نہیں ہوگی۔ (سنن ابی داؤد صفحہ ۱۲۵ و مثلہ فی الترمذی صفحہ ۱۷)

(۱۱) سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعداً۔ کہ جب تک کوئی شخص سورۂ فاتحہ اور اس سے کچھ اوپر بھی قرآن مجید میں سے نہیں پڑھے گا تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم صفحہ ۱۶۹)

○ بعض محدثینؒ نے سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت میں "فصاعداً" کا لفظ بھی نقل نہیں فرمایا، جس کی وجہ سے بعض علماء نے سمجھا کہ شاید امام مسلم کو مغالطہ ہو گیا ہے۔ لیکن یہ لفظ صحیح ہے، اور اس کی تائید ان تمام روایات سے ہوتی ہے جو اس ضمن میں دیگر صحابۂ کرامؓ سے قبل ازیں لکھی جا چکی ہیں اور آئندہ لکھی جا رہی ہیں۔ چنانچہ:

(۱۲) سیدنا رفاعۃ بن رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ثم اقرأ بأم القرآن و ماشاء اللہ ان تقرأ کہ پھر سورۂ فاتحہ پڑھ اور قرآن مجید سے اس قدر اور بھی پڑھ جتنا کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔ (ابوداؤد صفحہ ۱۳۲ و مثلہ فی فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۳۱)

○ بہر حال فرمانِ الٰہی فاقرأوا ما تیسر من القرآن اور مذکورِ بالا تمام احادیثِ نبویؐ سے معلوم ہوتا ہے کہ: اصل مسئلہ یہ تھا کہ "نماز میں قرآن مجید پڑھا جائے" اور اس کے پڑھنے کی مقدار "ما تیسر" ہے۔ یعنی جس قدر آسانی کے ساتھ پڑھا جا سکے۔

○ پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی حالت کو دیکھ کر فرمایا کہ: زیادہ نہیں تو کم از کم فاتحہ تو ضرور ہی پڑھ لیا کرو، لیکن اسی کو کافی بھی نہ سمجھو بلکہ سورۂ فاتحہ بھی پڑھو اور اس سے زیادہ بھی جس قدر اللہ تعالیٰ ہمت دے ضرور پڑھا کرو۔

○ اور جن احادیث میں سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہ ہونے کا ذکر ہے تو دراصل اس سے

سورۂ فاتحہ کی اہمیت اور افضلیت بتانا مقصود ہے۔ کیونکہ سورۂ فاتحہ قرآن مجید کے تمام مضامین کا خلاصہ ہے' اس لیے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نمازی کو قرآن مجید میں سے "ما تیسر" کے ساتھ ساتھ سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم فرمایا ہے' لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر سرے سے نماز ہوگی ہی نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو مطلق قرآن مجید پڑھنے کا حکم دیا ہے' سورۂ فاتحہ کی تخصیص نہیں فرمائی' اس لیے نماز میں مطلق قرآن مجید کا پڑھنا تو اسی طرح فرض ہے جیسے رکوع و سجود نماز میں فرض ہیں۔ البتہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ما تیسر" کے ساتھ سورۂ فاتحہ کی شکل میں قرآن مجید کی کم از کم مقدار متعین فرما کر اپنی امت پر احسان عظیم فرمایا ہے۔

- چونکہ قرآن مجید میں دوران نماز سورۂ فاتحہ کی تخصیص نہیں آئی اس لیے نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کو فرض تو نہیں کہا جا سکتا' فرض تو مطلق قرآن کی قراءت ہی ہے جو قرآن مجید کی ناقابل تاویل و تنسیخ نص صریح سے ثابت ہے۔ اور سورۂ فاتحہ کے بارے میں جو جو احادیث وارد ہیں ان سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ خبر واحد ہیں' جن سے فرضیت نہیں بلکہ وجوب ثابت ہوتا ہے۔
- اس لیے ان احادیث سے یہ سمجھنا کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر سرے سے نماز ہوتی ہی نہیں' منشائے نبوی کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد سورۂ فاتحہ کے بغیر پڑھی جانے والی نماز کا سرے سے ہی بطلان نہیں' بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ بغیر فاتحہ کے نماز ادھوری ہوتی ہے۔ جیسا کہ:
- ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کل صلوۃ لا یقرأ فیہا بأم الکتاب فھی خداج کہ جو شخص نماز میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھے گا اس کی نماز ناقص اور ادھوری ہے۔
- ام المؤمنین کے علاوہ یہ حدیث مبارک (۱) سیدنا ابوہریرہ (۲) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص سے بھی مروی ہے۔

دیکھیے: مؤطا امام مالک صفحہ ۲۹ و مسلم صفحہ ۱۶۹ و ۱۷۰ و ابوداؤد صفحہ ۱۲۵ و ۱۲۶ و نسائی

صفحہ ۱۴۴ و ابن ماجہ صفحہ ۶۰ و ۶۱ و طحاوی صفحہ ۱۲۷ و صحیح ابن حبان جلد ۴ صفحہ ۱۲۷ و ۱۳۹ و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۶۱ و ۳۷۷ و مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۲۱۵ و ۴۲۳، و جلد ۳ صفحہ ۲۱۵ و ۲۵۳ و ۴۹۴ و ۵۵۵، و جلد ۷ صفحہ ۲۰۵ و صفحہ ۳۹۱ و بیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۸ و ۳۹ و بیہقی فی کتاب القراءۃ صفحہ ۱۳۵ کذا فی قلائد الازہار۔

○ مقتدی کو حکم قراءت سے مستثنیٰ کرنے کی حکمت کے ضمن میں مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ واقعی مقتدی کو امام کے پیچھے قراءت کرنے کا کوئی حکم نہیں۔

○ اس لیے یہ بات فیصلہ کن حد تک ثابت ہو چکی ہے کہ فاقرءوا ما تیسر من القرآن کے حکم عام سے مقتدی کو مستثنیٰ قرار دینا زیادہ صحیح ہے۔ نیز:

○ امیر المومنین سیدنا امام عمر اور دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تلمیذ رشید حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو باجماعت نماز پڑھایا کرتے تھے تو نماز کے دوران حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی قرآن مجید کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، اور آپ ﷺ کے پیچھے آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھنے والے صحابہ کرام بھی آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی قراءت کرتے تھے اور فاتحہ بھی پڑھتے تھے اور دوسری سورت بھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ پڑھتے رہتے تھے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا (۷ : ۲۰۴) اس کے بعد صحابہ کرام ؓ امام کے پیچھے خاموش کھڑے رہتے تھے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی قراءت فرماتے اور صحابہ کرام ؓ بغور سنتے رہتے تھے۔ (دیکھیے درمنثور جلد ۳ صفحہ ۲۳۵)

○ پھر چونکہ تمام صحابہ کرام ؓ ہمہ وقت مدینہ منورہ میں تو رہتے نہیں تھے اس لیے یہ آیت مبارکہ ان صحابہ ؓ سے مخفی رہی جو اس وقت مدینہ منورہ سے باہر سفر پر تھے اس لیے وہ بدستورِ سابق امام کے پیچھے قراءت کرتے رہے۔ پھر جب اتفاق سے ان صحابہ ؓ میں سے کوئی مدینہ منورہ آیا تو اسے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز

پڑھنے کا موقع ملا تو اس آیتِ مبارکہ سے لاعلمی کی وجہ سے بدستورِ سابق حضرت ﷺ کے پیچھے قراءت شروع کر دی۔ اب گو کہ حضرت نبی کریم ﷺ عالم الغیب اور علیم بذات الصدور تو نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات ہیں، جن میں مخلوق کو شریک سمجھنا صریح کفر ہے، تاہم اللہ تعالیٰ اگر اپنے مخصوص بندوں کو کوئی مخصوص بات کسی مخصوص مقصد کے لیے ایک خاص وقت میں خاص طریقے سے ظاہر فرمائے تو اسے شرک نہیں کہا جاسکتا۔ اور ہم قبل ازیں مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۹ سے ایک حدیثِ نبویؐ تحریر کر چکے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اور مقتدی کے درمیان ایک خاص قسم کا روحانی تعلق ہوتا ہے۔ جس کا احساس کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ ہستیوں کو ہو جاتا ہے، لیکن یہ کوئی قانون نہیں، ہر بات کا ہر وقت علم رکھنا مخصوص الٰہی صفات میں سے ہے۔

○ بہرحال ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت نبیِ کریم ﷺ نماز میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے تو انھیں قراءت میں کچھ بوجھ اور کھنچاؤ سا محسوس ہوا، تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی نے میرے پیچھے قراءت بھی کی تھی؟ باقی تمام صحابۂ کرامؓ تو خاموش رہے، اور وہ صحابی جنھوں نے آپؐ کے پیچھے قراءت کی تھی، سوال کے اس انداز سے سمجھ گئے کہ شاید ہماری غیر موجودگی میں امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے کے بارے میں حکمِ الٰہی نازل ہو چکا ہے، جس کا ہمیں علم نہیں ہو سکا، اسی لیے حضرت رسول اللہ ﷺ ہماری اس غلطی پر ناراضی کا اظہار فرما رہے ہیں، آخرِ کار عرض کرنے لگے کہ: جی ہاں یارسول اللہ! امام کے پیچھے ہم نے قراءت کی تھی۔ اس پر حضرت امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا: اچھا یہ بات ہے، تبھی تو میں سوچ رہا تھا کہ کیا وجہ ہے کہ میری قراءت میں یہ کش مکش کھینچا تانی کیا ہو رہی ہے۔ (کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۰ عن عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ)

○ اس حدیثِ مبارک میں صرف اسی قدر الفاظ مذکور ہیں۔ جنھیں سننے کے بعد اس

موقع پر موجود صحابۂ کرامؓ یہ بات سمجھ گئے کہ ہماری قرارت سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرارت میں منازعۃ اور کھینچا تانی اور دباؤ پڑتا ہے۔ اس لیے وہ صحابۂ کرام امام کے پیچھے قرارت سے رک گئے۔ جیسا کہ:

سیدنا عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: فانتھی الناس عن القراءۃ حین قال علیہ السلام ذلک۔ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد لوگ امام کے پیچھے قرارت سے رک گئے۔ (کنزالعمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۲)

اس موقع پر جو صحابۂ کرامؓ موجود تھے یا جنھیں کسی نہ کسی طرح اس واقعہ کا علم ہو گیا وہ تو قرارت خلف الامام سے رک گئے، لیکن پھر بھی کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایسے رہ گئے جنھوں نے قرآن مجید کی آیت "واذا قرئ القرأن فاستمعوا له وانصتوا" بھی نہیں سنی تھی، اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ بالا فرمانِ مبارک بھی کسی وجہ سے نہ سُن سکے تھے، اس لیے وہ بدستورِ سابق امام کے پیچھے قرارت کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ:

امیرالمؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ظہر کی نماز پڑھائی تو ان کے پیچھے ایک آدمی چپکے چپکے سے قرارت کرتا رہا۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تمھارے میں سے وہ کون ہے جس نے میرے ساتھ ساتھ قرارت کی ہے، یہ سوال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار دہرایا۔ تب ایک آدمی نے اقرار کرتے ہوئے کہا، نعم یارسول اللہ! "سبح اسم ربك الاعلیٰ" میں نے پڑھا تھا۔ تو اس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سوچ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرارتِ قرآن میں یہ کیا کھینچا تانی ہو رہی ہے۔ (اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زجراً فرمایا:) کیا تم میں سے کسی کو امام کی قرارت کافی نہیں؟ (اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) انما جعل الامام ليؤتم به فاذا قرأ فانصتوا۔ امام تو ہوتا ہی اس لیے ہے کہ اس کی اقتدار کی جائے۔ پس جب امام قرارت شروع کر دے تو تم لوگ خاموش ہو جایا کرو۔ (کنزالعمال جلد ۸ صفحہ ۲۸۶)

- حضرت امیر المؤمنینؓ کے علاوہ یہ حدیثِ مبارک ① سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ ② سیدنا انس بن مالکؓ اور ③ سیدنا ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہے۔
دیکھیے: صحیح مسلم صفحہ ۱۷۴ و دارقطنی صفحہ ۱۲۵ و مسند ابی عوانہ صفحہ ۱۳۳ و بیہقی و طحاوی صفحہ ۱۲۸ و نسائی صفحہ ۱۴۶ و ابن ماجہ صفحہ ۶۱ و لسان المیزان جلد ۲ صفحہ ۲۲۴ و بذل المجہود بحوالہ بیہقی و دارقطنی و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۷۔

- مذکورہ بالا حدیثِ مبارک میں سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز میں پیش آمدہ واقعہ کا ذکر فرمایا ہے، جو سری نماز ہے۔ اس حدیثِ مبارک سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو گئی کہ خواہ سری یعنی ظہر و عصر کی نماز ہو، خواہ جہری یعنی فجر، مغرب، عشاء اور جمعہ و عیدین کی نماز ہو، امام کے پیچھے قراءت کرنا دونوں صورتوں میں منع ہے، بلکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سری نماز میں قراءت خلف الامام سے دھمکی آمیز الفاظ کے ساتھ منع فرمایا۔

- حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبانِ مبارک سے فاتحہ خلف الامام سے ممانعت کی احادیث بہت کثیر تعداد میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سری اور جہری تمام نمازوں میں فاتحہ یا کوئی اور سورت امام کے پیچھے پڑھنے سے منع فرمانے والے صحابۂ کرامؓ کی تعداد بھی بہت ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں تحریر کردہ احادیثِ نبویؐ سے یہ بات واضح ہو چکی ہے۔ اور قرآنی احکام سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ: امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ یا اس کے علاوہ قرآن مجید کی کوئی دوسری سورت یا آیات نہ پڑھی جائیں۔ اور علماءِ حق نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ مثلاً:

- شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لکن الذین ینھون عن القراءۃ جمھور السلف والخلف ومعھم الکتاب والسنۃ الصحیحۃ والذین اوجبوھا فحدیثھم ضعفہ الائمۃ۔ کہ جو لوگ امام کے پیچھے قراءۃ کرنے سے منع کرتے ہیں وہ جمہور سلف اور خلف ہی ہیں اور ان مانعینِ قراءۃ خلف الامام کے پاس دلیل کے لیے قرآن مجید اور سنتِ صحیحہ ہے۔ اور جو لوگ امام کے پیچھے سورۂ

فاتحہ پڑھنے کو واجب کہتے ہیں، ان کی طرف سے بیان کی جانے والی حدیث کو ائمۂ کرامؒ نے ضعیف کہا ہے۔ (تنوع العبادات صفحہ ۸۶)

○ حضرت امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرامؓ ہم سے افضل، اور سب سے زیادہ متبع سنت تھے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے سب سے زیادہ مطیع تھے۔ (مجموعۃ الفتاوی جلد ۲ صفحہ ۳۲ و جلد ۱ صفحہ ۷۱)

○ نیز اہلِ اصول فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام کے متعلق یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ سُنّتِ نبویؐ کی متابعت میں کوتاہی یا مداہنت برتنے کے ساتھ متہم ہوں۔ (اصول شاشی صفحہ ۷۴)

○ خصوصاً امیر المؤمنین سیدنا امام ابوبکر صدیق اور امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہما تو تمام لوگوں سے زیادہ سیرتِ نبویؐ کے متبع تھے۔ (التمہید لابن عبدالبر صفحہ ۲۵۳ و علل الحدیث جلد ۲ صفحہ ۳۸۶)

○ امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت سالم بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ جو لوگ میدانِ عرفات میں ظہر کے وقت ہی ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھ لیتے ہیں تو کیا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کبھی ایسا کیا تھا؟ تو اس شخص کے جواب میں حضرت سالمؒ نے فرمایا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تو صرف حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طریقے اور سنت کی اتباع کیا کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۳۰)

○ طیبی شرح مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۱۱۲ میں ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور پیروی فرمایا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طریقے اور چال چلن پر چلتے تھے۔ اس لیے یہ برگزیدہ ہستیاں امتِ محمدیہ کی متبوع ہوئیں، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ: "لوگ تمہاری اتباع کریں گے"۔ چنانچہ:

○ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ایتموابی ولیأتم بکم من بعدکم۔ کہ اے صحابہؓ! تم میری پیروی کرو اور

تمہارے بعد آنے والے لوگ تمہاری اتباع کریں۔ (صحیح بخاری صفحہ ۹۹)

- حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا فرمان ذی شان میں درحقیقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع، تقلید اور پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے ہم پر صحابۂ کرامؓ کی تقلید اور ان کے طریقے کی اتباع اور پیروی واجب ہے۔

اب اگر کوئی شخص صحابۂ کرامؓ کے طریقے کی اتباع نہ کرے تو وہ سخت مجرم اور گناہگار ہوگا۔

- حضرت علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سیر اعلام النبلاء جلد ۸ صفحہ ۹۱ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تقلید ہم پر ضروری ہے، بشرطیکہ ان کی بات سند سے ثابت ہو۔
- پھر ان کے بعد ہمارے مقلد ائمہ تابعین ہیں، جیسے: علقمہؒ، سعید بن مسیبؒ، سعید بن جبیرؒ، شعبیؒ، ابن سیرینؒ، حسنؒ، ابراہیم نخعیؒ وغیرہم۔
- پھر ان کے بعد زہریؒ، ابو الزنادؒ اور ربیعہؒ وغیرہم
- پھر ان کے بعد ابو حنیفہؒ، مالکؒ، اوزاعیؒ، ابن جریجؒ، معمرؒ، سفیان ثوریؒ وغیرہم
- پھر ان کے بعد ابن مبارکؒ، قاضی ابو یوسفؒ اور وکیعؒ وغیرہم
- پھر ان کے بعد شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ وغیرہم
- پھر ان کے بعد مزنیؒ، ابو بکر اثرمؒ، بخاریؒ اور داؤدؒ بن علیؒ وغیرہم
- پھر ان کے بعد محمد بن جریر طبریؒ، ابو بکر بن خزیمہؒ، ابن منذر اور طحاویؒ وغیرہم
- پھر ان کے بعد اجتہاد میں کمی آگئی۔
- بہر حال یہ تو تھا حضرت علامہ ذہبیؒ کا قول۔ ہم ان کی ہر بات کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کرنے کے مکلف نہیں ہیں۔ لیکن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تقلید ہم پر واجب ہے۔ اور پھر تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی ہر وہ بات ماننا بھی ہمارے لیے ضروری ہے جو قرآن و سنت اور

عملِ صحابہؓ سے مستنبط ہو۔

○ اس لیے اب ہم بطورِ اختصار صحابۂ کرامؓ اور ان کے بعد تابعینؒ و تبع تابعینؒ وغیرہما کے اسمائے گرامی مع حوالۂ کتب جدول کی صورت میں تحریر کر رہے ہیں، جن میں انھوں نے قراءتِ خلف الامام سے منع فرمایا ہے۔

جدول مانعین قراءۃ خلف الامام

عدد	اسمائے گرامی صحابۂ کرام	حوالہ
۱	امیر المومنینؓ سیدنا امام ابوبکر صدیقؓ	حاشیہ نسائی صفحہ ۱۴۸ و عمدۃ القاری جلد ۳ صفحہ ۶۷
۲	امیر المومنینؓ سیدنا امام عمرؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۶ و مؤطا امام محمد جلد ۱ صفحہ ۱۰۲
۳	امیر المومنینؓ سیدنا امام عثمانؓ	حاشیہ نسائی صفحہ ۱۴۸ و عمدۃ القاری جلد ۳ صفحہ ۶۷
۴	امیر المومنینؓ سیدنا امام علیؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۶
۵	سیدنا ابوالدرداءؓ	سُنن نسائی صفحہ ۱۴۶ و کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۸۹
۶	سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ	صحیح مُسلم صفحہ ۱۷۴
۷	سیدنا ابوسعید خدریؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۷
۸	سیدنا ابوہریرہؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۷
۹	سیدنا انس بن مالکؓ	کنز العمال جلد ۸ ص ۲۹۳
۱۰	سیدنا جابر بن عبداللہؓ	جامع ترمذی صفحہ ۵۰ و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۶ و ۳۷۷ و کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۸۸
۱۱	سیدنا حذیفہ بن الیمانؓ	شرح المقنع لابن قدامہ جلد ۲ صفحہ ۱۱

عدد	اسمائے گرامی صحابہ کرام	حوالہ
۱۲	سیدنا زید بن ثابتؓ	صحیح مسلم صفحہ ۲۱۵ و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۶ و ۳۷۷ و موطا امام محمد صفحہ ۱۰۲
۱۳	سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۶ و موطا امام محمد صفحہ ۱۰۱
۱۴	سیدنا عبداللہ بن شدادؓ	کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۳ و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۶ و موطا امام محمد صفحہ ۱۰۱
۱۵	سیدنا عبداللہ بن عباسؓ	کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۱ و فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۱۱
۱۶	سیدنا عبداللہ بن عمرؓ	کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۲ و موطا امام مالک صفحہ ۲۹ و موطا امام محمد صفحہ ۹۹
۱۷	سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ	مجمع الزوائد صفحہ ۱۱۰ و کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۲
۱۸	سیدنا عبداللہ بن عمروؓ	کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۲
۱۹	سیدنا عبداللہؓ بن بجینہ	کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۲
۲۰	سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ	عمدۃ القاری جلد ۹ صفحہ ۶۷ و حاشیہ نسائی صفحہ ۱۳۸
۲۱	سیدنا عقبہ بن عامرؓ	شرح المقنع لابن قدامہ جلد ۲ صفحہ ۱۱
۲۲	سیدنا عمران بن حصینؓ	کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۸۸ و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۶

عدد	اسمائے گرامی مَن بعد الصحابہ	حوالہ
۱	ابراہیم بن یزید نخعیؒ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۲	ابن ابی لیلےؒ	موطا امام محمد صفحہ ۹۹
۳	ابن حبیبؒ	تفسیر قرطبی جلد ا صفحہ ۱۱۹
۴	ابن عبدالحکیمؒ	تفسیر قرطبی جلد ا صفحہ ۱۱۹

عدد	اسمائے گرامی من بعد الصحابہ	حوالہ
۵	ابن وہبؒ	تفسیر قرطبی جلد ا صفحہ ۱۱۹
۶	ابن خثیمؒ تلمیذ ابن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۷	ابو الاحوصؒ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۸	ابو السائبؒ	سنن ابن ماجہ صفحہ ۶۱ و موطا امام محمد صفحہ ۹۵
۹	ابو عبیدۃ بن عبد اللہ بن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۱۰	ابو عمرو الشیبانیؒ تلمیذ ابن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۱۱	ابو وائلہ تلمیذ ابن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۱۲	ابو وائلؒ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷ و موطا امام محمد صفحہ ۹۹
۱۳	ابو یوسفؒ قاضی	تفسیر قرطبی جلد ا صفحہ ۱۱۹
۱۴	اسود بن یزیدؒ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۱۵	اسودؒ تلمیذ ابن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۱۶	اشہبؒ	تفسیر قرطبی جلد ا صفحہ ۱۱۹
۱۷	حسن بصریؒ	حاشیہ موطا امام محمدؒ صفحہ ۹۹
۱۸	حمادؒ	حاشیہ موطا امام محمدؒ صفحہ ۹۹
۱۹	ربیعؒ تلمیذ ابن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۲۰	زر بن حبیشؒ تلمیذ ابن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۲۱	زید بن اسلمؒ	کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۲
۲۲	زید بن وہبؒ تلمیذ ابن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۲۳	سعید بن جبیرؒ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۲۴	سعید بن مسیبؒ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۲۵	سفیان بن عیینہؒ	سنن ابی داؤد صفحہ ۳۶

عدد	اسمائے گرامی من بعد الصحابہ	حوالہ
۲۶	سفیان ثوریؒ	شرح المقنع لابن قدامہ جلد ۲ صفحہ ۱۱
۲۷	سوید بن غفلہؒ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۷
۲۸	شعبیؒ	دار قطنی صفحہ ۱۲۵
۲۹	ضحاکؒ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۷
۳۰	طارق بن شہابؒ تلمیذ ابن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۷
۳۱	عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۷
۳۲	عبیدہؒ تلمیذ ابن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۷
۳۳	علقمہؒ تلمیذ ابن مسعودؓ	جامع المسانید جلد ۲ صفحہ ۳۲۰ و موطا امام محمد صفحہ ۱۰۰
۳۴	عمرو بن میمونؒ تلمیذ ابن مسعودؓ	جامع المسانید جلد ۲ صفحہ ۳۲۰
۳۵	قاسم بن محمدؒ فقیہ مدینہ	موطاء امام محمدؒ صفحہ ۹۹
۳۶	قیس بن ابی حازمؒ تلمیذ ابن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۷
۳۷	لیثؒ	قلائد الازہار جلد ۲ صفحہ ۳۵
۳۸	محمد بن حسن شیبانیؒ	تفسیر قرطبی جلد ۱ صفحہ ۱۱۹
۳۹	محمد بن سیرینؒ	شرح المقنع لابن قدامہ جلد ۲ صفحہ ۱۱
۴۰	محمد بن مسلم ابو الزبیر مکیؒ	بنایہ صفحہ ۷۰۹
۴۱	مسروقؒ تلمیذ ابن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۷
۴۲	موسیٰ بن عقبہؒ	قلائد الازہار جلد ۲ صفحہ ۲۱ و ۴۲

○ اس جدول میں سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پندرہ تلامذۂ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی بھی شامل ہیں، جو کہ حضرت علامہ ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء جلد ۱ صفحہ ۴۶۲ میں تحریر فرمائے ہیں۔ جبکہ ان بزرگوں کا نام لیے بغیر حضرت مالک بن عمارہ نے فرمایا ہے کہ سیدنا ابن مسعودؓ کے تمام شاگردوں کا یہی مسلک ہے کہ امام کے

پیچھے قراءت نہ کی جائے۔ اس لیے سیدنا ابن مسعودؓ کے لاتعداد شاگردوں میں سے پندرہ مشہور تابعین کے نام ہم نے مندرجہ بالا فہرست میں شامل کر دیے ہیں۔

خلاصہ

یہ کہ "قراءت خلف الامام" یا "فاتحہ خلف الامام" کے معاملے میں عہد صحابہؓ و تابعینؒ و تبع تابعینؒ، مشہود لہا بالخیر میں یہی تین مسلک تھے۔

(۱) بعض تو امام کے پیچھے ہر سری و جہری نماز کے ہر رکعت میں قراءت کرتے تھے، مثلاً: ○ سیدنا عبادۃ بن الصامت۔ اور ○ سید القراء سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ کرام ہیں جو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ اور اس سے زیادہ دو تین آیتیں یا سورت بھی پڑھا کرتے تھے، جبکہ بعض روایات میں صرف سورۂ فاتحہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ امام کے پیچھے "ام الکتاب" تو ضرور پڑھتے تھے، جو قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے ایک عظیم الشان سورت ہے۔ یہ سورت نزولی اعتبار سے تو پانچویں ہے۔ لیکن قراءت کے لحاظ سے اسے پوری ایک سو چودہ سورتوں میں اولیت حاصل ہے۔ کیونکہ:

اس سورت میں پورے قرآن مجید کے مضامین علی سبیل الاختصار آجاتے ہیں، اور یہ عظیم الشان سورت جسے فاتحۃ الکتاب، ام الکتاب اور ام القرآن ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ قرآن مجید کے چاروں حصوں کی گویا فہرست ہے۔

اور سیدنا عبادۃ بن الصامتؓ اور سیدنا اُبَیّ بن کعبؓ نے خود اپنے کانوں کے ساتھ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبان مبارک سے سن رکھا تھا کہ سورۂ فاتحہ اور اس سے کچھ اوپر دو تین آیتیں یا سورت، یا صرف سورت فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اس لیے انھوں نے اس فرمانِ نبویؐ کو نصِ قطعی سمجھ لیا۔ اس لیے وہ "اذا قرئ القرآن فاستمعوا له و انصتوا" کے حکم عام سے سورۂ فاتحہ کی قراءت کو مستثنیٰ سمجھتے تھے۔

(۲) اور بعض وہ تھے جو جہری نمازوں یعنی فجر، مغرب، عشاء اور جمعہ و عیدین وغیرہ میں تو امام کے پیچھے کچھ نہ پڑھتے، یعنی نہ سورۂ فاتحہ، نہ اس سے زائد آیات یا کوئی

سورت نہیں پڑھتے تھے، لیکن سری نمازوں یعنی ظہر و عصر کی نمازوں میں امام کے پیچھے دوسری آیات یا سورت ملائے بغیر صرف سورۂ فاتحہ ضرور پڑھا کرتے تھے۔ انھوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ انصات کے معنے ہیں: "کان لگا کر سننے کے لیے خاموش رہنا"۔ اس لیے جہری نمازمیں تو کان لگا کر خاموشی کے ساتھ امام کی قراءت کو سننا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ لیکن سری نمازوں میں حضرت نبی کریم ﷺ کے فرمانِ ذی شان لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب پر عمل کرتے ہوئے امام کے پیچھے پڑھتے رہتے تھے۔

(۴) اور بعض وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جنھیں سفر و حضر میں دن رات میں اکثر اوقات حضرت رسول اللہ ﷺ کی صحبت نصیب تھی، وہ آپ کی صحبت میں حاضر باش رہتے تھے۔ اور انھیں قرآن و سنت کی سمجھ اور قوتِ اجتہاد علیٰ سبیل الکمال حاصل تھی۔ اور ان عظیم الشان ہستیوں کو ہزاروں کی تعداد میں حضرت رسول اللہ ﷺ کے فرامین اور احادیثِ مبارک سننے لکھنے اور یاد کرنے کی عظیم سعادت حاصل ہوئی، ان میں سے بشمول خلفائے اربعہ بیس صحابۂ کرامؓ اور چالیس سے زیادہ من بعد الصحابہؓ سلف صالحینؒ کی طویل فہرست مع حوالہ جات گزشتہ اوراق میں لکھی گئی ہے، یہ تمام امام کے پیچھے نہ تو جہری نمازوں میں قراءت کرتے تھے نہ ہی سری نمازوں میں۔

- ہمارے نزدیک موخر الذکر قول راجح اور الیق بالقبول ہے، اور چونکہ علماءِ سلفؒ نے اس اختلاف کی وجہ ایک دوسرے پر فتویٰ بازی نہیں کی، اس لیے زیر بحث مسئلہ میں ہم مذکورہ بالا تینوں مسالک کو درست تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ:
- بعض علماءِ کرام قراءتِ خلف الامام سے بہت سختی کے ساتھ منع فرماتے، اور سمجھتے ہیں کہ امام کے پیچھے قراءت کرنا صریح نص، اور بقول امام علیؓ فطرت کے بھی خلاف ہے۔ نیز:

امام ابن تیمیہؒ کا فتویٰ

○ شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں ہے: مثل الذی یتکلم و الامام یخطب کمثل الحمار یحمل اسفاراً فھکذا اذا کان یقرأ و الامام یقرأ علیہ۔ یعنی جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو اس وقت باتیں کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے گدھے نے کئی کتابیں اٹھا رکھی ہوں، اور امام کے پیچھے پڑھنے والے کی مثال بھی یہی ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۷)

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا حقیقت پسندانہ فیصلہ

○ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ مصفّی شرح موطا امام مالک صفحہ ۱۰۵ میں ایک باب بایں عنوان قائم فرمایا: باب اختلف السلف فی القراءۃ خلف الامام...... اختلاف کردہ اند صحابہؓ و تابعینؒ در قراءۃ مقتدی پس پشت امام بر اقوال۔ یعنی امام کے پیچھے (امام کی اقتداء میں) مقتدی قراءۃ کرے یا نہ کرے۔ اس بارے میں سلف صالحین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اختلاف رہا ہے۔ اور تابعینؒ یعنی صحابہ کرامؓ کے تلامذہ کا بھی اختلاف رہا ہے۔ جس میں تین قول ہو گئے۔ بایں طور کہ:

(۱) بعض صحابہؓ و تابعینؒ تو کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی لوگ ضرور قراءۃ کریں، خواہ نماز جہری ہو یا سری۔ اور:

(۲) بعض صحابہؓ و تابعینؒ یہ کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی حضرات قطعاً قراءۃ نہ کریں۔ خواہ نماز سری ہو یا جہری۔ اور:

(۳) بعض صحابہؓ و تابعینؒ کا قول یہ ہے کہ اگر سری نماز ہے تو مقتدی کو قراءۃ کرنا واجب تو نہیں ہے، البتہ مقتدی کو قراءۃ کرنا مستحب ہے۔ اور جن نمازوں میں امام بلند آواز کے ساتھ قراءۃ کر رہا ہو اُن نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی قراءۃ نہ کریں۔ امام کے پیچھے خاموش کھڑے رہیں۔

الصحابۃ رضی اللہ عنہم کلہم عدول

○ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے: (۱) اولئك الذين صدقوا و اولئك هم المتقون (۲) اولئك هم الراشدون فضلا من الله و نعمة۔ یعنی یہی لوگ سچے اور متقی ہیں، اور یہی لوگ اللہ کے فضل و کرم سے نیک چلن ہیں۔

○ انہی کے متعلق حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو حکم دیا ہے: اصحابی کالنجوم بایهم اقتديتم اهتديتم کہ میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی بھی تم اقتداء کروگے راہ پا جاؤ گے۔

○ یہی وجہ ہے کہ اگر صحابۂ کرامؓ کا کسی مسئلہ میں باہم اختلاف ہوتا تو آپس میں الجھتے نہیں تھے۔ اور اگر من بعد الصحابہ میں سے کسی نے کوئی ایسی بات کہہ دی تو اسے ڈانٹ دیتے تھے۔ جیسا کہ صحابیِ رسولؐ امام الفقہاء صاحب النعلین والعصا والوسادۃ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب تھا کہ مسافر نمازِ قصر ادا کرے۔ لیکن جب آپؓ حج پر تشریف لے گئے تو میدانِ عرفات میں خلیفۂ ثالث امیرالمومنینؓ سیدنا امام عثمان رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں ظہر و عصر کی نمازیں پوری چار چار رکعتیں ہی پڑھیں۔ آپؓ کے ایک شاگرد نے آپؓ سے دریافت کیا کہ آپؓ تو فرمایا کرتے ہیں کہ مسافر چار کی جگہ دو رکعتیں پڑھے۔ جبکہ آج آپؓ نے ظہر و عصر کی چار چار رکعتیں پڑھی ہیں۔ حالانکہ حضرت عثمانؓ بھی مدینہ سے تشریف لائے ہیں۔ وہ بھی مسافر ہیں۔ اس پر حضرت ابنِ مسعودؓ نے اس طالب علم کو ڈانٹ کر فرمایا: الخلاف شر کہ اختلاف کرنا بری بات ہے۔ انھوں نے جو کیا کسی وجہ سے کیا۔ جو تیری نظر سے اوجھل ہے۔

○ اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو ان کے آزاد کردہ غلام اور شاگرد نے امیرالمومنینؓ سیدنا امام معاویہؓ کے بارے میں بتلایا کہ انھوں نے ایک رکعت وتر پڑھا ہے۔ تو آپؓ نے اسے ڈانٹ دیا۔ اور فرمایا کہ تجھے معلوم نہیں کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ چکے ہیں۔ تُو بے تکی میں ان پر اعتراض کر رہا

ہے۔ وہ تو وہی کام کرتے ہیں جو انھوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ تو مطلب ان کا یہ تھا کہ تیری سمجھ کا فرق ہے۔ اس صحابیؓ نے جو کام کیا وہ خلاف سنت نہیں کیا۔

اصل فاتحہ خلف الامام سے متعلق صحابہ کرامؓ کے تین گروہ تھے۔ ایک گروہ نے کسی تاویل سے ایک عمل کو راجح سمجھ کر اس پر عمل کرنا شروع کیا۔ دوسرے نے کسی دلیل سے دوسرے عمل کو راجح سمجھ کر اس پر عمل کیا۔ اور تیسرے نے تیسرے کو۔ مقصد یہ کہ صحابہ کرامؓ میں بھی اختلاف تو تھا مگر انھوں نے تفرقہ بازی نہیں کی۔ جیسا کہ آج کل ایک مسئلہ میں اختلاف کر کے نئی جماعت بنائی جاتی ہے۔ پھر ایک دوسرے پر کیچڑ اچھال کر فرقہ واریت کو فروغ دیتے ہیں۔

فائدہ یاد رہے کہ امام کے پیچھے قراءۃ نہ کرنے والے جمہور صحابہ کرامؓ ہیں۔ جن کے پاس قرآن وحدیث کے دلائل ہیں۔ اور سب سے بڑی اور قوی دلیل نص قرآنی: اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا ہے۔ جس کی بحث قبل ازیں گزر چکی ہے۔

دوسری دلیل ابن ماجہ صفحہ ۸۸ میں ہے کہ: مرض وفات میں جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف میں کمی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (باجماعت نماز پڑھنے کے لیے) دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ پیچھے سرکنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپؓ اپنی جگہ قائم رہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے بائیں جانب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھایا گیا۔ پھر جہاں تک حضرت ابوبکرؓ نے قراءۃ کرلی تھی اس سے آگے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھنا شروع کردیا۔

○ اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تھی۔ بلکہ حضرت ابوبکرؓ کا فاتحہ پڑھنا ہی کافی تھا۔

تیسری دلیل حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من ادرک رکعۃ من الصلوٰۃ فقد ادرک الصلوٰۃ (مؤطا امام مالکؒ صفحہ ۲۷، و صحیح مسلم صفحہ ۲۲۱، و جامع ترمذی صفحہ ۲۹، و سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۲۹، و ابن خزیمہ جلد ۳ صفحہ ۵۷)

- حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لمعات میں فرمایا ہے : المراد بادراک اکثر الرکعۃ الثانیۃ ادراکہا فی الرکوع لا بعد الرفع منہ۔
- شراحؒ نے لکھا ہے کہ جمہور سلف و خلف کا کہنا ہے کہ مدرک رکوع مدرک رکعت ہے۔ اس حدیث میں رکعۃ بمعنی رکوع ہے۔ جیسا کہ :
- حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : من ادرک رکعۃ من الصلوۃ فقد ادرکہا قبل ان یقیم الامام صلبہ۔ کہ جو شخص رکوع پالے یعنی امام کے رکوع سے پیچھے اٹھانے سے پہلے امام کے ساتھ رکوع میں مل گیا تو بس اس کی نماز یعنی رکعت ہو گئی۔ (صحیح ابن خزیمہ جلد ۳ صفحہ ۴۵)
- نیز حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اذا جئتم و نحن سجود فاسجدوا و لا تعدّوها شيئاً و من ادرک الرکعۃ فقد ادرک الصلوۃ۔ کہ جب تم باجماعت نماز پڑھنے والے سجدہ میں ہوں اس وقت تم آؤ تو سجدہ میں مل جاؤ لیکن اسے شمار نہ کرو۔ اور جو شخص رکوع میں مل جائے تو اس نے رکعت پائی۔
- ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی پر فاتحہ پڑھنا فرض نہیں۔ کیونکہ اگر مقتدی پر فاتحہ پڑھنا فرض ہو تو رکوع میں ملنے والے کی رکعت نہ ہوتی۔ اور جو مجتہدین لاصلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب کی وجہ سے مقتدی پر فاتحہ پڑھنے کی فرضیت کے قائل ہیں وہ ان احادیث کی وجہ سے مدرکِ رکوع کو فاتحہ کی فرضیت سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ مگر مانعین کہتے ہیں کہ لاصلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب کئی وجوہ سے مرجوح ہے۔ اس میں سنداً بھی اضطراب ہے اور متناً بھی۔ جیسا کہ قبل ازیں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ اور پھر اس میں رواۃ مدلس بھی ہیں۔ جو عن سے روایت کرتے ہیں۔ اس لیے اصولِ حدیث کی رو سے یہ حدیث قابلِ عمل نہیں۔
- دوسری بات یہ ہے کہ ایسی حدیث سے قرآن مجید کی نصِ قطعی عام غیر مخصوص عنہ البعض کو خاص کرنا ہوگا۔ اور ایسی حدیث سے قرآن مجید کی نصِ قطعی عام مخصوص عنہ البعض کی تخصیص کرنا حکمِ الٰہی میں تغییر ہے۔ کیونکہ عام غیر مخصوص عنہ البعض جو

قطعی ہوتا ہے تخصیص کرنے سے قطعی نہیں رہتا، بلکہ ظنی بن جاتا ہے۔ اور کسی بندے کو تغییر حکم الٰہی کا کوئی حق نہیں۔ بلکہ اگر یہ حدیث "لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب" سو فی صد صحیح ہوتی اور اس کی صحت میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہ ہوتا تب بھی اس کے ساتھ قرآنی نص کی تخصیص جائز نہ ہوتی۔ کیونکہ یہ خبرِ واحد ہے۔ البتہ اگر یہ حدیث صحیح مشہور یا متواتر ہوتی تو اس کے ساتھ تخصیص جائز ہوتی۔ کما تقرر فی مقرہ۔

اور جن صحابہؓ نے خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبانِ مبارک سے لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کے الفاظ سنے ہیں، ان کے لیے یہ فرمانِ نبوی قرآن مجید کی طرح نصِ قطعی ہے۔ اس لیے وہ صحابی اس قطعی الثبوت حدیث کے ساتھ قرآنی آیتِ کریمہ کی تخصیص کرنے میں حق بجانب ہیں۔ لیکن دوسرے صحابہؓ جن کو یہ حدیث نہیں پہنچی بلکہ قرآنی آیت کے ساتھ ساتھ ان کے پاس وہ حدیثیں بھی موجود ہیں جن میں آتا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی خاموش کھڑے رہیں۔ تو ان کے لیے دورانِ قراءۃ امام کے پیچھے خاموش کھڑا رہنا ہی ضروری ہے۔

اس اصول کے تحت ہم ان اقوالِ ثلثہ میں سے مانعین کے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور ہم نے دعویٰ کبھی نہیں کیا کہ معاذ اللہ دوسرے صحابہ کرامؓ غلطی پر ہیں۔ اور معاذ اللہ ان کی نمازوں میں خلل واقع ہوا۔ اور نہ ہی سلف میں سے کسی نے ان حضرات کی نمازوں کو فاسد قرار دیا جو امام کی اقتدا میں فاتحہ نہیں پڑھتے تھے۔ اور نہ ہی ان پر بے نماز ہونے کا فتویٰ لگایا۔ جیسا کہ بعض لوگوں کی طرف سے آج کل فتوے لگائے جا رہے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا۔ اللھم اھدنا الصراط المستقیم اور یہی "اعدل الکلام" ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں، اور اسی میں سلامتی ہے۔

سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ

واصحابہ نجوم الھدیٰ

اجمعین۔

فتح الرحمٰن

فی

قیامِ رمضان

مؤلفہ:

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی علیہ الرحمۃ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

قارئینِ محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

زیرِ نظر کتاب فتح الرحمٰن فی قیام رمضان نمازِ تراویح کے موضوع پر حضرت علامہ نیلوی مدظلہ، کا ایک تحقیقی مقالہ ہے جو پہلے پہل ۱۹۵۹ء میں امام پاکستان حضرت علامہ سید احمد شاہ بخاریؒ کی زیرِ ادارت پندرہ روزہ "الفاروق" چوک (سرگودھا) میں شائع ہوا۔ اور اس کے بعد ۱۹۷۶ء میں بندہ کی زیرِ ادارت ماہنامہ "جشنِ بہار" سرگودھا گلستان اہل سنۃ نمبر میں شائع ہوا، اور پھر یہی مقالہ کتابی صورت میں شائع ہوا۔ اور اس کے بعد فروری، مارچ ۱۹۹۵ء میں اِصلاح و اِضافہ کے ساتھ بندہ کی زیرِ اِدارت ماہنامہ عارفین سرگودھا میں شائع ہوا۔ اور علمی حلقوں میں اتنا مقبول ہوا کہ اِشاعت کے بعد چند روز میں ہی ہمیں اس کی دوبارہ اِشاعت کا اِنتظام کرنا پڑا۔

زیرِ نظر مقالہ میں محقق العصر حضرت علامہ نیلوی مدظلہ، نے سُنّتِ نبویؐ سے تراویح کے ثبوت پر محققانہ بحث کے علاوہ تہجد اور تراویح کے فرق کو بھی واضح کیا ہے اور نمازِ تراویح کی تعدادِ رکعات پر تفصیلی بحث فرماتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ نمازِ تراویح کی بیس رکعات ہی مسنون ہیں اور اسی پر عہدِ نبویؐ سے اس وقت تک تمام اُمّتِ مسلمہ کا عمل ہے اور اس بارے میں جس حدیث کو ضعیف کہا جاتا ہے حقیقت میں وہ ضعیف نہیں ہے، جبکہ آٹھ تراویح والی روایات یا تو مجروح ہیں یا ان کا تعلق تراویح کی بجائے نمازِ تہجد سے ہے جو پورا سال پڑھی جاتی ہے، رمضان کے ساتھ مخصوص نہیں۔
اس کتاب کا بغور مُطالعہ کرنے سے تراویح سے متعلق تمام شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے بشرطیکہ بنظرِ انابت اس کا مطالعہ کیا جائے۔ والسلام

سید حسین مرتضیٰ

ادارہ گلستان اسلام سرگودھا۔ پاکستان

۲۳ مارچ ۱۹۹۵ء

مطبوعہ نجمہ سردار پرنٹنگ پریس ثقافی سٹریٹ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْقُرْاٰنَ فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَ الْفُرْقَانِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ قَالَ: اِنَّ رَمَضَانَ شَهْرٌ اِفْتَرَضَ اللّٰهُ صِیَامَهٗ وَاِنِّیْ سَنَنْتُ لِلْمُسْلِمِیْنَ قِیَامَهٗ. فَمَنْ صَامَهٗ وَ اَقَامَهٗ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا خَرَجَ مِنَ الذُّنُوْبِ كَیَوْمٍ وَّلَدَتْهُ اُمُّهٗ. وَالرِّضْوَانُ عَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِیْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ شَانِهِمْ اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ وَعَلَیْكُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ. وَرَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَی الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ، وَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ حَقِّهِمْ خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ.

امابعد رمضان شریف کے بابرکت مہینہ میں تین قسم کی مخصوص عبادتیں ہیں، جو سال بھر اور کسی مہینے میں نہیں، (۱) دن میں روزہ رکھنا (۲) رات کو تراویح پڑھنا اور (۳) آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھنا۔

ان میں سے نفلی طور پر روزہ اور اعتکاف تو دوسرے مہینوں میں بھی ہوسکتا ہے، جس کے فضائل و احکام جدا ہیں۔ لیکن اس ماہ مبارک میں ایک مخصوص عبادت ایسی ہے جو رمضان المبارک کے علاوہ کبھی نہیں ہوسکتی۔ اور اس کا نام قیام رمضان ہے۔ جسے عرف عام میں "تراویح" کہا جاتا ہے۔

اس رسالہ میں رمضان المبارک کی اسی مخصوص اور منفرد عبادت کے فضائل و احکام، اس کا ثبوت، تہجد اور تراویح میں فرق اور تعداد رکعات کے بارے میں تحریر کیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

فضائل قیام رمضان

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو قیام رمضان یعنی تراویح کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے تھے کہ جو شخص صحیح اعتقاد کے ساتھ یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو اور یہ جانتا ہو کہ قیام رمضان سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا' اور ثواب حاصل کرنے کی غرض سے رمضان المبارک کی راتوں میں قیام کرے گا' یعنی تراویح پڑھے گا تو اس کے وہ سب (صغیرہ) گناہ معاف کر دیے جائیں گے جو وہ اس سے پہلے کر چکا ہے۔ چنانچہ:

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان رسول اللہ ﷺ ذکر شھر رمضان فقال ان رمضان شھر افترض اللہ صیامہ و انی سننت للمسلمین قیامہ فمن صامہ وقامہ ایمانا و احتسابا خرج من الذنوب کیوم ولدتہ امہ (قیام اللیل لمحمد بن نصر المروزی ص ۸۸) کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر روزے رکھنا فرض قرار دیا ہے اور میں (حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے مسلمانوں کی بہبودی کے لیے رمضان المبارک کی راتوں میں قیام کرنا یعنی نمازِ تراویح پڑھنے کے لیے کھڑے ہونے کا طریقہ قائم کیا۔ اب جو شخص صحیح اعتقاد کے ساتھ اور ثواب حاصل کرنے کی غرض سے رمضانُ المبارک کے روزے رکھے اور رات کو تراویح پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا کرے تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہو کر نکل جائے گا جس طرح اُس دن تھا جس دن کہ اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔ یعنی اس کے سابقہ تمام صغیرہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کان رسول اللہ ﷺ یرغب فی قیام رمضان من غیر ان یامرھم فیہ بعزیمۃ فیقول من قام رمضان ایمانا و احتسابا غفرلہ ماتقدم من ذنبہ (مسلم ص ۲۵۹) کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو قیام رمضان یعنی تراویح کی ترغیب دیا کرتے تھے، سوائے اس کے کہ آپ صحابہ کرامؓ کو قیام رمضان یعنی تراویح کا تاکیدی یا وجوبی حکم فرمائیں۔ یعنی وجوبی یا تاکیدی حکم کے بغیر محض حصولِ ثواب کی غرض سے قیام رمضان کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص صحیح اعتقاد کے ساتھ یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو اور سچ جانتا ہو کہ قیام رمضان سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا اور ثواب حاصل کرنے کی غرض سے رمضان المبارک کی راتوں میں قیام کرے گا یعنی تراویح پڑھے گا (اور اس میں ریا اور محض لوگوں کو دکھانا اور اُنھیں سُنانا مقصود نہ ہو) تو اس کے وہ سب صغیرہ گناہ بخش دیے جائیں گے جو پہلے کرچکا ہے۔

اسی روایت میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مزید ارشاد فرمایا: فتوفی رسول اللہ ﷺ والامر علیٰ ذٰلک ثم کان الامر علیٰ ذٰلک فی خلافۃ ابی بکر وصدر من خلافۃ عمر علیٰ ذٰلک (مسلم ص ۲۵۹) کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے تو بھی یہ امر اسی طرح رہا (یعنی جو شخص چاہتا تھا وہ ثواب حاصل کرنے کی غرض سے بطورِ خود تراویح پڑھتا تھا، البتہ جماعت کے ساتھ نمازِ تراویح پڑھنے کا اس زمانے میں اِلتزام نہیں ہُوا کرتا تھا۔) پھر امیرالمومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت اور امیرالمومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شروع خلافت یعنی خلافتِ عمرؓ کے پہلے سال میں یہ بات اسی طرح رہی (یعنی نماز تراویح ایک ہی امام کے پیچھے باقاعدہ جماعت کے ساتھ پڑھنے کا التزام نہ تھا۔) پھر امیرالمومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اِمام کے پیچھے مسجد میں باقاعدہ جماعت کے ساتھ نمازِ تراویح پڑھنے کا اِلتزام فرمایا۔

نمازِ تراویح یا قیامِ رمضان کے بارے میں عام طور پر تین قسم کے سوالات کیے جاتے ہیں: ① نمازِ تراویح سُنّت بھی ہے یا نہیں۔ ② اگر نمازِ تراویح سُنّت سے ثابت ہے تو اس نماز کا وقت کیا ہے۔ یعنی جو نماز رمضان شریف میں عشاء کی نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے، کیا یہ وہی نماز تو نہیں جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سوکر اٹھنے کے بعد پڑھتے تھے، جسے تہجد کہتے ہیں، یا یہ اس سے الگ نماز ہے۔ ③ نمازِ تراویح کی رکعتیں کتنی ہیں، یعنی آٹھ ہیں یا بیس۔

نمازِ تراویح سے متعلق مذکورہ بالا تینوں سوالوں کے الگ الگ جواب تحریر کیے جاتے ہیں۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

کیا نمازِ تراویح سُنّت ہے

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اصطلاحِ شرع میں سُنّت کسے کہتے ہیں۔ سو اہلِ اُصول نے "سُنّت" کی تعریف اِس طرح کی ہے: اَلسُّنَّةُ عِبَارَةٌ عَنِ الطَّرِيْقَةِ الْمَسْلُوْكَةِ الْمَرْضِيَّةِ فِيْ بَابِ الدِّيْنِ وَهِيَ تُطْلَقُ عَلٰى كُلِّ طَرِيْقَةٍ سَوَاءٌ كَانَتْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ مِنْ أَصْحَابِهٖ (اصول شاشی ص۱۱۳)

یعنی سُنّت اس طریقہ کا نام ہے جو فرض اور واجب تو نہ ہو لیکن دین کے معاملہ میں اسے جاری رکھا گیا ہو، یعنی اس پر مواظبت اور ہمیشگی کی جائے۔ اور وہ طریقہ عام ہے، خواہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول، فعل یا تقریر ہو، یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا قول، فعل یا تقریر ہو۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ سُنّت قولی و فعلی تو ان سنتوں کو کہتے ہیں جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قول یا فعل سے ثابت ہوں، اور سُنّت تقریری اُسے کہتے ہیں کہ کسی کو کوئی کام کرتے ہوئے دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابۂ کرامؓ خاموش رہے ہوں یا اس کی تحسین فرمائی ہو۔

بہرحال "سُنّت" اس طریقہ کو کہتے ہیں جو نہ فرض ہو اور نہ واجب ہو، لیکن اس کے باوجود اسے معمولی نہیں سمجھنا چاہیے، کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے "سُنّت" پر عمل کرنے کا تاکیدی حکم دیتے ہوئے فرمایا: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي
کہ میرے طریقے یعنی سُنّت پر عمل کرنا تم مسلمانوں پر ضروری ہے۔ پھر فرمایا:
وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِي کہ تمہارے لیے
صرف میری سُنّت پر عمل کرنا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ
میرے بعد ہونے والے رُشد و ہدایت کے پیکر میرے خلفاء کی سُنّت پر
عمل کرنا بھی اسی طرح تم پر لازم ہے جیساکہ میری سُنّت پر عمل کرنا ضروری ہے،
اس کے بعد مزید تاکید فرماتے ہوئے آپؐ نے اِرشاد فرمایا: عَضُّوْا عَلَيْهَا
بِالنَّوَاجِذِ کہ میرے اور میرے بعد ہونے والے خلفائے راشدین مہدیین کی
سُنّت اور طریقے کو اخری ڈاڑھوں کے ذریعے خوب مضبوطی سے پکڑے رکھو۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اِرشادِ گرامی کے پیشِ نظر اہلِ اصول
لکھتے ہیں: حُكْمُهَا اِنَّهٗ يُطَالَبُ الْمَرْءُ بِاَحْيَاءِهَا وَيَسْتَحِقُّ الْمَلَامَةَ
بِتَرْكِهَا اِلَّا اَنْ يَّتْرُكَهَا بِعُذْرٍ (اصول شاشی ص ۱۱۳) کہ اس سُنّت کا
حُکم یہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ آدمی سے اس معمول کو زندہ رکھنے کا مُطالبہ کرتی ہے
اور اس معمول کو چھوڑ دینے سے آدمی ملامت کا مستحق ہوجاتا ہے۔ البتہ اگر کوئی
ایسا عُذر ہو جس کی وجہ سے مجبورًا اس معمول کو چھوڑنا پڑے تو پھر اس معمول کو
چھوڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اس معمول یعنی سُنّت کے تارک کا مستحقِ ملامت
ہونا دُنیا کے اِعتبار سے ہے، جبکہ وہ بدقسمت تارکِ سُنّت آخرت میں
حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بھی محروم رہے گا۔

حضرت امام زکی الدین ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی المنذری رحمہ اللہ تعالیٰ
نے تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ:
سُنّت طریقہ پر چلنے میں خوب محنت اور کوشش کرو اور اس کے ساتھ چمٹ
جاؤ اور اس کے حریص بنو اور اسے ایسی مضبوطی کے ساتھ پکڑو جیسے کوئی شخص

لہ مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۹

کسی چیز کو ہاتھ سے نکل جانے کے ڈر سے ڈاڑھوں سے مضبوط پکڑ لیتا ہے۔

سُنّۃ الخلفاء کا مطلب

حضرت سیّد الشریف علی بن محمد بن علی السیّد الزین ابی الحسن الحسینی الجرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مشکوٰۃ المصابیح کے حاشیہ میں اسی مذکورِ بالا حدیث شریف کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وَسُنَّۃُ الْخُلَفَاء فرمایا ہے اس کا مطلب ہے خلفاء اربعہ (یعنی امیر المومنین سیدنا ابوبکر الصدیق و امیر المومنین سیدنا عمر فاروق و امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین و امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم) کی عظمتِ شان بیان کرنا، اور ان کی رائے کو صائب اور درست و قابلِ عمل سمجھنا اور دُوسرے تمام صحابہؓ پر ان خلفاء اربعہؓ کی سیادت و سرداری جتانا۔

پھر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سُنّت کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کے بعد بطورِ عطف کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ خلفاءؓ اپنے اجتہاد کے ذریعے حدیثِ پاک سے جو مسئلہ نکالیں گے، اس میں وہ خطأ اور غلطی نہیں کریں گے اور وہ اپنے اجتہاد میں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض سُنّتیں ایسی بھی ہیں جو آپؐ کے عہدِ مُبارک میں شہرت پذیر نہیں ہُوئیں، پھر خلفاءؓ کے عہد میں آکر اُنھوں نے شہرت حاصل کی، اس لیے اس سُنّتِ نبویؐ کو ردّ کرنے والے کے باطل وہم کو دفع کرنے کے لیے اس سُنّت نبویؐ کو خلفاء راشدینؓ کی طرف منسوب کر دیا گیا، جبکہ درحقیقت وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سُنّتِ مُبارکہ ہے۔

اور اس حدیثِ مُبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر دیگر خلفاء میں سے کسی نے خلفاء اربعہؓ میں سے کسی کے قول کے خلاف قول کیا تو خلفاء اربعہؓ کی بات کو لینا ہی بہتر ہوگا۔ (دیکھیے تحفۃُ الاخیار للمولوی عبد الحی اللکھنوی رحمہ اللہ ص ۱۶۶)

اِطاعتِ اولی الامر کا حکم

قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ نے بھی اولی الامر یعنی خلفائے راشدینؓ کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (۴: ۵۹) کہ اے اہلِ ایمان! اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور الرسول (حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا فرمان بھی مانو، اور اِسی طرح "اُولی الأمر" کا کہا بھی مانو۔

مفسّرینِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے "اولی الامر" سے مُراد وہ حُکّام و اُمراء لیے ہیں جو مسلمانوں میں سے ہُوں، عاقل، بالغ اور عالمِ شریعت و باعمل ہوں۔ ان صفاتِ مخصوصہ کے حامل گو کہ اور حضرات بھی ہو سکتے ہیں لیکن حضرت ابنِ جریر ابنِ ابی حاتم، ابنِ عساکر اور عبد بن حمید رحمہم اللہ تعالیٰ کی روایت میں ہے کہ اس آیتِ مبارکہ میں "اولی الامر" سے مُراد سیّدنا ابو بکر صدیق و سیّدنا عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

اولی الامر سے مُراد

حضرت ابو حیان محمد بن یوسف اندلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے البحر المحیط ج ۳ ص ۲۷۸ میں حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول نقل فرمایا ہے کہ اس آیت میں اولی الامر سے مُراد سیّدنا ابو بکر و سیّدنا عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

بعض علماء کا قول ہے کہ اولی الامر سے مراد خلفاء اربعہؓ ہیں۔

حضرت مجاھدؒ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، کہ اولی الامر سے مُراد اصحابِ رسول ہیں جو (تمام امت سے زیادہ) ذی عقل اور دین دار تھے۔

حضرت مفسّر تبریزیؒ کا قول ہے کہ اولی الامر سے مُراد مہاجر و انصار ہیں۔

حضرت میمون، مقاتل اور کلبی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اولی الامر سے مُراد سرایا کے اُمراء یا اہلِ بیت کے امام ہیں۔ یہاں پر مفسر اندلسیؒ نے وضاحت کی کہ یہ بات شیعہ کہتے ہیں۔ یعنی اہلِ سُنّت کے نزدیک یہ قول معتبر نہیں ہے۔

حضرت مفسّر اندلسیؒ نے (ج ۳ ص ۲۷۹) یہ بھی لکھا کہ اہلِ تشیّع کہتے ہیں کہ اس

سے مُراد امیرالمومنین سیّدنا علی رضی اللہ عنہ مُراد ہیں۔ پھر شیعہ کے اس قول کی تردید کرتے ہُوئے فرمایا کہ حضرت علیؓ ایک شخص ہیں جبکہ اولی الامر جمع کا صیغہ ہے۔ اس لیے جمع کے صیغہ سے صرف حضرت علیؓ کی اکیلی ذات مُراد لینا درست نہیں، کیونکہ لوگوں کو اُولی الامر کی اِطاعت کا حُکم ہُوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اُس وقت دیا تھا جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دُنیوی حیاتِ طیّبہ کے ساتھ زندہ موجود تھے اور اُس وقت سیّدنا علیؓ نہ اِمام ہُوئے تھے اور نہ ہی حاکم تھے، جن کی اِطاعت دُوسرے مومنین پر واجب قرار دی گئی۔ اس آیتِ مُبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسولؐ اور ان لوگوں کی اِطاعت کا حکم دیا ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ میں نزولِ حکم کے وقت بھی اولوالامر حاکم تھے۔ جن کی طاعت دُوسرے مومنوں پر واجب تھی جب تک کہ وہ معصیت کا حکم نہ دیں، تو اِسی طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی ان کی طاعت اور اِطاعت واجب ہے جب تک کہ معصیت کا حکم نہ دیں۔ بہرحال اولی الامر سے مُراد اکیلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں ہیں۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ اولی الامر سے مُراد صحابہؓ و تابعینؒ ہیں۔

حضرت جابرؓ، حسن بصریؒ، عطاءؒ اور ابوالعالیہؒ نے فرمایا کہ "اولی الامر" سے مُراد عُلماءِ اِسلام ہیں۔ اور حضرت امام مالکؒ کا یہی مُختار ہے۔

حضرت امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مُشکل الآثار ج ا ص ۴۷۴ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت مجاھد رحمۃ اللہ تعالیٰ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "اولی الامر" سے فقہ، علم اور دین وفضل والے لوگ مراد ہیں، جن سے اُمورِ دِین حاصل کیے جاتے ہیں۔

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اولی الامر سے مُراد وہ لوگ ہیں جن کو فقہ اور سمجھ حاصل ہے۔

حضرت عطاء بن السائب رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "اولی الامر" سے

مُراد علم و فقہ والے فقہاء و علماء یعنی وہ اہلِ حل و عقد لوگ ہیں جو کتاب و سُنّت سے احکامِ الٰہیہ کے اِستنباط کرنے پر قدرت رکھتے ہوں، لیکن متکلم یعنی علمِ عقائد والے اور مفسر اور وہ محدّث جنھیں اِستنباط پر دسترس حاصل نہو وہ اُولی الامر میں داخل نہیں ہیں۔

بہرکیف "اُولوالامر" میں سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما تو ضرور شامل ہیں، کیونکہ خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معصوم زبانِ مبارک سے ان دونوں مُبارک ہستیوں کا نام لے کر ان کی اِقتداء کا حکم دیتے ہُوئے فرمایا:

اِقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ (بخاری ص ۲۱)

کہ میری وفات کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی پیروی کرنا۔

لہٰذا یہ بات تو طے شُدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم ہر حال میں ماننا فرض ہے، اس کے بغیر تو کوئی شخص مسلمان کہلانے کا مستحق ہو ہی نہیں سکتا، البتہ اولی الامر کی اِطاعت صرف اس وقت تک ضروری ہے جب تک اس میں معصیت کی کوئی بات نہ ہو۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد گرامی ہے: لَا طَاعَةَ لِلْمَخْلُوْقِ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ (جامع صغیر ج ۲ ص ۲۰۳) کہ اگر مخلوق کی بات ماننے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو تو مخلوق کی بات نہ مانی جائے۔ البتہ جس بات پر اُمّت (خیر القرون) کا اِجماع ہو چکا ہو تو وہ واجبُ الاتباع ہے بشرطیکہ وہ اجماع کتاب و سُنّت کے مسلّمہ احکام سے مُتصادم نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص مومنین کی راہ یعنی عقائد و اعمال کو چھوڑ کر دُوسری راہ اِختیار کرے تو ھم اس کو اس کی اِختیار کردہ راہ کے سپرد کر دیتے ہیں، یعنی اُسے اس کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں اور اس کی سرپرستی سے دست کش ہو جاتے ہیں، اس سے ناراض اور بیزار ہوتے ہیں۔ اور قیامت کے دن تو ہم اس کو جہنم میں ہی دھکیل دیں گے جو بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ (۴: ۱۱۵)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی کے طور پر بحکمِ الٰہی ارشاد فرمایا: لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ (کہ میری اُمّت گمراہی پر اجماع و اتفاق نہیں کرے گی۔ اس فرمانِ نبویؐ پر ہر مسلمان کو ایمان رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اس اُمّت کے ابتدائی افراد یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تو خصوصیت کے ساتھ ہر معاملہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلنے کی پُوری کوشش فرمایا کرتے تھے۔ (دیکھیے نخبۃ الفکر ص ۷۹ بحوالہ مشکوٰۃ ص ۲۳۰)

نیز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی متابعت و پیروی میں کوتاہی کے ساتھ مُتّہم نہیں تھے۔ (اصول شاشی ص ۷۹)

حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ رحمہُ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات مُبارکہ کے علاوہ اور کسی چیز کی اتباع نہیں فرماتے تھے۔ (مشکوٰۃ ص ۲۳۰)

اور اس بات میں تو کسی قسم کے شک و شبہ کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں کہ صحابۂ کرامؓ میں سے حضرات شیخین یعنی امیرالمومنین سیّدنا ابوبکر و امیرالمومنین سیّدنا عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کا تو خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو حکم دیا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ دونوں بزرگ اتباعِ رسولؐ میں سب سے آگے تھے۔

حضرت محدّث ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر نمری اندلسی رحمہُ اللہ تعالیٰ نے التمہید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید ج ص ۳۵۳ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما یہ دونوں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلنے کی دُوسرے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ پُوری پُوری اتباع کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔

نیز حضرت علامہ ابن عبدالبرؒ نے مزید یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حق وہی ہے جو سیّدنا ابوبکر اور سیّدنا عُمر رضی اللہ عنہما کا معمول ہو۔

حضرت امام ابومحمد عبدالرحمٰن رازی بن ابی حاتم محمد بن ادریس بن منذر رحمہُ اللہ تعالیٰ

نے عللُ الحدیث ج ۲ ص ۳۸۶ میں تحریر فرمایا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما دونوں ہی ھدایت کے امام تھے۔ نیز آپ رضؓ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ دونوں ھدایت یافتہ راہنما تھے۔ اور وہ دونوں کامیاب تھے اور وہ دونوں ہی دُنیا سے بے نیاز رُخصت ہُوئے۔

حضرت علیؓ کا ابوبکرؓ و عمرؓ کو خراج تحسین

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ امیرالمومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے دِن میں لوگوں کے ہجوم میں کھڑا ہُوا تھا، امیرالمومنین کی میّت چارپائی پر رکھی ہُوئی تھی، لوگ حضرت عمرؓ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگ رہے تھے کہ اچانک میرے پیچھے ایک آدمی آیا، جس نے میرے کندھے پر اپنی کہنیاں رکھ دیں، اور امیرالمومنینؓ کے حق میں کہنے لگا: "اللہ تعالیٰ آپؓ پر رحمتیں نازل فرمائے۔" اور پھر کہنے لگا: "مجھے پختہ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپؓ کو اپنے دونوں ساتھیوں (یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) کے ساتھ مقام عطا فرمائے گا۔ کیونکہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبانِ مُبارک سے بار بار سُنا کرتا تھا، آپؐ فرمایا کرتے تھے: کُنْتُ وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ کہ میں فلاں مقام میں تھا اور میرے ساتھ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بھی تھے۔ وَفَعَلْتُ وَاَبُوْ بَکْرٍ وَّعُمَرُ اور میں نے فلاں کام کیا اور میرے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی میری اتباع میں ایسا ہی کیا۔ وَانْطَلَقْتُ وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ۔ اور میں چلا اور میرے ساتھ ساتھ ابوبکرؓ و عمرؓ بھی چلے۔ وَدَخَلْتُ وَاَبُوْ بَکْرٍ وَّعُمَرُ اور میں فلاں مکان میں داخل ہُوا اور میرے ساتھ ابوبکرؓ و عمرؓ بھی اس مکان میں داخل ہُوئے۔ وَخَرَجْتُ وَاَبُوْ بَکْرٍ وَّعُمَرُ اور میں فلاں مکان سے نِکلا اور میرے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی نکلے۔" یہ تمام باتیں سُننے کے بعد میں نے پیچھے مُڑ کر دیکھا کہ دیکھوں یہ باتیں کون کر رہا ہے، دیکھا تو وہ حضرت علی بن ابی طالب تھے۔ رضی اللہ عنہ۔ (دیکھئے مشکوٰۃ ص ۵۵۹)

امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اس بات کو مُستبعد نہیں سمجھتے کہ امیر المومنین حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کی زبانِ مُبارک پر سکینہ بولتا تھا، یعنی آپؓ کی محفوظ زبانِ مُبارک سے ہمیشہ ایسی بات ہی نکلتی تھی جس سے جان کو سکون اور دِلوں کو اِطمینان نصیب ہو۔ (مشکوٰۃ ص ۵۵۷)

سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ الٰہی میں دُعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اَیِّدِ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ کہ اے اللہ! آپ حضرت عمرؓ کے ذریعے اِسلام کو غلبہ اور قوت عطا فرمائیے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۵۹)

سیّدنا ابوذر غفاریؓ نے فرمایا کہ سیّدنا عُمرؓ جو بات بھی کہتے ہیں وہ حق ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی زبان پر حق ہی رکھا ہُوا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۵۷)

ابوبکرؓ و عمرؓ کے ایمان پر رسول اللہ ﷺ کی گواہی

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گزشتہ زمانے کے ایک شخص کا عجیب و غریب واقعہ بیان فرمایا جو کہ ایک بیل کو کہیں لیے جارہا تھا، تو جب وہ شخص تھک گیا تو اُس بیل پر سوار ہوگیا اس پر اس بیل نے کہا کہ ہم سواری کے لیے پیدا نہیں کیے گئے بلکہ ہم تو زمین میں ہل چلانے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔

یہ واقعہ سُن کر کئی لوگ کہنے لگے: سبحان اللہ بھلا بیل نے بھی کبھی کلام کیا ہے؟ یعنی بیل تو کبھی اِنسانوں کی طرح گفتگو نہیں کیا کرتے۔

اس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَاِنِّیْ اُوْمِنُ بِہٖ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ کہ خود میرا تو اس بات پر اِیمان ہے ہی لیکن حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا بھی اس بات پر کامل اِیمان ہے، حالانکہ یہ دونوں اُس وقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں تھے۔

اِسی طرح کا ایک اور عجیب و غریب واقعہ بھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین کے سامنے بیان فرمایا کہ ایک آدمی کے پاس۔

بھیڑ بکریاں تھیں، ایک دن ایک بھیڑیے نے حملہ کر کے ان میں سے ایک بکری اُٹھا لی۔ بھیڑ بکریوں کے مالک نے اس بھیڑیے کے مُنھ سے اپنی بکری چھڑالی۔ اس پر وہ بھیڑیا بولا کہ بھلا ہفتہ کے روز تیری بکریوں کی حفاظت کون کرے گا، (جو تمھاری عبادت کا مخصوص دن ہے، جس میں عبادت کے سوا کوئی کام کرنا تمھارے لیے جائز نہیں) اُس دن تو تیری بھیڑ بکریوں کا محافظ میرے سوا اور کوئی نہیں ہوگا۔

یہ واقعہ سُن کر بھی بے ساختہ کئی لوگ بول اُٹھے کہ سُبحان اللہ بھیڑیا بھی انسانوں کی طرح باتیں کرتا ہے؟

اس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا بھی اس پر ایمان ہے اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا بھی اس پر کامل ایمان ہے۔ حالانکہ ان دونوں میں سے کوئی بھی وہاں موجود نہیں تھا۔ (مشکوٰۃ ص ۵۵۹)

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر بات پر حضرات شیخینؓ کا کامل ایمان تھا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان حضرات پر کامل اعتماد تھا۔ نیز معلوم ہوا کہ جو درجۂ ایمان حضرات شیخینؓ کو حاصل تھا وہ مرتبہ اور کسی کو بھی حاصل نہ ہوسکا۔ رضی اللہ عنہما۔

عمرؓ کے دِل اور زبان پر حق کا اجراء

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیرالمومنین سیدنا عُمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اِرشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے دِل میں بھی، اور ان کی زبان پر بھی حق جاری فرمایا ہے۔ (عِلَلُ الحدیث ج ۲ ص ۳۸۶)

علاوہ ازیں قرآن مجید میں متعدد احکامِ الٰہی ایسے نازل ہوئے ہیں جن سے امیرالمومنین سیدنا امام عُمر رضی اللہ عنہ کی رائے گرامی سے موافقت ہے۔ مثلاً:

- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اھلِ بیت یعنی ازواجِ مطہرات کو پردہ کا حکم۔
- مقامِ ابراہیم کے پاس نماز پڑھنے اور اسے جائے نماز بنانے کا حکم۔

○ اُمّ الخبائث شراب کی حُرمت کا حکم۔
○ جنگِ بدر میں مشرک قیدیوں کے بارے میں حکمِ الٰہی۔
○ مُنافق کی میّت پر نمازِ جنازہ پڑھنے اور دُعائے مغفرت کرنے کی مُمانعت۔
○ رمضان المبارک کی راتوں میں اپنی بیویوں کے ساتھ شب باشی کی اجازت۔
○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کے جُرم میں قتلِ منافق کی تصویب۔ وغیرہ

یہ تو مختصر طور پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے اِتباعِ نبویؐ کی چند مثالیں اور حضرات شیخینؓ اور خصوصاً سیدنا امام عُمر رضی اللہ عنہ کے مناقب سے متعلق چند روایات درج کی گئی ہیں۔ لیکن یہ مناقبِ صحابہؓ کی بحث نہیں ہے بلکہ قیامِ رمضان یا تراویح کے اِثبات میں گفتگو ہے کہ آیا تراویح پڑھنا سُنّت ہے یا بعد میں ایجاد ہونے والی واجب الترک بدعت۔ اِس سلسلہ میں یہ بات خوب اچھی طرح یاد رکھیں کہ صحابۂ کرامؓ نے کوئی ایسی بدعت ایجاد نہیں کی جس کے بارے میں کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَّكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ آیا ہے[1] بلکہ صحابۂ کرام ہر کام میں سُنتِ نبویؐ کی اِتباع کیا کرتے تھے اور سُنّت کے علاوہ کسی کام کو انھوں نے اپنا معمول نہیں بنایا۔ البتہ صحابۂ کرامؓ کے عہد میں بعض ایسی سُنتوں پر عمل شروع ہُوا جو اس سے پہلے فرض یا واجب نہ ہونے کی وجہ سے مشہور نہیں ہُوئی تھیں۔ جبکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات سے اُن کا سُنّت ہونا وفاتِ نبویؐ کے بعد مُختلف اوقات میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہونے والے سراپا صدق کے پیکر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بیانات و روایات سے معلوم ہوجانے کے بعد رفتہ رفتہ تمام مسلمانوں میں مشہور و مُروّج ہوتا چلا گیا۔ اور بعد میں آنے والے مسلمانوں نے سُنّتِ نبویؐ کی اِتباع کی غرض سے صحابہؓ و تابعینؒ کی روایات کے مُطابق عمل کیا اور ہم لوگوں تک معمولاتِ نبویؐ پہنچانے کا ذریعہ بنتے رہے، لٰہذا اِتباعِ رسولؐ کے لیے اِتباعِ صحابہؓ اور اِتباعِ صحابہؓ کے لیے اِتباعِ تابعینؒ ضروری ہے۔

[1] نسائی ج ا ص ۱۷۹

تراویح کے سُنّت ہونے کا ثبوت

گزشتہ صفحات میں پیش کی گئی سُنّت کی تعریف، سُنّت کی اقسام، اور سُنّت پر عمل کرنے کا حکم، نیز اللہ تعالیٰ، اُس کے رسولؐ اور اولی الامر کی اِتباع کے حکمِ الٰہی، اولی الامر کے مصداق اُمّت کے لائق اِطاعت گروہ کی تعیین اور صحابۂ کرامؓ کی اتباعِ رسولؐ کے سلسلے میں چند مثالوں اور ان کی عظمتِ شان کے تمہیدی بیان کے بعد اب یہ ثابت کیا جائے گا کہ نمازِ تراویح یا قیامِ رمضان قولی، فعلی اور تقریری یعنی سُنّت کی تینوں اقسام سے ثابت ہے۔

سُنّتِ فعلی سے ثبوت

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فِيْ غَيْرِ جَمَاعَة .... (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶)
کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپؐ ماہِ رمضان المبارک میں بغیر جماعت کے (نمازِ تراویح) پڑھا کرتے تھے۔

مذکورہ بالا روایت حضرت محدّث ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے السنن الکبریٰ میں نقل فرماکر تراویح کے سُنّتِ فعلی ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اس موضوع پر اور بھی متعدد احادیث موجود ہیں، جو اپنے اپنے مقام پر آگے تحریر کی جائیں گی۔ بخوفِ طوالت یہاں اسی پر اِکتفا کیا جاتا ہے۔

سُنّتِ قولی سے ثبوت

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُرَغِّبُ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّأْمُرَهُمْ بِعَزِيْمَةٍ (ابوداؤد ص ۲۰۱)
کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرامؓ کو قیامِ رمضان (تراویح) کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ البتہ وجوبی حکم نہیں دیا کرتے تھے۔

اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس موضوع پر روایت موجود ہے۔ (دیکھیے السنن الکبریٰ للبیہقی ج ا ص ۴۱۳)

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ماہِ رمضان المبارک میں ایک رات کا واقعہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آستانۂ عالیہ سے کہیں مسجد کی طرف نکلے، تو آپؐ نے دیکھا کہ مسجد نبوی کے ایک گوشہ میں کچھ لوگ باجماعت کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں، تو عرض کیا گیا کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ جنھیں قرآن مجید یاد نہیں، اور حضرت اُبی بن کعبؓ نمازِ تراویح پڑھ رہے ہیں؛ اور یہ سب لوگ پیچھے کھڑے ان کی اقتدا میں نمازِ تراویح پڑھ رہے ہیں۔ یہ بات سُن کر ان لوگوں کی تحسین فرماتے ہُوئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انھوں نے ٹھیک کیا ہے اور یہ جو کر رہے ہیں بہت ہی اچھا کام ہے۔ (ابوداؤد ص ۲۰۲ و السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۵ و صحیح ابن حبان ج ۵ ص ۱۰۷)

حضرت ثعلبہ بن ابی مالک قرظیؒ سے بھی اسی طرح کی روایت مروی ہے، جنھیں ابن مندہؒ نے تو صحابہؓ میں شمار کیا ہے جبکہ دُوسرے اُنھیں تابعی سمجھتے ہیں۔

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور ترغیب کے نتیجے میں بہت سے صحابۂ کرامؓ نے قیامِ رمضان کو اپنا معمول بنالیا تھا۔ جیسا کہ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے انھوں نے اپنے گھر میں قیامِ رمضان کو معمول بنا رکھا تھا۔ (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۴)

اسی طرح دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی باجماعت یا انفرادی طور پر نمازِ تراویح پڑھا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت محدّث ابوعبداللہ محمد بن نصر المروزی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے قیام اللیل میں تحریر فرمایا ہے۔ مثلاً:

- امیرالمومنین سیّدنا علی رضی اللہ عنہ
- سیّدنا اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ
- سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
- سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ
- سیّدنا عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ
- سیّدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما

○ سیدنا معاذ بن الحارث رضی اللہ عنہ ○ سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ

بہر حال سُنّت قولی، فعلی اور تقریری سے تراویح کا پڑھنا ثابت شدہ امر ہے۔
اس کے علاوہ نمازِ تراویح کا باجماعت ادا کرنا بھی سُنّتِ نبویؐ سے ثابت ہے۔
جیسا کہ متعدد صحابۂ کرامؓ کی روایات میں اس کی تصریح موجود ہے۔ مثلاً:

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ماہِ رمضان المبارک میں لوگ مسجد میں الگ الگ نمازِ تراویح پڑھا کرتے تھے۔ پھر حضرت رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ مسجد میں چٹائی بچھا دیں، تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چٹائی پر کھڑے ہو کر نماز تراویح پڑھی، تو لوگوں نے بھی آپؐ کی اقتداء میں نمازِ تراویح پڑھی۔ پھر دُوسری رات آپؐ نمازِ تراویح پڑھنے لگے تو لوگوں نے کثیر تعداد میں آکر آپؐ کی اِقتدا میں نمازِ تراویح ادا کی۔ پھر تیسری رات اس سے بھی زیادہ لوگ حضرتؐ کی اِقتدا میں باجماعت نمازِ تراویح پڑھنے کے لیے جمع ہو گئے، لیکن آپؐ نمازِ تراویح کی جماعت کے لیے اِعتکاف گاہ سے باہر تشریف نہ لائے اور وہیں اِعتکاف گاہ میں ہی تنہا نمازِ تراویح ادا فرماتے رہے۔ اور جب صبح ہُوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ آج تم نے جو کچھ کیا ہے مجھے سب معلوم ہے۔ مگر میں اِس لیے نہ نِکلا کہ مجھے خطرہ محسوس ہُوا کہ یہ نماز تراویح تم پر فرض نہ ہو جائے (کیونکہ زمانہ وحی کا ہے) اگر نمازِ تراویح فرض ہو گئی تو بہت سے کم ہمّت لوگ پڑھ نہیں سکیں گے، تو ترکِ فرض کا گناہ ہوگا۔ اس لیے یہ نماز اپنے اپنے گھروں میں پڑھ لیا کرو۔

بعض روایات میں تین رات تراویح کے باجماعت پڑھنے کا ذکر بھی آیا ہے اور کئی صحابۂ کرامؓ نے نمازِ تراویح باجماعت پڑھنے کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ مثلاً:

○ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ○ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ
○ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ○ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ
○ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

(دیکھیے سنن ابی داؤد ج ا ص ۲۰۱ و ۲۰۲ و بخاری ص ۲۶۹ و مسلم ص ۲۵۹ و قیام اللیل ص ۱۵۳ تا ۱۵۵)

شبہ: مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۵ میں بحوالہ بخاری، حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؒ سے مروی ہے کہ میں ایک رات امیرالمومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مسجد کی طرف نکلا، دیکھا تو وہاں کئی لوگ الگ الگ نمازِ تراویح پڑھنے میں مصروف تھے، کوئی تو بالکل اکیلا ہی نماز پڑھ رہا تھا اور کوئی ایک ٹولی کے ساتھ باجماعت نمازِ تراویح پڑھ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرتِ امیرالمومنینؓ نے فرمایا: کیا ہی اچھا ہو کہ میں ان تمام نمازیوں کو کہوں کہ تم سب ایک قاری کو امام بنا کر اس کی اقتدا میں نماز پڑھا کرو۔ پھر آپؓ نے پختہ ارادہ فرما کر سب کو سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نمازِ تراویح باجماعت پڑھنے کے لیے اکٹھا فرمایا۔ اس کے بعد پھر ایک رات میں حضرت امیرالمومنین امام عمرؓ کے ساتھ نکلا اور دیکھا کہ لوگ اپنے قاری یعنی سیدنا اُبی بن کعبؓ کی اقتداء میں نمازِ تراویح پڑھ رہے ہیں۔ تب امیرالمومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ۔ یعنی یہ باجماعت نمازِ تراویح بھی ایک اچھی بدعت ہے۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۶۹)

اس سے معلوم ہوا کہ نمازِ تراویح سُنّت نہیں بلکہ بدعت ہے۔

جواب: گزشتہ صفحات میں لکھا جا چکا ہے کہ نمازِ تراویح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی، فعلی اور تقریری سُنّت ہے۔ اور خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف صحابۂ کرامؓ کو باجماعت نمازِ تراویح پڑھتے ہوئے دیکھ کر ان کی تحسین فرمائی، بلکہ خود بھی صحابۂ کرامؓ کو جمع فرما کر دو یا تین روز باجماعت نمازِ تراویح ادا فرمائی۔ البتہ رمضان المبارک کی ہر رات میں باجماعت تراویح پڑھنے کا طریقہ واقعی امیرالمومنین سیدنا عُمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے رائج ہُوا، لیکن اسے بدعت شرعی نہیں کہا جا سکتا، ہم اسے بھی سُنّت ہی سمجھتے ہیں اور اس پر عمل بھی اس لیے کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہمیں سُنّتِ خلفاءِ راشدینؓ پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ شکل و صُورت کے اعتبار سے یہ بدعت ہے، جیسے کاغذ پر قرآن لکھنا یا چھپائی کرنا لیکن اسے کبھی کسی نے بدعت قرار نہیں دیا جو حرام ہو۔

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ پھر آپؐ نے ہم لوگوں کی طرف توجہ فرما کر ایسا مؤثر وعظ فرمایا کہ جس کی وجہ سے ہماری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اور ہمارے دل ڈر گئے۔ ہم میں سے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! ایسا لگتا ہے کہ یہ ایسی ہستی کا وعظ ہے جو ہمیں الوداع کہنے والی ہو۔ اس لیے آپؐ ہمیں وصیت فرمائیں۔ اس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں **وصیت** کرتا ہوں کہ ① تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی سے ڈرتے رہو، ② اور اپنے حاکم کا حکم سنو اور اس کو مانو، اگرچہ آپ پر حبشی غلام ہی کیوں نہ حاکم ہو۔ اس کے بعد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ کرتے ہوئے مزید فرمایا: میرے بعد تم میں سے جو بھی زندگی گزارے گا تو وہ اپنی زندگی میں بہت ہی اختلافات پائے گا۔ اگر تم ان اختلافات سے بچنا اور امن کی زندگی گزارنا چاہو تو دو چیزوں کا اپنے اوپر التزام کرلو۔ ① ایک تو میری سُنّت اور میرا معمول۔ اور ② دوسرا خلفاء راشدین مہدیین کا معمول اور سُنّت۔ اس کے بعد مزید تاکید کرتے ہوئے فرمایا: میرے اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کے معمولات کو مضبوطی کے ساتھ آخری ڈاڑھوں سے پکڑے رکھنا۔ الخ۔ (سنن ابی داؤد سجستانی ج ۲ ص ۲۸۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول واجب الاتباع ہے ایسے ہی خلفائے راشدین مہدیین یعنی امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق امیر المومنین سیدنا عمر فاروق، امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین، امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ، امیر المومنین سیدنا حسن، امیر المومنین سیدنا معاویہ اور امیر المومنین سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کا معمول بھی واجب الاتباع ہے۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خلفاء راشدین مہدیین کے معمول کو بھی اسی طرح سُنّت سے تعبیر فرمایا جس طرح اپنے معمول کو سُنّت کے نام سے موسوم فرمایا۔

سُنت کے مخالف بدعت

حدیث مذکورہ بالا کی رُو سے سُنت یعنی معمولات نبوی اور معمولات خلفاء راشدینؓ پر عمل کرنا مسلمانوں میں اِتحاد و اِتفاق کے لیے ایک اہم اور بُنیادی ضرورت ہے، اور سُنّت کے مقابلے میں بدعت ایک ایسی بُرائی ہے جو جہنم میں پہنچانے والی ہے۔ جیساکہ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ بدعت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ① بدعتِ شرعی۔ اور ② بدعتِ لغوی۔ اور بدعت شرعی اس کام کو کہا جاتا ہے جو ہمارے دین میں نہ ہو اور اسے دین یا نیکی کا کام سمجھ کر حصولِ اجر و ثواب کی غرض سے کیا جائے، یہ تو ہر حال میں حرام ہے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ (مشکوۃ ص ۲۷) کہ جو شخص ہمارے اس دین کے باب میں کوئی نئی بات پیدا کرے گا جو ہمارے دین میں نہیں ہے اور وہ اسے دین کی بات اور کارِ ثواب سمجھے تو وہ مردود ہے۔ اور اِس کو اِصطلاحاً "بدعتِ شرعی" کہا جاتا ہے۔ اب اگر کوئی اس بدعت کی کئی قِسمیں بناکر کِسی کو جائز، کِسی کو مباح، کِسی کو مکروہ اور کِسی کو حرام قرار دے تو اس کے قول کا شرعی لحاظ سے کوئی اِعتبار نہیں۔ کیونکہ بدعت شرعی کو جتنی اقسام میں بھی تقسیم کرتے چلے جاؤ وہ سب کی سب حرام ہی ہوں گی' ان میں سے کوئی بھی جائز یا مباح نہ ہوگی۔ کیونکہ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معصوم زبانِ مُبارک سے بدعتِ شرعی کی جُملہ اقسام کو گمراھی قرار دیتے ہوئے فرمایا:

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کہ ہر بدعت شرعی گمراھی ہے۔

اور بدعت شرعی کی آسان الفاظ میں تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ:

"بدعت وہ کام ہے جو قرونِ ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں نہ ہُوا ہو' اور نہ اس کی اصل پائی جائے، اور اس کو دین کا کام سمجھ کر کِیا جائے یا چھوڑا جائے، تو یہ کرنا یا اس کے چھوڑنے کو دین کا کام سمجھ کر چھوڑنا بدعت ہے۔" (دیکھیے کفایت المفتی ج ۱ ص ۱۵۷)

بہر حال کسی قسم کی بدعتِ شرعی کو بدعتِ حسنہ نہیں کہا جاسکتا، وہ تو ہر حال میں گمراہی کا کام ہے اور اسے بدعتِ سیئہ ہی کہا جائے گا۔ البتہ بدعت کی وہ قسم جسے بدعتِ لغوی کہا جاتا ہے، وہ اگر کسی صورت میں بدعتِ سیّئہ ہوگی تو کسی صورت میں بدعتِ حسنہ بھی ہوسکتی ہے۔

اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد اب دیکھیے کہ امیرالمومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نمازِ تراویح کی جماعت ہوتی ہوئی دیکھ کر فرمایا تھا: نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ کہ یہ باجماعت نمازِ تراویح ایک اچھی بدعت ہے۔

حضرت امیرالمومنین رضی اللہ عنہ نے تمام اہلِ شہر کو ایک مسجد میں ایک ہی امام کی اقتداء میں باجماعت نمازِ تراویح پڑھتے ہوئے دیکھ کر یہ لفظ فرمایا تھا، گوکہ اس سے پہلے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی نمازِ تراویح پڑھا کرتے تھے، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ اور اس ترغیب کے نتیجہ میں اگر تمام نہیں تو اکثر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نمازِ تراویح پڑھا کرتے تھے۔ اور بعض صحابہؓ کو باجماعت نمازِ تراویح پڑھتے ہوئے دیکھ کر ان کی تحسین فرمائی، بلکہ دو یا تین رات صحابۂ کرام کو خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ نمازِ تراویح پڑھائی تھی۔ اور پھر اس کے بعد ۱۳ھ تک تمام صحابۂ کرامؓ اور تابعینؒ نمازِ تراویح پڑھتے رہے، ان میں سے کچھ انفرادی طور پر اور کچھ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں جماعت کے ساتھ نمازِ تراویح پڑھا کرتے تھے، اس چیز کو دیکھ کر امیرالمومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خود یہ انتہائی مناسب اور مستحسن اقدام کیا کہ تمام نمازیوں کو ایک امام کی اقتداء میں نمازِ تراویح پڑھنے کا حکم دیا۔ اور جب اُنھوں نے آپؓ کے اس حکم پر عمل کرنا شروع کیا تو اس وقت وہ اس کام کو بدعت قرار دے رہے ہیں تو اس سے مُراد بدعت شرعی ہرگز نہیں ہوسکتی، بلکہ اس سے مراد بدعتِ لُغوی ہے۔ کیونکہ رمضان شریف کی تمام راتوں میں اس خاص صورت کے ساتھ باجماعت تراویح پڑھنے کا اہتمام پہلے نہیں ہوتا تھا

اب اگر امیر المومنین، خلیفۂ راشد سیدنا و امامنا حضرت عُمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اُسی عبادت کو رواج دیا جو خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پسند تھی اور صحابہ کرامؓ بھی اسے سُنّتِ نبوی سمجھ کر ادا فرماتے تھے تو اُسے بدعت شرعیہ قرار دینا غلط ہوگا۔ بلکہ اُسے سُنّت کہنا ہی اَنسب ہے۔ کیونکہ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خلفاءِ راشدینؓ کے طریقہ کو نہ صرف سُنّت قرار دیا ہے بلکہ خلفاء راشدینؓ کے طریقوں پر عمل کرنا بھی قیامت تک آنے والے سب مسلمانوں کے لیے واجب قرار دیا ہے اور اسے بھی سُنّت کے نام سے موسوم کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ امیر المومنین سیدنا عُمر رضی اللہ عنہ نے باجماعت نمازِ تراویح پڑھنے کو محض صورت کے لحاظ سے بدعت کہا ہے، کیونکہ خاص اس ہیئت کے ساتھ کہ تمام نمازی ایک امام کی اقتداء میں نماز تراویح پڑھا کریں، پہلے نہ تھا۔

اور اگر جماعت کے ساتھ رمضان المبارک کی تمام راتوں میں نمازِ تراویح پڑھنا خلافِ سُنّت اور بدعتِ شرعیہ ہوتا تو اُس دَور کے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم امیر المومنینؓ پر ضرور اِعتراض کرتے۔ جس سے معلوم ہُوا کہ اس طرح تراویح پڑھنا سُنّت ہے۔

اور اگر امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اِس مسنون کام کو بدعت کہنے سے مطلب بدعت شرعی ہوتا تو بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کبھی خاموش نہ رہتے کہ ایک ایسا کام حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور سے اب تک مسلسل معمول چلا آرہا ہے آپؓ اس کو بدعت قرار دے رہے ہیں۔ لیکن تمام صحابہؓ خاموش رہے۔

ان شواھد سے معلوم ہُوا کہ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نمازِ تراویح کو بدعت کہنے سے مُراد بدعت شرعی ہرگز نہیں تھی جو بفرمانِ رسولؐ مردود ہے۔ بلکہ اس فرمانِ امیر المومنینؓ سے مُراد بدعت صُوریہ اور لُغویہ ہے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماعِ سکوتی ہے۔ جبکہ تراویح کا باجماعت پڑھنا عملِ صحابہؓ سے ثابت شدہ امر ہے۔ جو ۱۵ھ سے آج ۱۴۱۵ھ تک مسلسل پُوری اُمّت کا معمول چلا آرہا ہے۔

نمازِ تراویح کا وقت

اثباتِ تراویح کے بعد اس کے وقت کی تعیین کے متعلق تحریر کیا جاتا ہے، اور اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ "قیام رمضان" یا "نمازِ تراویح" در اصل "صلوٰۃ اللیل" یا "قیام اللیل" کی ایک نوع ہے۔ جبکہ صلوٰۃ اللیل کی دیگر انواع میں صلوٰۃ الاوابین، وتر اور تہجد وغیرہ بھی شامل ہیں۔

حضرت علامہ بحر العلوم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے رسائل الارکان ص ۱۳۷ میں تحریر فرمایا ہے: صَلٰوۃُ التَّرَاوِیْحِ فِیْ رَمَضَانَ نَوْعٌ مِّنْ صَلٰوۃِ اللَّیْلِ کہ رمضان المبارک میں نمازِ تراویح "صلوٰۃ اللیل" کی ایک قسم ہے۔

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الْوِتْرَ قِطْعَۃٌ مِّنْ صَلٰوۃِ اللَّیْلِ (فیض الباری ص ۳۱۵) کہ نمازِ وتر "صلوٰۃ اللیل" کا ایک ٹکڑا یا نوع ہے۔

حضرت محدّث محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا: اِنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ یَقُوْلُ صَلٰوۃُ الْفَجْرِ مِنْ صَلٰوۃِ اللَّیْلِ (قیام اللیل ص ۷۸) کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ نمازِ فجر بھی صلوٰۃ اللیل ہی کی ایک نوع ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ غروبِ شمس کے بعد نمازِ مغرب سے پہلے جو دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں وہ بھی صلوٰۃ اللیل ہی کی ایک قسم ہیں۔

نیز حضرت محدّث مروزیؒ نے فرمایا: فَکُلُّ صَلٰوۃٍ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ اِلٰی طُلُوْعِ الْفَجْرِ فَہِیَ مِنْ صَلٰوۃِ اللَّیْلِ (قیام اللیل ص ۲۶) کہ جتنی نمازیں بھی سورج غروب ہونے سے طلوعِ فجر تک پڑھی جاتی ہیں (یعنی سورج ڈوبنے کے بعد نمازِ مغرب سے پہلے والی دو رکعتیں، نمازِ مغرب، صلوٰۃُ الاوّابین، نمازِ عشا اور اس سے پہلے اور بعد والی سنتیں اور نفل، نمازِ وتر، نمازِ تراویح یا قیام رمضان، نمازِ تہجد فجر کی سنتیں) سب کی سب صلوٰۃ اللیل ہی کی مختلف انواع و اقسام ہیں۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی کتابُ التہجد میں جو حدیثیں نقل کی ہیں (بقیہ

سے مُستنبط ہوتا ہے کہ نمازِ تہجد بھی صلوٰۃُ اللیل ہی کی ایک قسم ہے۔ (صحیح بخاری ص ۱۵۱)

بہرحال گزشتہ عبارات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ غروبِ آفتاب سے طلوعِ آفتاب تک جتنی بھی نمازیں پڑھی جاتی ہیں خواہ وہ نفل ہوں یا سنتیں، خواہ واجب ہوں یا فرض، یہ سب کی سب "صلوٰۃُ اللیل" کے زمرے میں شامل ہیں۔ البتہ عرفِ عام میں صلوٰۃ اللیل کا لفظ بول کر اس سے نمازِ تہجد ہی مُراد لی جاتی ہے، جبکہ تہجد کی نماز اِبتداءِ اِسلام میں تمام اُمت پر فرض ہُوئی، پھر ایک سال کے بعد نمازِ تہجد کی فرضیت تو منسوخ ہوگئی، البتہ تطوّعاً یعنی نفلی طور پر نمازِ تہجد رمضان اور غیر رمضان میں پڑھنے کا طریقہ مسلمانوں میں جاری رہا۔ اور موجودہ دَور میں بھی کثیر تعداد میں مسلمان پُورا سال نمازِ تہجّد پڑھنے کو معمول بنائے ہُوئے ہیں اور اسی کو صلوٰۃ اللیل کہتے ہیں۔ جبکہ صلوٰۃ اللیل کی ایک نوع قیامِ رمضان یا تراویح کہلاتی ہے جو رمضان المبارک کی مخصوص عبادت ہے۔ جس کا حکم روزوں کی فرضیت کے بعد مدنی دَور میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا۔

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃُ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اکثر عُلماء کرامؒ یہ فرماتے ہیں کہ نمازِ تراویح اور تہجد دو جُدا جُدا قسمیں ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بے شک "صلوٰۃُ اللیل" عام ہے مگر عام طور پر "صلوٰۃُ اللیل" بول کر اس سے تہجد مُراد لیا جاتا ہے، پس یہ منقول عُرفی ہے۔ جیسے "دابہ" کا لفظ عام ہے۔ کُلُّ مَا یَدُبُّ عَلَی الْاَرْضِ۔ مگر عُرفِ عام میں "دابہ" سے مُراد گھوڑے، گدھے اور خچّر ہوتے ہیں۔ اور بہت سے اُمور ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ صلوٰۃ تہجّد اور تراویح دونوں جُدا جُدا نمازیں ہیں۔ (دیکھیے فیضُ الباری ج ۲ ص ۴۲۰)

حضرت حکیم بن افلح رحمۃُ اللہ تعالیٰ نے ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ آپؓ ہمیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام اللیل سے متعلق آگاہ فرمائیے۔ تو حضرت ام المومنینؓ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا آپ نے یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ نہیں پڑھا؟ اس پر حضرت حکیمؒ نے کہا کہ کیوں نہیں۔ یعنی

یہ تو ہم نے قرآن مجید میں پڑھا ہے، اور اسی لیے اس کی کیفیت پُوچھ رہے ہیں۔ اس پر امّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ اس سُورت کا ابتدائی حِصّہ مکّہ مکرمہ میں نازل ہُوا تھا۔ اور اس پر عمل کرنے کے لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم راتوں کو اُٹھ کر نماز پڑھنے کی حالت میں اتنی اتنی دیر تک کھڑے رہتے تھے کہ ان کے پاؤں سُوج جاتے تھے۔ اور پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس سُورت کا آخری حِصّہ بارہ ماہ یعنی ایک سال کے بعد نازل ہُوا، جس کے بعد قیام اللیل یعنی نمازِ تہجد کی فرضیت ختم ہوگئی اور نفلی عبادت رہ گئی (ابوداؤد ج۱ ص۱۹۷)

اس سے معلوم ہُوا کہ نمازِ تہجد جو پہلے فرض تھی وہ ہجرتِ نبویؐ سے پہلے مکّی دَور میں ہی تطوعًا یعنی نفلی نماز کے طور پر مشروع ہو چکی تھی۔ اور اس پر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تطوّعًا رمضان اور غیر رمضان میں یعنی پُورا سال ہی عمل کرتے تھے، جبکہ اس زمانے میں نہ تو رمضان المبارک کے روزے ہی فرض ہُوئے تھے اور نہ قیامِ رمضان یعنی تراویح کا ہی کوئی وجود تھا۔

پھر ہجرتِ نبویؐ کے بعد مدنی دور میں جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہُوئے اور كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (۲:۱۸۳) کی آیتِ مُبارکہ نازل ہُوئی تو اس کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ فَرِيْضَةً وَّقِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا۔ (مشکوٰۃ ص۱۷۳) کہ اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان المبارک کے روزے تو فرض قرار دیے ہیں اور قیامِ رمضان کو نفلی عبادت بنایا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ نماز تراویح یا قیامِ رمضان اس قیام اللیل سے الگ رمضان شریف کی مخصوص نفلی عبادت ہے جسے تہجد کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس خطبۂ مبارکہ میں حضرتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی مخصوص عبادات یعنی روزے اور قیام رمضان یعنی تراویح کا ذکر فرمایا ہے اور اس ارشادِ نبویؐ سے یہ سمجھنا کہ اس موقع پر

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی نمازِ تہجد کا ذکر فرمایا ہے تو یہ محض سینہ زوری اور ہٹ دھرمی ہوگی، کیونکہ نفلی عبادت کے طور پر نمازِ تہجد تو قبل ازیں مکی دَور سے ہی مشروع چلی آتی تھی، جیسا کہ پنج وقتہ نماز اس حکم سے پہلے فرض تھی، اب اگر یہ کہا جائے کہ قیام رمضان سے مُراد وہی تہجد کی نماز ہے تو کوئی سَر پھرا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اس ارشادِ نبویؐ سے غروب آفتاب تا طلوعِ آفتاب تمام نمازیں مُراد ہیں۔ تو بس پھر چھٹی ہوئی، کہ دِن میں روزہ رکھ لو اور روزہ کھولنے کے بعد پڑکر سو جاؤ، جس کا جی چاہے مغرب و عشاء تطوعًا پڑھ لے، گرانی ہو تو عیش کرے، اسی طرح صبح صادق سے پہلے تک کھا پی لے پھر گھوڑے بیچ کر سو جائے۔ نعوذ باللہ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی قیامہ تطوعًا سے مُراد اگر نمازِ تہجد ہی ہوتی جو کہ پہلے نفلی نماز کے طور پڑھی جاتی تھی تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صاف الفاظ میں یہ بھی فرما سکتے تھے کہ نماز تہجد رمضان المبارک کے اس مہینہ میں بھی بدستور نفلی نماز ہی ہے اسے فرض نہ سمجھ لینا یا نقاہت کی وجہ سے تہجد پڑھنے میں سُستی سے کام نہ لینا۔ یا اسی طرح کچھ اور ارشاد فرماتے۔

لیکن رمضان اور غیر رمضان میں جو فرض اور نفلی نمازیں پہلے سے مشروع اور معمول تھیں ان کا حکم بجائے خود ہے اور رمضان المبارک کی آمد کے موقع پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ماہ مبارک کی مخصوص فرض اور نفلی عبادات کا ذکر اپنے خطبۂ مُبارکہ میں فرمایا، جس میں پہلے سے معمول بہ عبادات کا کوئی ذکر نہیں فرمایا، کیونکہ نہ تو اس کی ضرورت تھی اور نہ ہی موقع تھا۔ البتہ بعض حدیثوں میں اعمالِ رمضان کی فضیلت آئی ہے، جبکہ مذکورہ بالا فقرہ میں اعمالِ رمضان کی فضیلت کا کوئی ذکر نہیں فرمایا گیا، بلکہ اس میں دُوسری نفلی نماز یعنی تراویح کی مشروعیت کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے جو پہلے سے مشروع نمازوں سے الگ رمضان شریف کی مخصوص نفلی نماز ہے۔ اور دُوسرے مقام پر اس کی فضیلت بھی بیان فرمائی جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

تہجد اور تراویح میں فرق

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان رمضان قد افترض اللہ صیامہ و انی سننت للمسلمین قیامہ (ابن ماجہ ص ۹۵) کہ رمضان المبارک کا مہینہ وہ ہے کہ جس کے روزے تو خود اللہ تعالیٰ نے فرض کیے ہیں اور میں نے (بحکمِ الٰہی) مسلمانوں کے فائدے کے لیے اس ماہِ مبارک میں تراویح ادا کرنے کے لیے قیام کا طریقہ قائم کیا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے معلوم ہوا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں رمضان المبارک کے روزے فرض ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے نفلی عبادت کے طور پر تطوعاً قیام رمضان (تراویح) کو مقرر فرمایا، جبکہ تہجد کی نماز خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس سے پہلے ہی مکی دَور میں بطور نفلی عبادت کے پڑھنے کا حکم فرمایا تھا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ نمازِ تہجد اور نمازِ تراویح تشریعی طور پر دو مختلف اوقات میں الگ الگ دو قسم کی نمازیں ہیں اور ان دونوں کو ایک نماز سمجھنا غلط ہے۔

نیز تہجد کی نماز پہلے پہل تمام مسلمانوں پر فرض کی گئی، جس کا وقت رات کو کچھ دیر سوکر اُٹھنے کے بعد ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ومن اللیل فتھجد ؔ سے واضح ہے۔ جبکہ اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بقول نمازِ تہجد پہلے فرض تھی، پھر ایک سال کے بعد یہ نماز نفل ہوگئی۔ اور تراویح یا قیام رمضان کا حکم مدنی دَور میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

نیز لفظ "تہجد" باب تفعّل کی مصدر ہے جو کہ "ہجود" سے ماخوذ ہے۔ اور عربی میں ہجود کا معنی ہے سونا، جیسا کہ حضرت ابو منصور ازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تہذیب اللغۃ میں تحریر فرمایا ہے۔

اور باب تفعّل کی خاصیات میں سے ایک خاصیت ہے الخروج عن الشیٔ

یعنی کسی چیز سے خارج ہونا۔ جیسے تَاَثُّم کا معنی ہے الخروج من الاثم یعنی گناہ سے نکلنا۔ اسی طرح تحرّج کا معنی ہے الخروج من الحرج یعنی خطرے سے نکلنا۔ اسی طرح تہجد کا معنی ہے الخروج من الھجود یعنی نیند سے نکلنا یا جاگنا۔

لیکن یہاں یہ بات بھی خاص طور پر یاد رکھنے کے لائق ہے کہ تہجد صرف اس جاگنے کو ہی کہتے ہیں جو عبادت کے لیے ہو اور اگر کبھی تکلیف کی وجہ سے سوتے ہوئے جاگ آجائے تو اسے "ارق" کہتے ہیں۔ (دیکھیے کلیات ابی البقاء ص ۱۲۹)

بہر حال رات کو سو کر دوبارہ اُٹھ کر پڑھی جانے والی نفلی نماز کو تہجد کہتے ہیں۔ (دیکھیے کتابُ التسہیل ج ۲ ص ۱۷۷)

حضرت مفسر محمد بن یُوسف ابو حیان اندلسی رحمۃُ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا کہ یہاں باب تفعّل اِزالہ اور ترک کے معنے میں استعمال ہوا ہے، جیساکہ تاثّم کے معنے ترکُ الاثم یعنی گناہوں کا چھوڑنا ہے۔ اسی طرح نمازِ تہجد کا معنی ہے نیند سے اُٹھ کر نماز میں مشغول ہوجانا۔ (البحر المحیط ج ۶ ص ۷۱)

حضرت مفسر حوفیؒ کے حوالے سے علامہ ابنِ حیانؒ نے تحریر فرمایا کہ سورۂ اِسراء میں آیت ومن اللیل فتھجد بہ کے معنے ہیں قم بعد نومۃ من اللیل (البحر المحیط ج ۶ ص ۷۷)، یعنی رات کو سونے کے بعد دوبارہ نماز پڑھنے کے لیے اُٹھ کر کھڑا ہو جا۔

حضرت مفسر علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی علاؤالدین خازن رحمۃُ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایاہے کہ رات کو سونے کے بعد نماز کے لیے اُٹھ کھڑا ہو۔ کیونکہ تہجد ہوتا ہی وہ ہے جو سو کر اُٹھ جانے کے بعد ہو۔ تو اس آیت (ومن اللیل فتھجد بہ) کا مطلب یہ ہے کہ رات کو سوکر دوبارہ اُٹھنے کے بعد نماز پڑھو۔ دیکھیے تفسیر خازن ج ۲ ص ۱۷۴۔

حضرت مفسر سیّد امیر علی ملیح آبادی رحمۃُ اللہ تعالیٰ نے مواہب الرحمن پ۱۵ ص ۱۶۰

میں تحریر فرمایا ہے کہ تہجد میں خاصہ تجنّب کا ہے، یعنی ہجود (سونے) سے تجنب و اِجتناب کرنا اور اس میں اِشارہ ہے کہ تہجّد کے لیے رات میں تکلف کر کے نیند کو دُور کرنا اور نماز میں قراءۃِ قرآن کے ساتھ قیام کرنا چاہیے۔

نیز حضرت ملیح آبادیؒ نے تحریر فرمایا کہ حضرت مجاہد، علقمہ و اسود رحمہم اللہ نے کہا کہ تہجد بعد خواب (نیند) کے ہے رات میں۔ اور سراج میں کہا ہے کہ مراد اس آیت میں قیام شب واسطے ادائے نماز نفل کے ہے۔ پس تہجد نہ ہوگا جب تک بعد خواب کے نفل نماز کے واسطے نہ ہو۔ (پ ۱۵ ص ۱۶۰)

نیز فرماتے ہیں کہ تہجد وہ ہے جو نیند لے لینے کے بعد ہو، اور یہی علقمہ، اسود، ابراہیم نخعی اور بہتوں کا قول ہے۔ اور یہی زبانِ عرب میں معروف ہے۔ اور یوں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل کہ آپؐ بعد نیند کے تہجد پڑھتے تھے احادیث میں (سیدنا) ابن عباسؓ و (ام المومنین سیدہ) عائشہؓ اور بہت سے صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے ثابت ہے۔ (مواہب الرحمن پ ۱۵ ص ۱۶۲)

حضرت مفسر ابو الفداء عماد الدین اسمٰعیل بن کثیر دمشقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر قرآن المعروف بہ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۴ میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔ نیز حضرت مفسر ابو بکر احمد بن علی جصاص رازی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی احکام القرآن ج ۳ ص ۲۵۴ میں اِسی طرح تحریر فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں:

حضرت مفسر محمد بن یوسف ابو حیان اندلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسود، حضرت علقمہ اور حضرت عبد الرحمٰن بن اسود رحمہم اللہ تعالیٰ کے حوالے سے تحریر فرمایا کہ تہجد نیند کے بعد ہوتے ہیں۔ (البحر المحیط ج ۶ ص ۷۱)

مشہور مفسر ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے اپنی تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن المعروف بہ تفسیر ابن جریر پ ۱۵ ص ۹۶ میں سیدنا حجاج بن عمرو بن غزیہ مازنی انصاری رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت نقل کی ہے۔

حضرت مفسر سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے رُوح المعانی پ ۱۵ ص ۱۳۸ میں

حضرت لیث رحمۃ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

حضرت محدث ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے معجم کبیر ج ۳ ص ۲۵۴ میں سیدنا حجاج بن عمرو بن غزیہ مازنی انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ سونے کے بعد اُٹھ کر نمازِ تہجد پڑھا کرتے تھے۔

حضرت محدث ابو حاتم محمد بن حبان تمیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے صحیح ابن حبان ج ۵ ص ۱۲۷ میں سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، جس میں اس شخص کا ثواب بیان کیا گیا ہے جو تہجد پڑھنے کے لیے رات کو سو کر خود بھی اُٹھے اور اپنی بیوی کو بھی اُٹھائے۔

نیز آپ نے تحریر فرمایا: صلوۃ اللیل بین العشاء والفجر بعد نومہ من اول اللیل (صحیح ابن حبان ج ۵ ص ۱۲۷) کہ پہلی رات میں عشا اور فجر کی نماز کے درمیان سو کر اُٹھنے کے بعد نماز پڑھنا صلوۃ اللیل یعنی تہجد کہلاتا ہے۔

حضرت علامہ محمد مرتضیٰ حُسینی زبیدیؒ نے تاج ۲ ص ۵۴۳ میں تحریر فرمایا ہے تھجد استیقظ للصلوٰۃ اوغیرھا وفی التنزیل العزیز وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ای یَتَیَقَّظْ بِالْقُرْاٰنِ...... کہ تہجد کے معنے ہیں نماز وغیرہ کے لیے جاگ اُٹھنا۔ اور قرآن مجید میں ہے وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ۔ یعنی قرآن مجید پڑھنے کے لیے جاگ اُٹھ...

حضرت علامہ ابو منصور ازہریؒ کے حوالے سے علامہ زبیدیؒ نے لکھا ہے:

قال الازھری والمعروف فی کلام العرب ان الھاجد ھو النائم واما المتھجد فھو القائم الی الصلوٰۃ من النوم وکان قیل لہ متھجد لالقائہ الھجود عن نفسہ کما یقال للعابد متحنث لالقائہ الحنث عن نفسہ۔ کہ حضرت ابو منصور ازہریؒ فرماتے ہیں کہ کلامِ عرب کے عُرف میں ہاجد کے معنے سونے والا ہیں، جبکہ متہجد کے معنے ہیں نیند سے اُٹھ کر نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہونے والا۔ گویا اسے متہجد اس لیے کہتے ہیں کہ سو کر اُٹھنے والا

اپنے آپ سے نیند کو پرے پھینکتا ہے۔ جیسے عبادت گزار کو مُتحنث اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے آپ سے گناہ کو پرے پھینکتا ہے۔

حضرت علامہ ابوالحسین احمد بن فارس بن زکریا (متوفی ۳۹۳ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مقاییس اللغۃ ج ۶ ص ۳۴ میں تحریر فرمایا ہے: هَجَدَ اذا نام هجودًا والهاجد نائم و ان صلّى ليلاً فهو متهجد كانه بصلاته ترك الهجود عنه وهذا قياس مستعمل۔ یعنی ہجود کے معنی سونے کے ہیں اور ہاجد کے معنے ہیں سونے والا، جبکہ رات کو نماز پڑھنے والا متہجد ہے۔ گویا کہ وہ نماز کے ذریعے نیند کو اپنے آپ سے دُور کرتا ہے۔ اور یہ استعمال شدہ قیاس ہے۔

بہرحال تمام محدثین، مفسرین اور اہلِ لغت اس بات پر متفق ہیں کہ تہجد اس نماز کو کہا جاتا ہے جو رات کا کچھ حصّہ سونے کے بعد دوبارہ اُٹھ کر پڑھی جائے لیکن وہ نفلی نماز ہونی چاہیے، واجب یا فرض نماز اگر اس وقت پڑھیں گے تو اُسے تہجد نہیں کہا جائے گا۔ جیسا کہ:

حضرت علامہ سیّد محمود آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے رُوح المعانی پ۱۵ ص ۱۳۸ میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص رات کو نہ سوئے، وہ خواہ جتنی بھی نماز پڑھتا رہے اس کے بارے میں یہ نہ کہا جائے گا کہ اس نے تہجد کی نماز پڑھی ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ حضرت مجاھدؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

علاوہ ازیں حضرت علامہ آلوسیؒ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ تو مشہور بات ہے کہ رات کی عبادت کو (علاوہ اس شرط کے کہ اس سے پہلے نیند کی جائے یا نہ) قیام کہتے ہیں۔ اور خاص نیند کے بعد کی عبادت کو تہجد کہتے ہیں، بشرطیکہ وہ پنجگانہ نمازوں میں سے نہ ہو۔ پس اگر عشاء کی نماز پڑھنے سے پہلے ہی سو گیا اور پھر اُٹھ کر عشا کی نماز پڑھی تو اسے تہجد پڑھنے والا نہ کہا جائے گا۔

تمام اہلِ اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تہجد اس نماز کو کہتے ہیں جو سو کر اٹھنے کے بعد صبح صادق سے بطور نفل کے پڑھی جائے۔ جیسا کہ حضرت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپؐ نیند سے بیدار ہو کر رات کے وقت تہجد پڑھا کرتے تھے۔ احادیث میں سیدنا عبداللہ بن عباس اور اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ مثلاً:

سیدنا عبداللہ بن عُمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابنِ آدم کا پچھلی رات کے درمیانے حصے میں دو رکعتیں پڑھنا دُنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔ (کنزالعمال ج ۷، ص ۹۰)

ام المومنین سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت سوتے ہُوئے گھبرا کر جاگ اُٹھے اور فرمایا سُبحان اللہ یعنی اُونگھ اور نیند وغیرہ سے تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے، پھر فرمایا کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے کس قدر خزانے نازل ہو رہے ہیں اور اس وقت کس طرح لوگوں کو آزمایا جا رہا ہے۔ پھر اس کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہلِ بیت یعنی ازواجِ مطہرات کو نمازِ تہجد کے لیے جگایا۔ (مشکوٰۃ ص ۱۰۹)

امیرالمومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کی نمازوں میں سے افضل نماز وہ ہے جو پچھلی رات کے درمیانے حصّے میں پڑھی جائے۔ (کنزالعمال ج ۷، ص ۹۲)

سیدنا صُدَیّ بن عجلان ابو اُمامہ باھلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کس وقت کی دُعا زیادہ مقبول ہوتی ہے تو آپؐ نے اِرشاد فرمایا کہ ① پچھلی رات کے درمیانے حِصّے میں۔ اور ② فرض نمازوں کے بعد۔ (مشکوٰۃ ص ۱۰۹)

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشادِ گرامی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز اللہ تعالیٰ کو بہت ہی پسند تھی، جو رات کا اِبتدائی آدھا حِصّہ سوتے تھے، اس کے بعد رات

کا تیسرا حصہ نماز پڑھنے میں صرف فرماتے اور پھر رات کے آخری چھٹے حصے میں سو جایا کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۰۹)

سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پچھلی رات کے درمیانے حصے میں یعنی صبح کاذب کے وقت رب تعالیٰ اپنے بندے کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۰۹)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو سونے کے بعد تہجد پڑھنے کے لیے اٹھتے تو یہ پڑھتے: اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ. اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَاِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ. (مشکوٰۃ ص ۱۰۷ و ۱۰۸)

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان رات کے وقت وضو کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے کرتے سو جائے، پھر رات کے کسی حصہ میں جاگ کر اللہ تعالیٰ سے خیر مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور عطا فرماتا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۰۸)

سیدنا ربیعۃ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارکہ کے قریب رات گزارتا تو میں سنتا تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے کسی حصہ میں کھڑے ہو کر کچھ دیر تو سُبْحَانَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا ورد فرماتے اور کچھ دیر سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کا ورد فرماتے رہتے تھے۔ (مشکوٰۃ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر شب ہمارا رب پہلے آسمان کی طرف اپنی رحمت کا نزول فرماتا ہے، یہاں تک کہ پچھلی رات کا تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے، اُس وقت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی ہے مجھ سے دُعا کرنے والا کہ میں اس کی دُعا قبول کروں، کون ہے مجھ سے مانگنے والا کہ میں اُسے عطا کروں، کون ہے مجھ سے بخشش مانگنے والا کہ میں اس کی بخشش کروں۔ (مشکوٰۃ ص ۱۰۹)

نیز فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص رات کو سونے کے بعد جاگے تو اپنی بیوی کو بھی جگائے۔ اور اگر وہ نہ جاگے تو اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے۔ (کنز العمال ج، ص ۷۹۳)

اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے پہلے حصّے میں سوتے تھے اور رات کے آخری حصّے میں جاگتے تھے .... اور پھر دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۰۹)

نیز فرماتی ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے کسی حصے میں سو کر اُٹھتے تو نماز کا افتتاح فرماتے وقت یہ دُعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَئِيْلَ وَ مِيْكَائِيْلَ وَ اِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (مشکوٰۃ ص ۱۰۸)

نیز حضرت ام المومنینؓ نے یہ بھی فرمایا کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سو کر اُٹھتے تو فرماتے: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِيْ وَاَسْاَلُكَ رَحْمَتَكَ اللّٰهُمَّ زِدْنِيْ عِلْمًا وَّلَا تُزِغْ قَلْبِيْ بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنِيْ وَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (مشکوٰۃ ص ۱۰۸)

نیز آپؓ نے یہ بھی فرمایا کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت سو کر اُٹھتے تو دس بار اَللّٰهُ اَكْبَرُ، دس بار اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، دس بار

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ ، دس بار سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ ، دس بار اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ ، دس بار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور دس بار ہی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ ضِیْقِ الدُّنْیَا وَضِیْقِ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ کہتے ۔ پھر نماز شروع فرماتے ۔ (،)

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت نماز کے لیے قیام فرماتے تو اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے اور پھر اس طرح کہتے سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ وَ تَبَارَکَ اسْمُکَ وَ تَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ پھر کہتے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا پھر کہتے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ مِنْ ھَمْزِہٖ وَ نَفْخِہٖ وَ نَفْثِہٖ۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ثنا کے بعد تین بار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے اور پھر قرآن مجید کی تلاوت شروع فرماتے تھے ۔ (مشکوٰۃ ص ۱۰۸)

سیدنا عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رات کے کسی حصے میں جاگے اور جاگتے وقت یہ الفاظ کہے : لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ اور پھر کہے رَبِّ اغْفِرْلِیْ ۔ یا اس طرح فرمایا کہ پھر جو دُعا کرے تو اس کی دُعا قبول ہوگی ۔ اور پھر اگر وضو کرکے نماز پڑھے تو وہ نماز بھی قبول ہوگی ۔ (مشکوٰۃ ص ۱۰۸)

نیز ایک روایت میں وَلَہُ الْحَمْدُ کے بعد یُحْیِیْ وَ یُمِیْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ کے الفاظ بھی آئے ہیں ۔ (دیکھیے کنز العمال ج ۷، ص ۷۸۰)

سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رات کو اس وقت نماز پڑھتا ہے جبکہ لوگوں کے سونے کا وقت ہوتا ہے تو اس شخص کے لیے جنت میں بڑے اعلیٰ درجے ہوں گے ۔ (مشکوٰۃ ص ۱۰۹)

نیز آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص رات کے وقت جاگے اور اپنے ساتھ اپنی بیوی کو بھی جگائے۔ اور اگر اس پر نیند کا غلبہ ہو تو اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے اور پھر دونوں اپنے گھر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں میاں بیوی کی بخشش فرما دیتا ہے۔ (کنز العمال ج ۷ ص ۷۹۳)

سیدنا حجاج بن عمرو بن غزیہ مازنی انصاری مدنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے کے بعد دوبارہ اُٹھ کر نمازِ تہجد ادا فرمایا کرتے تھے۔ (دیکھیے معجم کبیر طبرانی ج ۳ ص ۲۵۴)

اسی طرح دیگر متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز تہجد سے متعلق معمول کتب حدیث و سِیَر اور تفاسیر میں منقول ہے۔

ان تمام روایات کو اس مقام پر جمع کرنا باعثِ طوالت ہوگا، لہٰذا اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اصل بات جو یہاں کی جا رہی وہ یہ ہے کہ دراصل صلوٰۃ اللیل کی وہ قسم جسے تہجد کہا جاتا ہے وہ رات کو کچھ دیر سونے کے بعد دوبارہ اٹھ کر پڑھی جاتی ہے۔ جبکہ صلوٰۃ اللیل کی وہ قسم جس کا نام قیام رمضان ہے اور اسے تراویح کہا جاتا ہے۔ ان دونوں نمازوں کے اوقات میں فرق ہے۔ اور ان کی تعداد رکعات میں بھی فرق ہے۔ اور تعدادِ رکعات سے متعلق مستقل بحث تو آگے آئے گی، یہاں صرف یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ تراویح اور تہجد دو الگ الگ نمازوں کے نام ہیں۔ کیونکہ

① تراویح کا حکم روزوں کی فرضیت کے بعد مدنی دَور میں دیا گیا۔ جبکہ تہجد کا حکم اس سے پہلے مکی دَور میں دیا گیا تھا۔

② تراویح کا حکم اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا جبکہ تہجد کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دیا۔

③ تراویح میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ محنت فرماتے تھے، جبکہ

تہجّد میں نسبتہً کم محنت فرماتے تھے۔

④ تراویح کا حکم ابتداء سے ہی تطوّعاً سُنّت موکدہ کے طور پر دیا گیا جبکہ تہجد پہلے فرض تھا اور پھر ایک سال کے بعد نفلی عبادت ہوگیا۔

⑤ تراویح میں اِستیعاب یعنی پُوری رات صرف کرنا جائز ہے۔ جبکہ تہجّد میں اِستیعاب نہیں۔

⑥ تراویح صرف رمضان المبارک میں پڑھنے کا ثبوت ہے، جبکہ تہجد پُورے سال میں ہر رات تطوّعاً (بطور نفل) پڑھے جاتے ہیں۔

⑦ تراویح رات کو عشاء کے بعد سونے سے پہلے پڑھی جاتی ہے، جبکہ تہجد رات کو کُچھ دیر سونے کے بعد اُٹھ کر پڑھنے کا حکم ہے۔

⑧ تراویح اکیلے بھی پڑھی جاسکتی ہے لیکن جماعت سے پڑھنا سُنّت مؤکدہ ہے، جبکہ تہجد کے لیے جماعت سُنّت موکدہ نہیں ہے۔

⑨ تراویح کے بعد نمازِ وتر جماعت سے پڑھنا سُنّتِ مؤکدہ ہے، جبکہ تہجد کے بعد نمازِ وتر باجماعت پڑھنا منع ہے، البتہ بصورتِ تداخل جائز ہے۔

⑩ تراویح میں پُورا قرآن مجید کم ازکم ایک بار پڑھنا سُنّتِ موکدہ ہے، جبکہ تہجد میں پُورا قرآن مجید پڑھنا ضروری نہیں۔

⑪ تراویح کے لیے تداعی یعنی ایک دُوسرے کو دعوت دینا مسنون ہے، جبکہ تہجد کے لیے تداعی کا کوئی حکم نہیں۔

⑫ تراویح بڑی فضیلت والی رمضان المبارک کی مخصوص عبادت ہے، جبکہ تہجد کی فضیلت تراویح سے کم ہے۔

⑬ تراویح میں ہر دو دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا جاتا ہے، جبکہ تہجد میں ہر چار رکعت کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے، اور دو پر بھی جائز ہے۔

⑭ تراویح صرف رمضان کی راتوں میں پڑھنا سُنّتِ مؤکدہ ہے۔ جبکہ تہجد رمضان اور غیر رمضان میں (ہمیشہ) پڑھنا مستحب ہے۔

تہجد و تراویح میں فرق کے متعلق اُم المومنین و سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما کی روایات

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ تہجد پڑھنے کے لیے کس وقت بیدار ہُوا کرتے تھے تو حضرت اُمّ المومنینؓ نے فرمایا کہ آپؐ اُس وقت بیدار ہوتے تھے جب (آدھی رات کو) مُرغ کی آواز سُنتے تھے۔

ام المومنینؓ کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمولِ مُبارک یہی تھا کہ آپؐ رات کو سو جاتے تھے اور پھر رات کے پچھلے پہر مُرغ کی اذان (یعنی سحری) کے وقت نمازِ تہجد پڑھنے کے لیے بیدار ہوتے تھے۔ جبکہ رمضانُ المبارک کی مخصوص عبادت یعنی قیامِ رمضان یا نمازِ تراویح عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد سونے سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے (رمضان المبارک میں) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزے رکھے۔ اور رات کو ہمارے ساتھ قیام نہ فرمایا یعنی نمازِ تراویح نہ پڑھائی (جبکہ آپؐ ہمیں اس کی ترغیب دلاتے رہتے تھے، اور ظاہر ہے کہ اِنفرادی طور پر خود تو نمازِ تراویح پڑھا ہی کرتے تھے) یہاں تک کہ سات راتیں رہ گئیں۔ پھر تیئیسویں رات کو تہائی رات تک ہمیں نمازِ تراویح پڑھائی۔ اور چوبیسویں رات کو آپؐ نے ہمیں نمازِ تراویح نہ پڑھائی، اس کے بعد پچیسویں رات کو آپؐ نے ہمیں آدھی رات تک نمازِ تراویح پڑھائی۔

سیّدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ نبویؐ میں عرض کیا کہ: یارسول اللہ! کاش کہ آپؐ رات کا اس سے بھی زیادہ حصّہ نمازِ تراویح پڑھلتے، اس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ جب آدمی اِمام کے فارغ ہونے تک اس کے ساتھ نمازِ تراویح پڑھ لیتا ہے تو اس کے حق میں تمام رات کا قیام لکھا جاتا ہے۔ (اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا صَلّٰی مَعَ الْاِمَامِ حَتّٰی یَنْصَرِفَ حُسِبَ لَہٗ قِیَامُ لَیْلَۃٍ)

پھر چھبیسویں رات کو آپؐ نے نمازِ تراویح (باجماعت) نہیں پڑھائی۔ اور جب رمضان المبارک کی ستائیسویں رات ہُوئی تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل وعیال اور اُمہات المومنینؓ اور دُوسرے لوگوں کو بھی جمع فرمایا اور پھر سب کو نمازِ تراویح پڑھائی۔ (اور نمازِ تراویح بہت دیر تک پڑھاتے رہے) حتیٰ کہ ہمیں خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں ہم سے "فلاح" نہ فوت ہوجائے۔

راوی نے اس موقع پر حضرت ابوذرؓ سے دریافت کیا کہ "فلاح" کے کیا معنے ہیں تو انھوں نے "فلاح" کے معنے بتلائے: "سحری کے وقت کا کھانا"۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر اس کے باقی بچے ہُوئے مہینہ یعنی ۲۸، ۲۹، ۳۰ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ ہمیں نمازِ تراویح نہیں پڑھائی۔ (ترمذی ص ۱۱۱ و ۱۱۲)

اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات تو تہائی شب تک نمازِ تراویح پڑھی اور پڑھائی۔ اور دُوسری شب آدھی رات تک قیام فرمایا اور تیسری رات تو اس قدر طویل قیام فرمایا کہ سحری کے ختم ہونے کا وقت قریب آگیا۔ اس سے جہاں یہ معلوم ہُوا کہ قیامِ رمضان نمازِ تہجد سے الگ رمضان المبارک کی مخصوص نماز ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ نمازِ تراویح کا وقت نمازِ عشاء کے فوراً بعد شروع ہوتا ہے اور صبح صادق سے پہلے ختم ہوجاتا ہے۔ جبکہ نمازِ تراویح اور نمازِ تہجد کا جُدا جُدا ہونا بھی واضح ہوجاتا ہے جو کہ رات کو کچھ نہ کچھ سونے کے بعد اُٹھ کر پڑھی جاتی ہے۔

تراویح و تہجد کا فرق بلحاظِ جماعت بالتداعی

تہجد کی نماز میں آپؐ نے کبھی بالتداعی جماعت نہیں فرمائی۔ یعنی بڑے اہتمام کے ساتھ لوگوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی دعوت نہیں دی گئی، ہمیشہ خود اکیلے ہی پڑھتے تھے۔ البتہ اتفاقاً کبھی ایک یا دو آدمی آپؐ کے ساتھ آکر کھڑے ہوجائیں تو اس میں کچھ حرج نہیں، کیونکہ یہ جماعت بالتداعی نہیں بنتی۔

حضرت علامہ زین الدین ابن نجیم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں تحریر فرمایا ہے: والنفل بالجماعۃ غیر مستحب (علیٰ سبیل التداعی کما فی الکافی) ولانہ لم تفعلہ الصحابۃ بجملعۃ فی غیر رمضان ای بالتداعی اما لو اقتدیٰ رجل بواحد واثنان بواحد لایکرہ واذا اقتدیٰ ثلاثۃ بواحد اختلفوا فیہ وان اقتدیٰ اربعۃ بواحد کرہ اتفاقاً۔ (بحر الرائق ج ۲ ص ۷۰)

کہ تداعی کے طور پر جماعت سے نفل نماز پڑھنا مستحب نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رمضان المبارک کے سوا جماعت سے نماز پڑھنے کا کام صحابۂ کرامؓ نے نہیں کیا۔ یعنی تداعی کے ساتھ باجماعت نفل نہیں پڑھتے تھے۔ (اور اگر یہ کام مستحسن ہوتا تو صحابۂ کرامؓ جو بھلائی کے ہر کام کی طرف جلدی سے لپکتے تھے وہ تو نفلوں کی جماعت ضرور کراتے) البتہ اگر ایک آدمی کی اقتدا ایک آدمی کرے، یا دو آدمی ایک آدمی کی اقتدا کریں تو یہ مکروہ نہیں ہے (کیونکہ یہ جماعت بالتداعی نہیں) اور جب تین مُقتدی ہوں تو اس میں اختلاف ہے (بعض علما اسے تداعی سمجھتے ہُوئے مکروہ قرار دیتے ہیں، جبکہ بعض کے خیال میں یہ تداعی نہیں اس لیے وہ اسے مکروہ بھی نہیں سمجھتے) اور اگر ایک آدمی کے چار مُقتدی ہوں تو یہ بالاتفاق مکروہ ہے۔

اور ایک یا دو آدمیوں کی جماعت کو تداعی اس لیے نہیں سمجھا جاتا کہ خود سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ تہجّد کی نماز میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں جا کھڑے ہُوئے تھے۔ جبکہ حضرت ابن عباسؓ اس وقت نابالغ بچّے تھے۔ چنانچہ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صَلَّیْتُ اِلٰی جَنْبِ النَّبِیِّ ﷺ وَعَآئِشَۃُ خَلْفَنَا تُصَلِّیْ مَعَنَا وَاَنَا اِلٰی جَنْبِ النَّبِیِّ ﷺ اُصَلِّیْ مَعَہٗ (قیام اللیل للمروزی ص ۸۸) کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں کھڑے ہو کر (باجماعت نفلی) نماز پڑھی اور اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ ہمارے پیچھے کھڑی ہمارے ساتھ (باجماعت نفلی) نماز پڑھ رہی تھیں۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صَلَّیْتُ اَنَا وَ یَتِیْمٌ فِیْ بَیْتِنَا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَصَلَّتْ اُمِّیْ مِنْ وَّرَآئِنَا (قیام اللیل للمروزی ص ۸۸) کہ میں اور (میرے بھائی) حضرت یتیم رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، اور میری والدہ ہمارے پیچھے نماز پڑھ رہی تھیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں دو آدمیوں کا۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں تین آدمیوں کا ایک امام کے پیچھے کھڑے ہوکر باجماعت نفلی نماز پڑھنے کا ثبوت تو ملتا ہے، لیکن چار آدمیوں کا ایک امام کی اقتدا میں باجماعت نفلی نماز پڑھنے کا کسی حدیث سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ جبکہ نمازِ تراویح کا تداعی کے ساتھ چند بار باجماعت پڑھنا حضرت نبی کریم ﷺ کے عمل سے ثابت ہے۔

تراویح و تہجد میں فرق بلحاظِ استیعاب

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد کے لیے تمام رات کبھی نہیں جاگے چنانچہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نمازِ تہجد کے بیان میں فرماتی ہیں: وَلَآ اَعْلَمُ نَبِیَّ اللّٰہِ ﷺ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ کُلَّہٗ فِیْ لَیْلَۃٍ وَّاحِدَۃٍ وَلَا صَلّٰی لَیْلَۃً اِلَی الصُّبْحِ (قیام اللیل للمروزی ص) کہ میں نہیں جانتی کہ کبھی ایسا بھی ہُوا ہو کہ نمازِ تہجد میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پُورے کا پُورا قرآن مجید ایک ہی رات میں پڑھ لیا ہو اور نہ ہی کبھی آپؐ نے ایسا کیا کہ تمام رات صبح تک نمازِ تہجد پڑھتے رہے ہوں۔

حضرت ام المومنینؓ کی یہ تحدید نمازِ تہجد کے متعلق ہی ہے، ورنہ نمازِ تراویح میں صبح تک نماز پڑھنے والوں میں تو خود اُم المومنینؓ بھی دیگر اہلِ بیت کے ساتھ شامل تھیں، جیسا کہ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہو چکا ہے، اور خود ام المومنینؓ اس واقعہ سے بخوبی واقف تھیں اور نہ ہی یہ اہم واقعہ انھیں بھُولا تھا، بلکہ خوب یاد تھا۔ اس کے باوجود تمام رات جاگنے سے اِنکار کا مطلب

صرف یہ ہے کہ نمازِ تہجد کے لیے تمام رات جاگتے رہنے کا اِنکار فرما رہی ہیں۔
کیونکہ اُمّ المومنینؓ کی اس حدیث کے راوی حضرت سعد بن ہشام رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت اُمّ المومنینؓ سے نمازِ تہجد کے بارے میں ہی دریافت کیا تھا، چنانچہ امام مسلمؒ نے یہ روایت باب قیام اللیل ہی میں نقل فرمائی ہے۔ جبکہ اس روایت میں نمازِ تراویح یا قیامِ رمضان کا کہیں نام و نشان تک موجود نہیں ہے۔

اِسی طرح حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالرحمٰنؓ بن عوف رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رمضان المبارک میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد کے بارے میں سوال کیا: کَیْفَ کَانَتْ صَلٰوۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِیْ رَمَضَانَ کہ رمضان المبارک میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کیسی ہُوا کرتی تھی، (جبکہ عشاء کی نماز پڑھ کر تو آپ تراویح پڑھتے تھے، تو شاید آپؐ اس ماہِ مُبارک کی وجہ سے تہجد میں بھی اضافہ فرماتے ہوں) تو اس پر اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مَا کَانَ یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِہٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشَرَۃَ رَکْعَۃً. کہ رمضانُ المبارک کا مہینہ ہو یا کوئی اور مہینہ ہو، نمازِ تہجد تو وتروں سمیت گیارہ رکعت ہی پڑھا کرتے تھے، اور تعدادِ رکعات میں کوئی اضافہ نہیں فرماتے تھے۔ اس کے بعد ام المومنینؓ نے فرمایا یُصَلِّیْ اَرْبَعًا کہ پہلے تو چار رکعتیں اس طرح پڑھتے تھے فَلَا تَسْاَلْ عَنْ حُسْنِہِنَّ وَطُوْلِہِنَّ کہ مت پُوچھیے کہ وہ کس قدر خوش اسلوبی کے ساتھ ایک لمبے وقت میں ادا فرماتے تھے، یعنی اس کی تعریف ممکن نہیں (پھر کچھ دیر آرام فرماتے اور پھر اُٹھ جاتے) ثُمَّ یُصَلِّیْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْاَلْ عَنْ حُسْنِہِنَّ وَطُوْلِہِنَّ پھر چار رکعت اس قدر حَسِین انداز میں نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ لمبے وقت میں ادا فرماتے تھے کہ ہماری زبان اس کی تعریف کرنے سے قاصر ہے، مت پُوچھو کہ وہ کتنی خوبصورت اور لمبی نماز ہوتی تھی۔ (اس کے بعد پھر کچھ دیر آرام فرماتے) ثُمَّ یُصَلِّیْ ثَلٰثًا اور پھر اُٹھ کر آپؐ تین رکعت نمازِ وتر پڑھا کرتے تھے۔

اس کے بعد اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَتَنَامُ قَبْلَ اَنْ تُوْتِرَ کہ یا رسول اللہ! کیا آپ نمازِ تہجد پڑھنے کے بعد وتر پڑھنے سے پہلے سوجاتے ہیں؟ تو اس کے جواب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یَا عَائِشَۃُ! اِنَّ عَیْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ (بخاری ص۲۶۹) کہ اے عائشہ! تہجد اور وتر کے درمیان میری آنکھیں تو سوتی یعنی بند ہوتی ہیں لیکن میرا دل غافل ہوکر نہیں سوتا۔

اس حدیث مبارکہ سے متبادر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوسلمہؒ نے خاص رمضانُ المبارک میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد کے بارے میں ام المومنینؓ سے دریافت کیا تھا، جس کے جواب میں انھوں نے فرمایا کہ رمضان کے اس بابرکت مہینے میں بھی تعدادِ رکعات کے لحاظ سے تو کوئی اضافہ نہیں فرماتے تھے، بلکہ رمضان ہو یا غیر رمضان آپ تہجد میں تو وتروں سمیت گیارہ رکعتیں ہی پڑھا کرتے تھے اس سے زیادہ نماز تہجد کبھی بھی نہیں پڑھتے تھے۔ البتہ رمضان المبارک میں جس قدر خوبصورتی سے لمبی نماز پڑھتے تھے اس کی تعریف ممکن نہیں۔ اور ہر چار رکعت کے بعد آپؐ کچھ دیر آرام فرمایا کرتے تھے۔

اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی نمازِ تراویح کے بارے میں جو روایت پہلے گزری ہے اگرچہ اُس میں تعدادِ رکعات کا کوئی ذکر نہیں، مگر اس میں ہر چار چار رکعت کے بعد آپؐ کے آرام کرنے کا ذکر نہیں ملتا۔ دُوسرے رمضان میں جو تین روز آپؐ نے باجماعت تراویح پڑھائیں اس میں بھی یہ ہیئت ثابت نہیں ہُوئی۔ بلکہ تیسری رات تو پُوری شب تراویح پڑھنے میں ہی گزار دی تھی، یہاں تک کہ سحری کھانے کے فوت ہونے کا بھی خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ جس سے معلوم ہُوا کہ تہجد اور تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں۔

تراویح و تہجد میں فرق بلحاظِ شدّت اجتہاد و محنت

حدیث شریف میں آیا ہے: رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ یَجْتَھِدُ فِیْ رَمَضَانَ

مَالَا یَجْتَہِدُ فِیْ غَیْرِہٖ) کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دورانِ رمضانُ المبارک عبادت میں اس قدر محنت فرماتے تھے کہ غیرِ رمضان میں کبھی اتنی محنت اور کوشش نہیں فرماتے تھے۔

اس سے بھی معلوم ہُوا کہ نماز تراویح اور تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں، اس لیے کہ اگر سب مہینوں کی صلوٰۃُ اللیل تعدادِ رکعات کے لحاظ سے برابر تھی تو شدّتِ اجتہاد اور محنت کی زیادتی کا کوئی معنی نہیں ہوسکتا۔

نیز بخاری شریف میں ہے: اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَہٗ وَاَحْیٰی لَیْلَہٗ وَ اَیْقَظَ اَھْلَہٗ کہ جب رمضانُ المبارک کا آخری دَہا آجاتا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا تہبند مضبوطی کے ساتھ باندھ لیا کرتے تھے اور ساری ساری رات جاگتے رہتے تھے اور اپنے اہلِ بیت یعنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی جگائے رکھتے تھے۔

نیز حدیث شریف میں آیا ہے: اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ لَمْ یَاْتِ فِرَاشَہٗ حَتّٰی یَنْسَلِخَ (سنن الکبریٰ للبیہقی ص) کہ جب رمضان شریف کا مہینہ آجاتا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بسترِ مبارک کے قریب بھی نہ آتے، یہاں تک کہ رمضان شریف کا مہینہ الوداع کہ جاتا۔

مذکورہ بالا احادیثِ مبارکہ سے عبادت میں شدّتِ اجتہاد و محنت اور رات بھر مسلسل جاگتے رہنے کا ذکر کس طرح واضح الفاظ میں مذکور ہے۔ پس عبادت کی شدت و تخفیف کے لحاظ سے رمضان اور غیر رمضان میں مساوات اور برابری ثابت نہیں۔

مذکورہ بالا احادیثِ مُبارکہ سے درجِ ذیل تین امور ثابت ہُوئے:
اوّل یہ کہ ان ایام رمضان میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری ساری رات شب بیداری فرماتے رہے ہیں۔ کیونکہ اَحْیٰی لَیْلَہٗ اسی وقت بولا جاتا ہے جب ساری رات جاگتے رہنے کی بات کی جائے۔

پس معلوم ہُوا کہ حضرت ابوسلمہؒ کے اِستفسار پر اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جو تمام رات جاگتے رہنے کا اِنکار فرمایا ہے تو وہ نمازِ تہجد کی نسبت ہی ہے، اس میں رمضان المبارک میں شب بیداری کی نفی نہیں، اور اس روایت میں خود ام المومنینؓ ہی تمام رات جاگنے کا ذکر فرما رہی ہیں۔

دُوسرے یہ کہ جن راتوں میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ نمازِ تراویح پڑھی ہیں، یعنی پہلی میں ایک تہائی رات تک اور دُوسری میں نصف رات تک اور تیسری رات میں سحری کے آخری وقت تک نمازِ تراویح پڑھنے میں مصروف رہے، تو اُن راتوں میں بھی آپؐ سوئے نہیں کیونکہ وہ راتیں جن میں باجماعت تراویح پڑھی گئیں وہ اسی آخری دَہے میں شامل ہیں، جن کے بارے میں اَحْیٰی لَیْلَہٗ فرمایا گیا ہے۔

تیسرے یہ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کی تمام راتوں میں نمازِ تراویح پڑھی ہے۔ یعنی رات کے پہلے حصّے میں جو نماز پڑھتے تھے وہ تراویح تھی اور جو نماز رات کے آخری حصّے میں پڑھی اس کا نام تہجد ہے۔

تراویح و تہجد میں فرق بلحاظِ فضیلت

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک رات دیکھا کہ لوگوں کی مختلف ٹولیاں بنی ہُوئی ہیں کوئی اکیلے نمازِ تراویح پڑھ رہا ہے اور کسی کے ساتھ چند آدمی کھڑے نمازِ تراویح پڑھ رہے ہیں، تو آپؓ نے ان سب کو سیدنا اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں باجماعت نمازِ تراویح پڑھنے کا حکم دیا، اس کے بعد سب لوگوں کو ایک امام کی اقتداء میں نمازِ تراویح پڑھتے ہُوئے دیکھ کر آپؓ نے خوشی و مسرّت کا اظہار کرتے ہُوئے فرمایا: نِعْمَتِ الْبِدْعَۃُ ھٰذِہٖ کہ نمازِ تراویح کی جماعت کا یہ اِلتزام بہت اچھی چیز ہے، جبکہ اس سے پہلے ایسا اہتمام و التزام نہیں ہوتا تھا، اس کے بعد حضرت امیر المومنینؓ نے فرمایا: وَالَّتِیْ تَنَامُوْنَ عَنْھَا اَفْضَلُ مِنَ الَّتِیْ تَقُوْمُوْنَ یُرِیْدُ اٰخِرَ اللَّیْلِ وَکَانَ النَّاسُ یَقُوْمُوْنَ اَوَّلَہٗ (بخاری ص ۲۶۹)

کہ جس نماز کو چھوڑ کر تم سو جاتے ہو، یعنی نمازِ تہجد جو کہ کچھ دیر سو کر اُٹھنے کے بعد رات کے آخری حصے میں پڑھی جاتی ہے، اس کے بعد وہ بھی ضرور پڑھا کرو کیونکہ اس نماز یعنی تراویح کے بعد وہ نماز یعنی تہجد کا پڑھ لینا بھی زیادہ فضیلت والا کام ہے۔

حضرت امیرالمومنینؓ نے یہ اِس لیے فرمایا کہ اکثر لوگوں کی عادت یہ تھی کہ وہ رمضانُ المبارک میں صرف رات کے پہلے حصے میں نمازِ تراویح تو پڑھ لیتے تھے جو سُنّت مؤکّدہ ہے مگر رات کے آخری حصے میں نمازِ تہجد پڑھنے میں کسی قدر سُستی سے کام لیتے تھے جس کا پڑھنا مستحب ہے۔

اور اس کی مثال حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشادِ گرامی ہے جس میں آپؐ نے فرمایا ہے: مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ کہ جس شخص نے عشاء کی نماز باجماعت پڑھ لی تو گویا اُس نے آدھی رات قیامِ لیل کیا، وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ (مشکوٰۃ ص ۶۲) اور جس شخص نے صبح کی نماز بھی جماعت کے ساتھ پڑھ لی تو گویا اُس نے ساری رات ہی نماز پڑھنے میں گزاری ہے۔

خلاصہ یہ کہ رمضان المبارک کی یہ مخصوص نماز جسے قیامِ رمضان یا تراویح کہا جاتا ہے اس کا وقت نمازِ عشا کے بعد شروع ہوتا اور صبح صادق سے پہلے ختم ہوجاتا ہے۔ اور اوّل وقت میں پڑھنا معمول نبویؐ ہے، جبکہ آخرِ شب تک تراویح پڑھتے رہنے کا ثبوت موجود ہے کہ جن تین راتوں میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باجماعت نمازِ تراویح پڑھائی ہیں ان میں سے آخری رات آخرِ شب تک نمازِ تراویح پڑھاتے رہے تھے۔ حتیٰ کہ لوگوں کو خطرہ پیدا ہوگیا کہ ہم سحری نہ کھا سکیں گے۔

شبہ: اب اگر کوئی کہے کہ اس رات حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد نہیں پڑھے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے۔

جواب: جس رات حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے آخری حصے تک نمازِ تراویح پڑھائی تھی اس رات آپؐ نے نمازِ تہجد نہیں پڑھی، بلکہ تراویح کے ساتھ ہی نمازِ تہجد بھی ادا ہوگئی، کیونکہ عبادات میں تداخل ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً:

اگر چاشت کے وقت سورج گہن ہوجائے اور صلوٰۃ کسوف یعنی سورج گہن کی نماز پڑھی جائے تو صلوٰۃِ کسوف کے ساتھ نیت کر لینے سے چاشت کی نماز بھی ادا ہوجائے گی اور ثواب بھی دونوں نمازوں کا مل جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حالانکہ صلوٰۃِ کسوف اور صلوٰۃِ ضحیٰ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں۔

اسی طرح رات کے آخری حصے میں یعنی تہجد کے وقت اگر چاند گہن ہوجائے اور صلوٰۃ خسوف یعنی چاند گہن کی نماز پڑھی جائے تو نیت کر لینے سے نمازِ تہجد بھی ادا ہوجائے گی، حالانکہ صلوٰۃِ خسوف اور نمازِ تہجد الگ الگ دو مختلف نمازیں ہیں، پھر بھی ثواب دونوں نمازوں کا مل جائے گا۔ اِن شاء اللہ۔

اسی طرح فجر، ظہر وغیرہ نمازوں کی سنتیں پڑھتے وقت تحیۃ الوضو کی نیت کر لے، بلکہ ان کے ساتھ ساتھ تحیۃ المسجد کی نیت بھی کر لے تو ان سب کا ثواب مل جائے گا۔

اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے کئی واجبات بھول گیا تو آخری قعدہ میں ایک ہی سجدہ سہو کر لینے سے نماز ادا ہوجائے گی۔

اسی طرح ایک مجلس میں سجدۂ تلاوت کی ایک ہی آیتِ مبارکہ سو مرتبہ بھی پڑھ لے پھر ایک ہی سجدۂ تلاوت کر لے تو سب ادا ہوجائیں گے۔ یہ تداخل فی السبب (تلاوۃ) ہے۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۱۴۴)

ایسا تداخل "عباداتِ غیر مقصودہ" میں ہوا کرتا ہے۔ لیکن "عباداتِ مقصودہ" میں اس قسم کا تداخل نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ رمضان شریف کے آخری جمعۃ المبارک میں سال بھر کی فوت شدہ نمازوں کے مداوے کی غرض سے قضاءِ عمری کے خیال سے پڑھی جاتی ہے، سو یہ خیال غلط ہے۔ (دیکھیے ہدایہ ج ۱ ص ۲۳۸)

عبادات کی طرح "عقوبات" یعنی سزاؤں میں بھی تداخل ہوتا ہے۔ مثلاً:
ایک شخص کئی بار چوریاں کرنے کے بعد پکڑا جاتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹنے سے سب چوریوں کی سزا ہوگئی۔ (ہدایہ ج ۲ ص ۵۳۳)

اسی طرح کئی بار زنا کرنے کے بعد پکڑے جانے والے غیر محصن (یعنی کنوارے) کو صرف سو کوڑے لگیں گے۔ اور محصن پر رجم ہے۔

اسی طرح اگر کسی نے کئی آدمیوں پر تہمت لگائی یا پوری جماعت پر تہمت لگائی تو سب کا تداخل ہوگا اور صرف اسی کوڑے لگیں گے۔ (ص ۵۱۱/۲)

اسی طرح اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔

اور یہاں بھی گو کہ تراویح اور تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں، جن کے اوقات بھی الگ الگ ہیں، لیکن جو شخص ابتداء رات میں نمازِ تراویح شروع کرے اور تمام رات نمازِ تراویح پڑھنے میں گزار دے، یہاں تک کہ تہجد کے وقت میں بھی تراویح پڑھتا رہے تو اس کے تہجد بھی ادا ہوجائیں گے، جیسا کہ تیسری شب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہوا۔

یہی وجہ ہے کہ مشہور محدث و مفسر حضرت علامہ ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ایک سائل کے جواب میں تحریر فرمایا کہ: اگر تراویح پہلے وقت میں پڑھے تو صرف تراویح ہے، پچھلے پہر پڑھے تو تہجد کے قائم مقام ہوجاتی ہے۔ (دیکھیے فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۶۵۴)

نیز آپ سے پوچھا گیا کہ جو شخص رمضان المبارک میں عشا کے وقت نمازِ تراویح پڑھ لے وہ پھر آخر رات میں تہجد پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ پڑھ سکتا ہے، تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے، اوّل شب تہجد نہیں ہوتی۔ (ص ۶۸۲/۱)

نیز جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا نمازِ تراویح اور تہجد ایک نماز ہے یا علیحدہ علیحدہ؟ تو آپ نے جواب دیا کہ: نمازِ تہجد تو سارے سال میں ہوتی ہے اور تراویح خاص رمضان میں ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۶۵۶)

نمازِ تراویح کی تعدادِ رکعات

اس سلسلے میں سب سے پہلے تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ سُنّت وہ ہوتی ہے جو فرض اور واجب نہ ہو اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول رہا ہو، خصوصاً خلفاء راشدین کے طریقے پر عمل کرنے کو تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اس رسالہ کی اِبتدا میں تحریر کیا جا چکا ہے۔ اور تارکِ سُنّت دُنیا میں تو ملامت کا مستحق ہے، جبکہ سُنّت پر عمل نہ کرنے والا آخرت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بھی محروم و نامراد رہے گا، البتہ کسی شرعی عذر کے سبب کسی سُنّت پر عمل ممکن نہ ہو تو چنداں مضائقہ بھی نہیں۔ (دیکھیے مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۹)

نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں اپنی اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِطاعت کا حکم دیا ہے وہاں امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق اور امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہما جیسے عالمِ باعمل حُکّام و اُمراء کی اِطاعت کا حکم بھی دیا ہے (۴:۵۹)

حضرت علامہ محمد عبد العلی بحر العلوم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے رسائل الارکان ص ۱۳۹ میں تحریر فرمایا ہے: فَسُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ كَسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي اللُّزُوْمِ وَالْاِسَاءَةِ فِي التَّرْكِ. کہ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سُنّت بالکل حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتِ مُبارکہ ہی کی طرح ہے، جیسا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہمارے ذمّے لازم ہے اور جیسے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتِ مبارکہ کو چھوڑنے سے گناہ ملتا ہے اسی طرح خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سُنّت کو چھوڑنے سے بھی گناہ ہوتا ہے۔

نیز ہم یہاں ابتدا میں یہ بتا دینا بھی مفید و افید بلکہ ضروری سمجھتے ہیں کہ کسی مسئلہ کے اِثبات کے لیے دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور دلائل شرع کے چار ہیں۔ نیز مسائلِ شرعیہ میں ان چار کے علاوہ کوئی دلیل معتبر نہیں۔ اور وہ یہ ہیں:

① کتابُ اللہ یعنی قرآن مجید ۔ اور جب کوئی مسئلہ اس میں نہ ملے تو پھر:

② سُنّت رسول اللہ ﷺ یعنی قولی، فعلی یا تقریری سُنّت، جو صحیح حدیث سے ثابت ہو، بشرطیکہ قرآن مجید کے مخالف نہ ہو ۔ اور جب اس سے بھی نہ ملے تو:

③ اجماعِ اُمّت یعنی جس رائے پر قولاً، فعلاً یا تقریراً صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اِتفاق صحیح سند سے ثابت ہو جائے اور وہ اوّل الذکر دونوں دلائل کے مخالف و متضاد نہ ہو ۔ اور اگر ان کے یہاں بھی اس بارے میں خاموشی ہو تو:

④ مُجتہد کا وہ قیاس جو کتاب و سُنّت اور اجماعِ اُمّت سے مُستنبط ہو ۔ اور اگر یہاں بھی وہ مسئلہ موجود نہ ہو تو پھر اور کوئی دلیل تلاش نہ کی جائے گی ۔

کیونکہ ان چار دلائل شرع کے علاوہ اور کوئی دلیل شرعی نہیں ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی عالم کے سامنے کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا ہے تو وہ سب سے پہلے اسے قرآن مجید میں تلاش کرتا ہے ۔ اور اگر تلاش کے باوجود اس مسئلہ کا جواب اسے قرآن مجید میں نہ ملے تو پھر چونکہ قرآن مجید کے بعد دُوسرا درجہ سنتِ رسول اللہ کا ہے، اس لیے وہ اس مسئلہ کا جواب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی، فعلی یا تقریری سُنّت میں تلاش کرتا ہے ۔ اب اگر اُسے وہاں اپنا مقصود حاصل ہو گیا تو فبہا، ورنہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و اعمال اور ان کے اجماع کو دیکھیں گے اور اگر یہاں بھی مسئلہ نہ ملے تو پھر سب سے آخر میں مجتہد کے قیاس سے اِس مسئلہ کا حل تلاش کیا جائے گا، بشرطیکہ وہ اُصولِ ثلٰثہ یعنی کتاب و سُنّت اور اجماع سے مُستنبط ہو ۔ اور اگر تلاش بسیار کے باوجود مذکورہ بالا دلائل اربعہ میں اس مسئلہ کا کوئی وجود نہ ہو تو پھر اس کی تلاش میں مزید سرگردانی کی ضرورت نہیں، بس یوں سمجھو کہ یہ بات ہمارے دین میں نہیں ہے ۔

قرآن مجید میں مسئلہ تعدادِ رکعاتِ تراویح کی تلاش:

اصولِ بالا کی روشنی میں تعدادِ تراویح کا مسئلہ ہم نے سب سے پہلے قرآن مجید میں تلاش کیا، مگر بڑے تفحص کے باوجود ہمیں یہ مسئلہ قرآن مجید میں کہیں نہیں ملا ۔

احادیث میں مسئلہ تعدادِ رکعاتِ تراویح کی تلاش:

اور جب یہ مسئلہ ہمیں قرآن مجید کی ورق گردانی کرنے سے اُس میں نہیں ملا تو اس مسئلہ کا صحیح تلاش کرنے کے لیے ضابطہ کے مُطابق حدیث شریف کی طرف رجوع کیا گیا تاکہ ہمیں قولی، فعلی یا تقریری سُنّت نبویؐ سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کی کتنی رکعتیں پڑھتے تھے۔ تو اس سلسلے میں رأسُ المفسرین سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ ایک حدیث اکثر کتبِ حدیث میں موجود پائی گئی، جس میں ہے کہ:

حضرت نبی کریم ﷺ رمضانُ المبارک میں ۲۰ بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھا کرتے تھے

چنانچہ مُصنّف ابن ابی شیبہ (لأبی بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہؒ) ج ۲ ص ۳۹۴ و التمھید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید (لأبی عُمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر نمری اندلسیؒ) ج ۸ ص ۱۱۵ میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اِنَّ رَسُوْلَ اللہِ ﷺ کَانَ یُصَلِّیْ فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَّالْوِتْرَ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ رمضان المبارک میں عشا کی نماز پڑھنے کے بعد بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھا کرتے تھے اور اس کے بعد تین وتر بھی پڑھتے تھے۔

حضرت امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶ میں تحریر فرمایا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یُصَلِّیْ فِیْ رَمَضَانَ فِیْ غَیْرِ جَمَاعَۃٍ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَّالْوِتْرِ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ رمضان المبارک کی راتوں میں بغیر جماعت اکیلے ہی بیس رکعت نمازِ تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں، اور ان کا حضرت رسول اللہ علیہ وسلم کے آستانۂ عالیہ و دربارِ دُربار کے اندر آنا جانا تھا، بلکہ دربارِ عالیہ کے اندر نفلی نمازوں میں انھیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ کھڑے ہوکر باجماعت نماز پڑھنے کا موقع بھی حاصل ہُوا۔ اِسی لیے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد، نماز وتر اور نمازِ تراویح وغیرہ کے متعلق جو معلومات انھیں حاصل ہو سکتی تھیں وہ اہلِ بیت یعنی امہاتُ المؤمنین رضی اللہ عنہن کے علاوہ اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔ اِس لیے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اِس فرمان سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ نمازِ تراویح کی رکعتیں بیس ہی ہیں۔

البتہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ اور کسی صحابی نے یہ بات نہیں بتائی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کی راتوں میں رمضان المبارک میں پڑھی جانے والی مخصوص نماز قیام رمضان یا نمازِ تراویح کی کُل کتنی رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ اور نہ ہی کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ رمضان المبارک میں اتنی رکعتیں پڑھا کرو۔

علاوہ ازیں بلحاظِ سند جو صحیح مرفوع حدیثیں نمازِ تراویح کے بارے میں آئی ہیں اُن میں صرف اس قدر مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے رمضان شریف کے آخری عشرے میں صرف دو یا تین رات باجماعت نمازِ تراویح پڑھائی۔ اور جن روایتوں میں تین رات (۲۳، ۲۵ و ۲۷) نمازِ تراویح باجماعت پڑھانے کا ذکر آتا ہے ان میں اس بات کی تو وضاحت موجود ہے کہ پہلے روز تہائی رات، دُوسرے روز آدھی رات تک، اور تیسرے روز اتنی دیر تک نمازِ تراویح پڑھائی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کا خدشہ محسوس ہونے لگا کہ شاید آج ہم سحری کا کھانا بھی نہ کھا سکیں گے۔ (دیکھیے مشکوٰۃ ص ۱۱۴)

حضرت امام ابو الحسن علی بن عبد الکافی بن علی خزرجی شافعی تقی الدین سُبکی رحمہ اللہ تعالٰی نے شرح منہاج الطالبین میں تحریر فرمایا: اِعْلَمْ اَنَّهٗ لَمْ يُنْقَلْ كَمْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ تِلْكَ اللَّيَالِيْ هَلْ هُوَ عِشْرُوْنَ اَوْ اَقَلُّ. کہ یہ منقول نہیں ہے کہ رمضان المبارک کی ان تین راتوں میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کُل کتنی رکعتیں پڑھی ہیں، آیا بیس رکعتیں پڑھی ہیں یا اس سے کچھ کم۔

لیکن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا روایت میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آستانۂ عالیہ میں تنہا تراویح کی بیس رکعتیں ہی پڑھا کرتے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کی سند اس طرح ہے:
حدثنا یزید بن ھارون قال حدثنا ابراھیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۴ والتمہید ج ۸ ص ۱۱۵)

اس سند میں حضرت ابوشیبہ ابراہیم بن عثمانؒ کا نام بھی آتا ہے، جن کے بارے میں حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہیں۔ (السنن الکبریٰ ص ۴۹۶/۲)

حضرت محدث بدرالدین محمود بن احمد عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۷، ص ۱۲۸ میں تحریر فرمایا ہے: کذبہ شعبہ۔ وضعفہ احمد وابن معین والبخاری والنسائی وغیرھم۔ واوردلہ ابن عدی ھٰذا الحدیث فی الکامل فی مناکیرہ۔ کہ شعبہؒ نے اسے جھوٹا کہا ہے۔ اور احمدؒ و ابن معینؒ اور بخاریؒ و نسائیؒ وغیرہم نے اسے ضعیف کہا ہے۔ اور ابن عدیؒ تو اُسے منکرالحدیث قرار دیتے ہیں۔

ابوشیبہ ابراھیم بن عثمان عبسیؒ

اب دیکھیے کہ شعبہؒ نے ابوشیبہ ابراہیم بن عثمانؒ کو کذاب یا جھوٹا کیوں کہا؟ تو اس سوال کا جواب حضرت علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۳ میں یہ دیا ہے: کذبہ شعبۃ لکونہ روٰی عن الحکم عن ابی لیلیٰ انہ قال شھد صفین من اھل بدر سبعون فقال شعبہ کذب واللہ لقد ذاکرتُ الحکم فما وجدنا شھد صفین احدًا من اھل بدر غیر خزیمۃ۔ کہ حضرت شعبہؒ نے ابوشیبہ ابراہیم بن عثمانؒ کو جھوٹا اس لیے کہا ہے کہ انھوں نے حکم سے ابنِ ابی لیلیٰ کی روایت نقل کی ہے کہ صفین میں ستّر بدری صحابہؓ حاضر ہوئے۔ تو اس پر حضرت شعبہ نے کہا کہ وہ جھوٹا ہے۔ پھر میں نے حضرت حکم سے اس بات کا ذکر کیا

تو ہم نے سیدنا خزیمہ رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی بدری صحابی ایسا نہیں پایا جو صفین کی لڑائی میں شریک ہوا ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شعبہؒ کو اس سلسلہ میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ پھر حضرت علامہ شمس الدین ذہبیؒ نے فرمایا: سُبحان اللہ! تو کیا حضرت علی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما بھی جنگ صفین میں شریک نہیں ہوئے تھے؟

اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابنِ عدیؒ کے خیال میں حضرت ابراہیم بن عثمانؒ کس قسم کے ضعیف ہیں۔ کیا وہ اس قسم کے ضعیف ہیں کہ سرے سے ان کی روایت ساقط الاحتجاج اور غیر معتبر ہے یا ان کی کوئی روایت قابل احتجاج اور معتبر بھی ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ صفی الدین احمد بن عبد اللہ خزرجی کی کتاب خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۱۵ کے حاشیہ کے علاوہ بقیۃُ التعقیب فی حواشی التقریب ص ۹ میں اس کا جواب یہ ہلا: قال ابن عدی ضعیف ولہ احادیث صالحۃ وھو وان نسبوہ الٰی ضعف خیر من ابراھیم بن ابی حیبہ کہ در اصل حضرت ابن عدیؒ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم بن عثمان ابی شیبہؒ ضعیف تو ہیں مگر ان کی بیان کردہ حدیثیں اچھی بھی ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ اگرچہ حضرت ابراہیم بن عثمان کو ضعیف کہا گیا ہے تاہم ابراہیم بن ابی حبیبہؒ سے ان کی حالت بہتر ہے۔

حضرت ابراہیم بن عثمان کے بارے میں ناقدینِ کرام کی مذکورہ بالا رائے اور تبصرہ کے بعد ان کے علمی مقام کا صحیح اندازہ معلوم کرنے کے لیے حضرت ابراہیم بن ابی حبیبہؒ کے بارے میں علماء کی رائے معلوم کرنا بھی ضروری ہے جن کا علمی مقام اور حالتِ صحت ابراہیم بن عثمان سے کم بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ:

حضرت علامہ سیّد امیر علی ملیح آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بقیۃ التعقیب حاشیہ تقریبُ التہذیب ص ۷ میں تحریر فرمایا: ابراھیم بن اسمٰعیل بن ابی حبیبہ وثقہ احمد وقال یحییٰ صالح. وقال مرۃ لیس بشیءٍ. والبخاری عندہ مناکیر. وقال النسائی والدارقطنی متروک. کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے ابراہیم بن اسمٰعیل بن ابی حبیبہ کو ثقہ اور پختہ راوی کہا ہے اور حضرت

امام یحییٰ نے فرمایا کہ ابراہیم بن ابی حبیبہؒ صالح ہیں۔ لیکن ایک بار کہا کہ یہ کوئی چیز نہیں۔ حضرت امام بخاریؒ نے کہا کہ اس کے پاس منکر حدیثیں ہیں۔ اور نسائی و دارقطنی کے خیال میں یہ متروک ہیں۔ یحییٰ بن معین نے شیخ ثقۃ کبیر کا لقب دیا۔ (لسان المیزان ص ۵۳ ج ۱)

اسی طرح خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۲۰ میں ہے کہ امام نسائیؒ نے کہا کہ ابراہیم بن ابی حبیبہ ضعیف ہے اور دارقطنیؒ نے اسے متروک قرار دیا ہے۔

پس ان حالات کو دیکھ کر معلوم ہوا کہ جب ابراہیم بن ابی حبیبہؒ کا یہ حال ہے کہ امام احمدؒ و ابن معینؒ جیسی ہستیوں نے اس کی توثیق کی ہے اور ابن عدیؒ کے فرمان کے بموجب ابراہیم بن عثمانؒ کی حالت (ابراہیم بن ابی حبیبہ سے) بہتر ہے تو اس سے صاف نتیجہ نکلا کہ (سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بیس رکعت تراویح والی روایت کے راوی) حضرت ابراہیم بن عثمان بن ابی شیبہؒ میں اس قدر ضعف نہیں کہ اس کی حدیث کو مطلقاً متروک کر دیا جائے۔ (دیکھیے سرورِ عزیزی ترجمہ فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۲۹۹)

ضُعفِ اسناد ضُعفِ متن کی دلیل نہیں

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہر وہ حدیث جس کی سند میں کوئی ایک آدھ راوی ضعیف ہو تو صرف اس بُنیاد پر اُس حدیث کو متن کے لحاظ سے بھی ضعیف اور ناقابلِ اعتبار نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ بارہا ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک حدیث گو سند کے لحاظ سے تو ضعیف ہوتی ہے مگر بلحاظ متن کے وہ صحیح ہوتی ہے۔

حضرت علامہ زکریا بن محمد انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فتح الباقی حاشیہ الفیۃ العراقی ص ۱۵ میں تحریر فرمایا ہے: وقد یحسن المتن دون الاسناد کروایۃ الترمذی عن عمران بن حصین مرفوعاً من قرأ القرآن فلیسأل اللہ بہ وقال بعدہ ھذا حدیث حسن بغیر اسنادہ۔ کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بلحاظِ متن حدیث حسن ہوتی ہے مگر باعتبارِ اسناد یہ حدیث حسن نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ترمذی کی روایت جو کہ حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے من قرأ القرآن فلیسأل اللہ بہ

کہ "جو شخص قرآن مجید کی قراءت کرتا ہے تو اسے صرف اللہ تعالیٰ ہی سے اس کا اجر مانگنا چاہیے۔" اس کے بعد امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے مگر اس کی اسناد حسن نہیں۔ اور اسناد کے ضعیف ہونے سے متن کا ضعیف ہونا قطعی امر نہیں۔

قانون: سلمنا صحۃ اسنادہ لکن قد تقرر ان صحۃ الاسناد لا تستلزم صحۃ المتن. (ابکار المنن ص ۲۰) ہم نے یہ تو تسلیم کیا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ لیکن یہ قانون اپنی جگہ طے شدہ ہے کہ "صحتِ سند کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس کا متن بھی صحیح ہو۔"

اسی طرح کون رجال الحدیث ثقات لا یستلزم صحتہ (ابکار المنن ص ۴۹) یعنی "رجالِ حدیث کے ثقہ ہونے کا ہرگز یہ مطلب ہرگز نہیں اس کا متن بھی لازماً صحیح ہی ہو۔"

حضرت علامہ ابن حزمؒ نے ایک حدیث کو صحیح کہا تو اس پر صاحبِ ابکار نے فرمایا: واما تصحیح ابن حزم فالظاھر انہ من جھۃ السند ومن المعلوم ان صحۃ السند لا تستلزم صحۃ المتن (ابکار المنن ص ۲۰۲) کہ حضرت علامہ ابنِ حزم رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو اس حدیث کو صحیح کہا ہے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے صرف سند کے لحاظ سے اسے صحیح کہا ہے۔ اور یہ قاعدہ تو سب جانتے ہیں کہ "صحتِ سند سے صحتِ متن لازم نہیں آتا۔"

بعض ضعیف روایات جو معمولِ اُمّت ھیں

اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ کسی راوی کے معمولی ضعف کی وجہ سے اس روایت کا متن بھی واجبُ الرّد ہو جائے، اور اس پر عمل کرنا حرام ہو جائے۔ اور ایسی بہت سی احادیث ہیں جن کا راوی تو ضعیف ہوتا ہے لیکن اہلِ علم اس پر عمل کرتے ہیں۔ چنانچہ جامع ترمذی میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں مثلاً جامع ترمذی ص ۳۴۳ میں حضرت عون بن عبد اللہ بن عتبہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک روایت ہے، جو انھوں نے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے

بیان فرمائی ہے۔ اور اس میں رکوع و سجود کی تسبیحات کا ذکر ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عون بن عبداللہ بن عتبہؒ کی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہی ثابت نہیں۔ کیونکہ سیدنا ابن مسعودؓ ۳۲ھ میں وفات پا گئے تھے جبکہ عون بن عبداللہؒ ان کی وفات کے بعد پیدا ہوئے۔ اس طرح یہ حدیث متصل نہ ہوئی۔ (قال ابو عیسیٰ حدیث ابن مسعود لیس اسنادہ بمتصل عون بن عبداللہ بن عتبۃ لم یلق ابن مسعود)۔ تو جب سند ہی متصل نہ ہوئی تو یہ حدیث نہ صحیح ہوئی نہ حسن، بلکہ ضعیف ہوئی۔ اور اس حدیث کے ضعیف ہونے کے باوجود اہلِ علم کہتے ہیں کہ رکوع و سجود میں تین تسبیحوں سے کم ہونا پسندیدہ نہیں۔ والعمل علیٰ ھٰذا عند اھل العلم یستحبون ان لا ینقص الرجل فی الرکوع والسجود من ثلٰث تسبیحات۔

اسی طرح پہلے قعدہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے پر اکتفاء کرنے اور اس سے زیادہ نہ بیٹھنے کے متعلق روایت کا معاملہ ہے، جس کے بارے میں حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے: والعمل علیٰ ھٰذا عند اھل العلم یختارون ان لا یطیل الرجل القعود فی الرکعتین الاُولیین ولا یزید علی التشہد شیئًا فی الرکعتین الاُولیین۔ وقالوا ان زاد علی التشہد فعلیہ سجدتا السہو۔ ھٰکذا روی عن الشعبی وغیرہ۔ (جامع الترمذی ص ۵۸) یعنی اہلِ علم کا اس پر عمل ہے کہ پہلے قعدہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے پر ہی اکتفا کرے اور اس سے زیادہ نہ بیٹھے اور نہ ہی تشہد سے زیادہ کچھ اور پڑھے۔ اور علماء کرامؒ کا فرمان ہے کہ اگر کوئی شخص تشہد کی مقدار سے زیادہ بیٹھے گا یا کچھ پڑھے گا تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

نیز حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابو عبیدہؒ نے اپنے والد سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نہیں سُنی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت صحیح نہیں، بلکہ منقطع ہے۔ لیکن اس پر تمام علماء کرام کا اتفاق اور عمل ہے۔

اسی طرح شہد کی زکوٰۃ کے متعلق ایک ضعیف روایت ہے اور حضرت امام ترمذیؒ نے اپنی جامع ص ۹۲ میں تحریر فرمایا ہے: لا یصح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ھٰذا الباب کبیر شئ۔ یعنی شہد کی زکوٰۃ کے متعلق صراحت کے ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث منقول نہیں، مگر اس کے باوجود حضرت امام ترمذیؒ نے فرمایا: والعمل علی ھٰذا عند اکثر اھل العلم وبہ یقول احمد واسحٰق. یعنی اکثر اہلِ علم کا اس پر عمل ہے کہ شہد میں زکوٰۃ ہے اور امام احمد و امام اِسحٰق بھی یہی کہتے ہیں۔

اسی طرح موزوں کے نیچے اور اوپر والے حصّوں پر مسح کرنے سے متعلق حدیث بھی معلول ہے۔ اور حضرت امام بخاریؒ و ابوزرعہؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے مگر اس کے باوجود حضرت امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام اِسحٰقؒ اس کے قائل ہیں۔ (جامع ترمذی ص ۱۹)

بہرحال حدیث کے ضعف کی وجہ سے اس پر عمل نہ کرنے کا بہانہ نہیں بنانا چاہیے۔ البتہ ضعف کی بعض اقسام ایسی ہیں جو عمل سے مانع ہُوا کرتی ہیں۔ مثلاً اس کا راوی کذّاب یا متروک ہو، تو اس کی روایت پر عمل کرنا منع ہے۔ اور جس حدیث کے بارے میں ہماری بحث ہورہی ہے وہ حدیث سند کے لحاظ سے بے شک ضعیف تو ہے مگر اس کا ضعف اس حد تک نہیں پہنچا کہ وہ عمل سے مانع ہو۔ البتہ عقیدہ کے معاملے میں یہ قانون نہیں ہے۔ عقیدہ کے لیے خبرِ واحد اگرچہ صحت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو پھر بھی وہ کافی نہیں ہُوا کرتی۔ کیونکہ عقیدہ کے لیے خبرِ متواتر یا کم از کم صحیح مشہور ہونا نہایت ضروری ہے۔

قانون: صحت یا ضعف کا حکم بلحاظ ظاہر سند کے ہوتا ہے

حضرت امام زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقیؒ نے الفیۃ العراقی میں تحریر فرمایا:

وبالصحیح والضعیف قصدوا فی ظاھر لا القطع والمعتمد

امساکنا عن حکمنا علی سند بانہ اصح مطلقا. وقد

یعنی محدثین کرام جہاں کہیں کسی حدیث پر صحت یا ضعف کا حکم لگاتے ہیں تو ان کا مقصد ظاہر سند کو دیکھ کر حکم لگانا ہوتا ہے۔ ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ نفس الامر میں بھی واقعی یہ حدیث بلاشبہ صحیح یا ضعیف ہے۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی حدیث تو فی الواقع صحیح ہوتی ہے مگر اس کی سند میں کوئی ایسا راوی ہوتا ہے کہ جو ثقہ اور عادل و ضابط ہونے کے باوجود کبھی کبھی تھوڑی بہت بھول اور نسیان کا شکار ہو جاتا ہے یا خطاء اور غلطی کر بیٹھتا ہے، اس لیے اس پر ضعف کا حکم لگایا جاتا ہے۔ اور اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث اس سند کے لحاظ سے تو ضعیف ہے لیکن یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ حدیث کسی دوسری سند سے بھی صحیح نہیں ہے۔ بلکہ کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ حدیث کسی ایسی سند سے مروی ہوتی ہے جس کا راوی کذاب ہوتا ہے، اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث اس سند کے لحاظ سے موضوع ہے۔ جبکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا رہتا ہے کہ نفس الامر میں تو حدیث موضوع ہوتی ہے مگر کسی کذاب نے اس کی سند میں ایسے راویوں کا نام بیان کر دیا جو ثقہ، حجۃ اور ثبت و عادل ہیں، تاکہ لوگ اس صحیح سند کو دیکھ کر اس روایت کو صحیح سمجھیں اور کتب رجال میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ مشتے نمونہ چند مثالیں دیکھیے:

صحیح سند والی موضوع روایات

اہل شام میں سے ایک وضاع و کذاب شخص کا کام تھا کہ وہ ثقہ راویوں کا نام لے کر موضوع روایات گھڑ کر بیان کیا کرتا تھا اور سند اس طرح بیان کرتا تھا:

عیسی بن یونس عن الاعمش عن مجاھد عن ابن عباس .... اور اس وضاع کا نام تھا عثمان بن عبداللہ الاموی الشامی۔ اور اس کذاب نے ان بزرگ ہستیوں کے نام سے یہ جھوٹ گھڑا اور لوگوں میں مشہور کر دیا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا مَدِیْنَۃُ الْحِکْمَۃِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا۔ کہ میں علم و حکمت کا شہر ہوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس شہر کا دروازہ ہیں۔

حضرت امام شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لسان المیزان ج ۲ ص ۱۴۳ و ۱۴۴ میں اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ جبکہ سند کے لحاظ سے بظاہر یہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح کوفہ کے ایک کذاب نے بھی حضرت ابومعاویہ، حضرت اعمش، حضرت مجاہد اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک روایت گھڑ کر کہا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا کہ میں علم کا شہر ہوں اور حضرت علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔ اور اس روایت کو وضع کرنے والے کا نام ہے احمد بن سلمہ کوفی۔ (دیکھیے لسان المیزان ج ۱ ص ۱۸۰)

اسی طرح عن ابی عبید عن ابی معاویہ عن الاعمش عن مجاھد عن ابن عباس کی صحیح و ثقہ سند سے وہی علی بابہا والی روایت اسمٰعیل بن محمد بن یوسف ابو ہارون جبرینی فلسطینی نے گھڑ کر لوگوں میں مشہور کر دی (〃 ج ۱ ص ۴۳۲)

اسی طرح احمد بن عبداللہ بن یزید ہیثمی نے عن عبدالرزاق عن سفیان عن ابن ختیم عن عبدالرحمٰن بن بہمان عن جابرؓ کے ناموں سے روایت گھڑ کر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے یہ بات لگا دی کہ انھوں نے ارشاد فرمایا کہ میں علم کا شہر ہوں.... (〃 ج ۱ ص ۱۹۷)

اسی طرح اسفندیار بن موفق بن محمد بن یحییٰ ابوالفضل صائن الدین الواعظ علیہ ما یستحقہ نے ایک روایت وضع کی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ (دیکھیے لسان المیزان ج ۱ ص ۳۸۳)

اسی طرح ایک وضاع عبداللہ بن محمد بن یحییٰ بن عروۃ بن زبیرؓ بن عوام نے عن ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہؓ کی سند بیان کر کے کہا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مَنْ لَمْ یَجِدْ صَدَقَةً فَلْیَلْعَنِ الْیَهُوْدَ کہ جس شخص کے پاس غریبوں کو صدقہ دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو وہ صرف یہودیوں پر لعنت کر دیا کرے۔ حالانکہ یہ روایت بھی اس کی من گھڑت ہے۔ (دیکھیے لسان المیزان ج ۳ ص ۳۳۱ و ۳۳۲)

حضرت امام زین الدین عراقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا کہ یہ بھی ایک قانون اور معتمد علیہ بات ہے کہ جب ہم کسی سند میں کوئی ثقہ راوی دیکھیں تو بلا تحقیق فوراً ہی اس کے اصح ہونے کا حکم نہ لگائیں۔ اور اِسی طرح جب کسی سند میں کوئی ضعیف راوی دیکھیں تو بھی بلا تحقیق فوراً ہی اس پر ناقابلِ عمل ہونے کا فتویٰ صادر نہ کیا جائے، جب تک اس متن کی دُوسری اسانید نہ دیکھ لیں۔ کیونکہ عین ممکن ہے کہ یہ متن کسی صحیح سند سے بھی مل جائے یا اس کی تائید میں کسی صحابی کا فتویٰ یا عمل مل جائے۔ یا صحابۂ کرامؓ کا تعامل اسی حدیث پر ہو، جو سند کے لحاظ سے ہمیں ضعیف معلوم ہوتی ہے۔

پس اس قاعدہ کی رو سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بیس رکعت تراویح والی حدیث کی سند میں حضرت ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان رحمۃ اللہ تعالیٰ کا نام دیکھ کر بلا تحقیق فوراً ہی اس کے متن پر بھی ناقابلِ اعتبار ہونے کا فتوےٰ نہیں لگانا چاہیے۔ بلکہ تعاملِ صحابہؓ کو بھی مدِ نظر رکھنا چاہیے۔

تعامل صحابہؓ سے بیس تراویح کا ثبوت:

① امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ماہِ رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی تھیں جس میں مئین سورتیں یعنی سُورۂ بقرہ سے سُورۂ یونس تک پڑھی جاتی تھیں۔ (دیکھیے السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ بروایت سائب بن یزید و معرفۃ السنن والآثار ج ۲ ص ۴۲)

② سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں ماہ رمضان المبارک میں بیس رکعتیں قراءۃ کے ساتھ اور تین وتر پڑھے جاتے تھے۔ (مختصر قیام اللیل ص ۱۵۷ بروایت محمد بن کعب قرظی)

③ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ماہِ رمضان المبارک میں ۲۳ رکعتیں یعنی ۲۰ تراویح اور ۳ وتر باجماعت پڑھے جاتے تھے (موطا امام مالک ص ۴۰ السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ بروایت یزید بن رومان)

④ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس بات پر جمع فرمایا کہ سید القراء سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھا کریں (دیکھیے ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۲ و سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۴۰۰)

⑤ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی (سیدنا اُبی بن کعبؓ) کو حکم دیا کہ مقتدیوں کو بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھایا کرو (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

⑥ سید القراء سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ لوگوں کو ماہِ رمضان المبارک میں (نمازِ عشاء کے بعد) مدینہ منورہ میں بیس رکعت نمازِ تراویح اور تین رکعت نمازِ وتر پڑھایا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

⑦ سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ کو بھی امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت نمازِ تراویح اور تین وتر پڑھانے کا حکم دیا۔ (السنن الکبری ج ۲ ص ۴۹۶)

⑧ امیر المومنین سیدنا امام عثمان رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں بھی نمازِ تراویح بیس رکعت ہی پڑھی جاتی تھی۔ اور شدّتِ قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر ٹیک لگایا کرتے تھے (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶ بروایت سائب بن یزید)

⑨ امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ نے رمضان المبارک میں قراء حضرات کو بلاکر ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ ایک حافظ بیس رکعت تراویح پڑھائے اور وتر آپؓ خود پڑھاتے تھے۔ (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶ بروایت ابوعبدالرحمٰن سلمی و مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳ بروایت ابوالحسناء)

⑩ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیس رکعت نمازِ تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔ (مختصر قیام اللیل للمروزی ص ۱۵۷ بروایت زید بن وہب و اعمش)

⑪ امیر المومنین سیدنا علی اور امیر المومنین سیدنا عمر اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات کے مطابق اکثر اہلِ علم بیس رکعت تراویح کے قائل ہیں (ترمذی ۱ ص ۱۱۲)

بہرحال حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق صحابۂ کرامؓ رمضان المبارک میں تہجد کے علاوہ عشاء کی نماز کے بعد بیس رکعت تراویح

اور تین رکعت نمازِ وتر پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگرد تابعین اور ان کے شاگرد تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا معمول بھی یہی تھا۔

تابعینؒ کا معمول:

① حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ لوگ (یعنی تابعین وغیرہ) رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ (کتاب الآثار ص ۴)

② حضرت عطاء بن رباح رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے لوگوں کو وتروں سمیت کُل ۲۳ رکعتیں پڑھتے ہوئے ہی دیکھا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ ص۳۹۳)

③ حضرت عبداللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ تعالیٰ رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص۳۹۳)

④ حضرت شُتیر بن شَکل رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی رمضان المبارک میں بیس رکعت نمازِ تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ ص ۳۹۳)

⑤ حضرت حارث اعور رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی ماہِ رمضان المبارک میں رات کو بیس رکعت نمازِ تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے، جبکہ وتروں میں رکوع سے پہلے دُعائے قنوت پڑھتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

⑥ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ پانچ ترویحے یعنی بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔ (مختصر قیام اللیل للمروزی ص ۵۸) اسی طرح:

⑦ حضرت سعد بن ابی الحسنؒ بھی پانچ ترویحے ہی پڑھا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں:

⑧ حضرت عمران العبدیؒ کا بھی رمضان المبارک میں یہی معمول تھا۔ نیز

⑨ حضرت سعید بن فیروز (البو البختریؒ) بھی بیس رکعت نمازِ تراویح اور تین رکعت نمازِ وتر پڑھا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

⑩ حضرت سوید بن غفلہؒ بھی پانچ ترویحے پڑھتے تھے (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶)

⑪ حضرت علی بن ربیعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی رمضان المبارک میں پانچ ترویحات اور تین وتر پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

شافعی مسلک میں رکعاتِ تراویح کی تعداد:

حضرت امام محمد بن ادریس قرشی مکی المعروف بہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی املائی کتاب "کتاب الام" ج ۱ ص ۱۴۲ میں ارشاد فرمایا: واحب الی عشرون کہ خود مجھے تراویح کی بیس رکعتیں ہی زیادہ پسند ہیں۔ پھر اس کی وجہ بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: لانہ روی عن عمر رضی اللہ عنہ کیونکہ امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ پھر فرمایا: وکذلک یقومون بمکۃ ویوترون بثلث کہ اسی طرح مکہ مکرمہ کے لوگ بھی بیس رکعت نمازِ تراویح اور تین رکعت نمازِ وتر پڑھتے ہیں۔

حضرت امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے الجامع الترمذی ص ۱۱۲ میں پہلے تو سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی، جس میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باجماعت تراویح پڑھانے کا ذکر ہے لیکن اس میں تعدادِ رکعات کا ذکر نہیں۔ اس لیے حضرت امام ترمذی رح نے ارشاد فرمایا: واختلف اھل العلم فی قیام رمضان. کہ قیام رمضان یعنی نمازِ تراویح کی تعدادِ رکعات کے بارے میں اہلِ علم کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ پھر فرمایا: فرای بعضھم ان یصلی احدیٰ واربعین رکعۃ مع الوتر. کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ وتروں سمیت کُل اکتالیس رکعتیں پڑھی جائیں۔ پھر فرمایا: وھو قول اھل المدینۃ والعمل علیٰ ھٰذا عندھم بالمدینۃ. کہ یہ قول اہلِ مدینہ کا ہے۔ اور مدینہ منورہ میں ان علماء کا عمل بھی اسی پر ہے۔

اس تمہید کے بعد حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا:

واکثر اھل العلم علیٰ ماروی عن علی وعمر وغیرھما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ کہ اہلِ علم حضرات کی اکثریت تو اُن روایات پر عمل کرتے ہوئے بیس رکعت تراویح پڑھتی ہے جو حضرت علی حضرت عمر اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے مذکورہ بالا قول کی تائید میں مزید فرمایا: وھو قول سفیان الثوری و ابن المبارک والشافعی۔ کہ حضرت سفیان ثوری، حضرت ابن المبارک اور حضرت امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے کہ نمازِ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں۔ اس کے بعد حضرت امام ترمذیؒ نے تحریر فرمایا: وقال الشافعی وھکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ. کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں یہی معمول دیکھا ہے کہ وہاں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی ہیں۔

حضرت امام ابو اسحٰق ابراہیم بن علی فیروز آبادی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے المذہب فی فقہ الامام الشافعی ج ا ص ۸۴ میں تحریر فرمایا: ومن السنن الراتبۃ قیام رمضان وھو عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات. کہ قیام رمضان یعنی نمازِ تراویح سُنّتِ مؤکدہ ہے اور دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعتیں ہیں۔

حضرت امام ابوبکر محمد بن احمد شاشی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حلیۃ الاولیاء فی معرفۃ مذاہب الفقہاء میں تحریر فرمایا ہے: من السنن الراتبۃ صلوۃ التراویح وھی عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات. کہ نمازِ تراویح سُنّتِ مؤکدہ ہے جو کہ دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعتیں ہیں۔ پھر فرمایا: وبہ قال ابو حنیفۃ واحمد. کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ کا مسلک بھی یہی ہے۔ نیز آپؒ نے یہ بھی فرمایا: وفعلھا بالجماعۃ افضل نص علیہ البویطی. کہ نمازِ تراویح کا باجماعت پڑھنا افضل ہے۔ جیسا کہ حضرت علامہ بویطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

حضرت محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے شرح السنۃ ج ۴ ص ۱۲۳ میں تحریر فرمایا ہے کہ اکثر اہل علم بیس رکعت نماز تراویح پڑھنے کے قائل و عامل ہیں، کیونکہ امیر المومنین سیدنا امام عمر اور امیر المومنین سیدنا امام علی کے علاوہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ علاوہ ازیں حضرت سفیان ثوری، حضرت ابن مبارک حضرت امام شافعی اور اصحابِ رأی رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی فرمان ہے۔

حضرت امام محی الدین یحییٰ بن شرف نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے المجموع شرح المہذب ج ۴ ص ۳۳ و ۳۴ میں تحریر فرمایا ہے: مذھبنا انہا عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات غیر الوتر و ذٰلک خمس ترویحات والترویحۃ اربع رکعات کہ ہمارا مذہب ہے کہ نمازِ تراویح وتروں کے علاوہ دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعتیں ہیں۔ اور اس میں پانچ ترویحے ہیں جبکہ ایک ترویحہ پانچ رکعت کا ہوتا ہے۔ اس کے بعد امام نووی رحؒ فرماتے ہیں کہ یہ نہ صرف ہمارا مذہب ہی ہے، بلکہ حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد اور حضرت امام احمد بن حنبل اور حضرت داؤد (ظاہری) وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ سب ہی اس کے قائل ہیں۔

نیز حضرت امام نووی رحؒ نے مزید یہ بھی تحریر فرمایا: ونقلہ القاضی عیاض عن جمہور العلماء (ثم نقل مذھب الامام مالک) وقال احتج اصحابنا بما رواہ البیہقی وغیرہ بالاسناد الصحیح عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عہد عمر بن الخطاب فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ وکانوا یقرؤون بالمئین۔ کہ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی جمہور علماءِ کرام سے یہی مذہب نقل فرمایا ہے۔ (پھر قاضی عیاض رحؒ نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مذہب نقل کرنے کے بعد اِرشاد فرمایا کہ) ہمارے اصحاب یعنی مالکیہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو بیہقی رحؒ وغیرہ نے صحیح سند کے ساتھ سیّدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ امیرالمومنین سیّدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں تمام لوگ ماہِ رمضان المبارک میں قیامِ رمضان بیس رکعتوں کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ جس میں مئین سورتیں یعنی سورۂ بقرہ سے سورۂ یونس تک کی (ایک سو یا ایک سو سے زیادہ آیتوں والی سورتیں) پڑھا کرتے تھے۔

حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کشف الغمہ ج ۱ ص ۱۳۶ و ۱۴۷ میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل فرمائی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بغیر جماعت کے بیس رکعت نماز تراویح پڑھا کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد فرمایا

ان ثلث عشرة ركعة فی اوّل عهد عمر رضی اللہ عنہ بان القاری یقرأ بالمئین من الآیات حتیٰ کان الناس یعتمدون علی العصی من طول القیام وکان امامهم اُبی بن کعب وتمیم الداری رضی اللہ عنہما ثم عمر امر بفعلها ثلثا وعشرین رکعة. ثلث منها وتر. واستقر الامر علی ذٰلك فی الامصار۔ کہ امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دَور یعنی سنہ ۱۴ھ میں تیرہ رکعتیں پڑھی جاتی تھیں، جبکہ قاری حضرات ہر رکعت میں سَو سَو آیتوں کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ لوگ لمبے قیام کی وجہ سے لاٹھیوں کا سہارا لے لیا کرتے تھے۔ اور ان کے امام سیّد القراء سیّدنا اُبیّ بن کعب اور سیّدنا تمیم داری رضی اللہ عنہما ہُوا کرتے تھے۔ پھر امیر المومنین سیّدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے نمازِ تراویح کی تیئیس رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا، جن میں سے تین رکعتیں نمازِ وتر تھیں۔ اس کے بعد تمام شہروں میں اسی حکم نامہ کے مُطابق عمل ہوتا رہا۔

حضرت امام محمد بن احمد شربینی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے المغنی المحتاج إلی معرفة معانی الفاظ المحتاج ج ۱ ص ۲۲۶ میں فرمایا: وهی عشرون رکعة بعشر تسلیمات فی کل لیلة من رمضان. (ثم ذکر حدیث السائب بن یزید ویزید بن رومان.) کہ رمضان المبارک کی تمام راتوں میں دس سلاموں کے ساتھ بیس بیس رکعتیں ہیں۔ (اس کے بعد اس کی تائید میں حضرت سائب بن یزیدؒ اور حضرت یزید بن رومانؒ کی حدیثیں بیان کیں۔)

حضرت علامہ شمس الدین محمد بن احمد رملی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نہایۃ المحتاج الی شرح المنهاج فی الفقه علی مذهب الامام الشافعیؒ ج ۲ ص ۱۲۱ و ۱۲۲ میں

فرمایا: ان النبی ﷺ صلّٰھا لیالی واجمع علیہ الصحابۃ او اکثرھم رضی اللہ عنہم واصل مشروعیتھم مجمع علیہ وھی عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات فی کل لیلۃ من رمضان۔ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کی چند راتوں میں نمازِ تراویح پڑھائی ہے اور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اجماع ہے یا اکثر صحابہؓ کا بہرحال اجماع ثابت ہے اور بنیادی طور پر نمازِ تراویح کی مشروعیت پر تو تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ اور رمضان المبارک کی تمام راتوں میں دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعتیں ہیں۔

حضرت علامہ عثمان بن محمد بکری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اعانۃ الطالبین ج ۱ ص ۲۵۵ میں بیس رکعت تراویح کا وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

حضرت امام تقی الدین ابوبکر بن محمد حصنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الاخیار فی حل غایۃ الاختصار ج ۱ ص ۸۸ میں تحریر فرمایا: واما صلوٰۃ التراویح فلاشک فی سنیتھا وانعقد الاجماع علیٰ ذٰلک قالہ غیر واحد ولا عبرۃ بشواذ الاقوال۔ کہ نمازِ تراویح کے سُنّت ہونے میں کوئی شک نہیں اور اِس پر اجماع منعقد ہوچکا ہے۔ یہ بات بہت سے لوگوں نے بیان کی ہے۔ اور شاذ اقوال کے علاوہ (اِکا دُکا اقوال کا) کوئی اِعتبار نہیں۔ اس کے بعد وہ حدیث بیان کی جس میں آیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ نماز تراویح پڑھانے کے لیے اِعتکاف گاہ سے باہر تشریف نہ لانے کا عذر بیان کرتے ہُوئے ارشاد فرمایا تھا: اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تُفْرَضَ عَلَیْکُمْ یعنی مجھے خدشہ ہے کہ نمازِ تراویح تم پر فرض ہی نہ ہوجائے۔

اس کے بعد فاضل مصنف نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا اکیلے ہی نماز تراویح ادا فرمالیا کرتے تھے۔ پھر امیرالمومنین سیّدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت اور امیرالمومنین سیّدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی عہدِ خلافت میں کئی لوگ مسجد میں اکیلے نمازِ تراویح

پڑھتے رہتے تھے اور کئی دو دو اور تین تین مل کر جماعت کے ساتھ پڑھتے۔ پھر امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سید القراء سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز تراویح پڑھنے کے لیے سب کو جمع فرمایا، اور بیس رکعت تراویح پر مداومت اور ہمیشگی کی۔ پھر فرمایا: واجمع الصحابة علیه. کہ اس بات پر سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوگیا۔

حضرت علامہ زین الدین ابو یحییٰ زکریا انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وهي عشرون ركعة ... (اسنی المطالب شرح روض الطالب ج ۱ ص ۲۰۰)

حضرت علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح المنہاج میں تحریر فرمایا

مذهبنا ان التراويح عشرون ركعة (بحوالہ الحاوی ج ۱ ص ۳۵۰)

علاوہ ازیں دیکھیے حضرت علامہ شعرانیؒ کی کتاب میزان الکبریٰ اردو ص ۴۱۰،

جس میں لکھا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ تو بیس رکعت تراویح کے قائل ہیں، جبکہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک روایت میں چھتیس رکعتیں آئی ہیں۔

خلاصہ: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں بیس رکعت نماز تراویح پڑھا کرتے تھے، اور آپ کے شاگرد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی معمول رہا۔ اس کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگرد تابعینؒ نے بھی یہی معمول رکھا۔ پھر ائمۂ متبوعین مجتہدین اور ان کے مقلدین کا معمول بھی یہی رہا۔ جیسا کہ مندرجہ بالا حوالہ جات سے ظاہر ہوا کہ حضرت امام شافعیؒ اور ان کے مقلدین کے نزدیک بھی نماز تراویح کی بیس رکعات ہی ہیں اور اگر کہیں اختلاف ہے تو وہ بیس سے زیادہ میں ہے۔ یعنی کہیں کوئی چھتیس کا قول کر رہا ہے تو دوسرا چالیس رکعات کا قائل ہے۔ لیکن یہ بات تو واضح ہے کہ کوئی بھی بیس رکعت سے کم نماز تراویح کا قائل نہیں ہوا۔ آئندہ صفحات میں دیگر ائمۂ متبوعین اور ان کے مقلدین کی عبارات ہدیہ ناظرین کی جا رہی ہیں۔

حنبلی مسلک میں رکعاتِ تراویح کی تعداد:

حضرت امام موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد ابن قدامہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱ص ۷۹۹ میں تحریر فرمایا: والمختار عند ابی عبد اللہ فیہا عشرون رکعۃ کہ حضرت امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تراویح کا بیس رکعت ہونا مختار ہے۔ پھر علامہ ابو قدامہؒ نے فرمایا وبھذا قال الثوری و ابو حنیفہ والشافعی۔ کہ حضرت سفیان ثوری اور حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور دلیل میں وہ روایت بیان کی، جو پہلے بھی بیان کی جا چکی ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے سید القراء سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں تراویح پڑھنے کے لیے لوگوں کو جمع فرمایا اور وہ انھیں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔ اور یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے۔

حضرت امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی دوسری کتاب المقنع ج ۱، ص ۱۸۷ میں بھی یہی بات تحریر فرمائی ہے: ثم التراویح وھی عشرون رکعۃ یقوم بہا الناس فی رمضان فی جماعۃ۔ کہ نمازِ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں اور چاہیے کہ لوگ رمضان المبارک میں باجماعت تراویح پڑھا کریں۔

حضرت علامہ ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک اور کتاب الکافی فی فقہ الامام احمدؒ ج ۱ص ۱۹۸ و ۱۹۹ میں بھی یہی بات تحریر فرمائی: لما جمع عمر الناس علی ابن کعب کان یصلی بہم عشرین رکعۃ فالسنۃ ان یصلی بہم عشرین رکعۃ فی الجماعۃ لذلک ویوتر الامام بہم بثلث رکعات لما روی مالک عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی عہد عمر بثلث وعشرین رکعۃ یعنی امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع فرمایا، تو وہ انھیں بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے۔ اس لیے سنت

طریقہ یہی ہے کہ اس حدیث کے پیشِ نظر امام لوگوں کو جماعت کے ساتھ بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھلائے۔ اور پھر امام کو یہ بھی چاہیے کہ وہ تین رکعت نمازِ وتر بھی باجماعت ہی پڑھائے۔ کیونکہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت یزید بن رومان رحؒ سے روایت کیا ہے کہ امیرالمومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں لوگ وِتروں سمیت باجماعت تیئیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت شیخ الاسلام امام تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن عبداللہ بن تیمیہ ابی القاسم الحرانی حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے منہاج السنۃ النبویہ ج ۴ ص ۲۲۴ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب سلمی مقری تابعی ثقہ سے روایت ہے: ان علیا دعا القراء فی قراءۃ فامر رجلا منھم یصلی بالناس عشرین رکعۃ وکان علی رضی اللہ عنہ یوتر بھم کہ امیرالمومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ نے قراء کرام کو بلاکر ان میں سے ایک کو بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھانے کا حکم دیا؛ اور اس کے بعد خود حضرت امیرالمومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں کو باجماعت نمازِ وتر پڑھایا کرتے تھے۔

حضرت امام شمس الدین محمد بن مفلح بن محمد فقیہ مقدسی حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کتاب الفروع ج ۱ ص ۵۴۶ میں تحریر فرمایا: وتسن التراویح فی رمضان عشرین رکعۃ لا ست وثلثین کہ رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح ہی مسنون ہیں، چھتیس رکعتیں سُنّت نہیں ہیں۔

حضرت علامہ مقدسی کے اس فرمان سے بھی صاف ظاہر ہے کہ نمازِ تراویح بیس رکعتوں سے کم پڑھنے کا تو کوئی قائل نہیں ہوا، البتہ جن علماء نے چھتیس تراویح کا قول کیا تو علامہ مقدسی نے ان کے قول کی تردید فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا کہ بیس رکعت تراویح ہی سُنّت ہیں، اس سے کم یا زیادہ نہیں۔

حضرت امام برہان الدین ابواسحٰق ابراہیم بن محمد بن عبداللہ بن مفلح حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے المبدع فی شرح المقنع ج ۲ ص ۱۷ میں تحریر فرمایا: وھی

عشرون رکعة فی قول اکثر العلماء وقد روی مالک عن یزید بن رومان کان الناس یقومون فی زمن عمر رضی اللہ عنہ فی رمضان بثلث وعشرین رکعة. کہ اکثر علماء کے بقول نمازِ تراویح بیس رکعت ہیں۔ اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یزید بن رومان رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ یعنی صحابۂ کرامؓ وتابعینؒ نمازِ تراویح کی وتروں سمیت کُل تیئیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت علامہ علاءُ الدین ابوالحسن علی بن سُلیمان مرداوی دمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الانصاف فی معرفة الراجح من الخلاف ج ۲ ص ۱۸۰ میں تحریر فرمایا ہے: قوله ... ثم التراویح یعنی انها سُنّة. وهٰذا المذهب وعلیه الاصحاب وقطع به اکثرهم. وقیل بوجوبها. کہ نمازِ تراویح سُنّت ہے اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد بھی اسی مذہب پر متفق ہیں، اور ان کی اکثریت کا اسی بات پر یقین ہے۔ اور بعض علماء تو نمازِ تراویح کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد علامہ مرداویؒ نے فرمایا: وهی عشرون رکعة هکذا قال اکثر الاصحاب کہ اکثر علماء حنابلہ کا مسلک یہی ہے کہ رمضان المبارک میں نمازِ تراویح بیس رکعت ہے۔

حضرت علامہ مرعی بن یوسف بن ابی بکر حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وهی عشرون رکعة (غایة المنتهیٰ مع مطالب اولی النهیٰ ج ۱ ص ۶۵۳) کہ نمازِ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں۔

حضرت علامہ منصور بن یونس بن صلاح الدین شیخ الحنابلہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: والتراویح وهی عشرون رکعة برمضان فی جماعة لحدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی شهر رمضان عشرین رکعة رواه ابوبکر بن عبد العزیز فی الشافی باسناده (شرح منتهی الارادات ج ۱ ص ۲۳۱)

کہ رمضان المبارک میں بیس رکعت نمازِ تراویح باجماعت پڑھی جاتی ہیں؛ اور اس کی دلیل سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ روایت ہے جس میں آیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس روایت کو (ابراہیم بن عثمان کی معمولی ضعف والی سند کے علاوہ) حضرت امام ابوبکر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح وثقہ سند کے ساتھ اپنی کتاب شافی میں نقل فرمایا ہے۔

حضرت امام مصطفیٰ بن سعد بن عبدہ سیوطی حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نمازِ تراویح کی بیس رکعات پر بطور دلیل فرمایا: لما روی مالك عن يزيد بن رومان كان الناس يقومون فی زمن عمر بن الخطاب فی رمضان بثلث وعشرين ركعة وروى ابوبكر بن عبد العزيز فی كتابه الشافی عن ابن عباسؓ ان النبی ﷺ كان يصلی فی رمضان بثلث وعشرين ركعة کہ اس کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت یزید بن رومان رحمۃ اللہ تعالیٰ سے روایت کی ہے کہ امیرالمومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں لوگ ماہِ رمضان المبارک میں تیئیس رکعات کے ساتھ قیام کرتے یعنی وتروں سمیت باجماعت نمازِ تراویح پڑھتے تھے۔ اور حضرت امام ابوبکر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب شافی میں (اپنی صحیح وثقہ سند کے ساتھ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ دیکھیے غایۃ المنتہیٰ کی شرح مطالب اولی النہیٰ ج ا ص ۵۶۳۔

حضرت شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: صلوٰة التراويح سنة مؤكدة .... والمختار عند احمد عشرون ركعة وبه قال الشافعی .... ان عمر جمع الناس علی أُبَیّ كان يصلی بهم عشرين ركعة۔ کہ نمازِ تراویح سُنّت مؤکدہ ہے ... اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ

کے نزدیک بیس رکعت ہی مختار ہیں۔ نیز حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں تراویح پڑھنے پر جمع فرمایا اور وہ بیس رکعت ہی پڑھاتے تھے۔ (مؤلفات شیخ الاسلام ص ۱۵۷)

حضرت امام سلیمان بن الامام عبداللہ بن شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے: وھی عشرون رکعۃ ای فی قول اکثر العلماء روی مالک عن یزید بن رومان کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب بثلث وعشرین رکعۃ. کہ اکثر علماء کرام کا قول یہی ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت یزید بن رومانؒ سے روایت بیان کی ہے کہ امیر المومنین سیدنا امام عُمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے۔ (حاشیہ مقنع ج ۱ ص ۱۸۷)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی پیرپیران حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے غنیۃ الطالبین ج ۲ ص ۱۰ و ۱۱ میں تحریر فرمایا ہے: وھی عشرون رکعۃ یجلس عقب کل رکعتین ویسلم کہ نمازِ تراویح بیس رکعت ہے اس میں ہر دو رکعتوں کے بعد بیٹھ کر سلام پھیرنا چاہیے۔

حضرت علامہ منصور بن یونس بن ادریس بہوتی فقیہ حنابلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب الروض المربع شرح زاد المستقنع ج ۱ ص ۲۲۰ میں تحریر فرمایا ہے: والتراویح سُنۃ مؤکدۃ.... عشرون رکعۃ. کہ نمازِ تراویح سُنت مؤکدہ اور اس کی بیس رکعتیں ہیں۔

حضرت مُحدّث امام ابوبکر بن عبدالعزیز حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے "الشافی" میں اپنی صحیح اور ثقہ سند کے ساتھ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس رکعت تراویح والی روایت بیان کی ہے۔ جس کا حوالہ شرح مطالب اولی النہی اور شرح منتہی الارادات میں دیا گیا ہے۔

حضرت علامہ بہاؤالدین عبدالرحمٰن بن ابراہیم مقدسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے العدہ شرح العمدہ ص ۹۰ میں تحریر فرمایا: الضرب الرابع من صلوٰۃ التطوع ما تسن له الجماعة وهو ثلٰثة انواع احدها التراويح وهي عشرون ركعة بعد العشاء في رمضان. کہ نفلی نمازوں کی چوتھی قسم وہ ہے جو باجماعت پڑھنی مسنون ہے اور وہ تین قسم کی ہیں۔ ان میں سے پہلی نمازِ تراویح ہے جس کی بیس رکعتیں ہیں، رمضان المبارک میں بعد نمازِ عشاء۔

حضرت علامہ صالح بن ابراہیم البلیہی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے السبیل فی معرفۃ الدلیل حاشیہ زاد المستقنع ج ۱ ص ۱۶۴ میں تحریر فرمایا: والتراويح عشرون ركعة. کہ نمازِ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں۔

مالکی مسلک میں رکعاتِ تراویح کی تعداد:

حضرت علامہ محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد مالکی قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۲۱۰ میں فرمایا: فاختار مالك في احد قوليه وابو حنيفة والشافعي واحمد وداؤد القيام بعشرين ركعة سوى الوتر وذكر ابن القاسم عن مالك انه كان يستحسن ستا وثلٰثين والوتر ثلث. کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نمازِ تراویح کی تعدادِ رکعات کے بارے میں دو قولوں میں سے ایک قول کو پسند فرمایا ہے اور اسی قول کو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد بن حنبل اور حضرت محدث داؤد (ظاہری) رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی پسند اور اختیار فرمایا ہے کہ قیامِ رمضان یعنی وتروں کے علاوہ نمازِ تراویح کی بیس رکعتیں پڑھی جائیں۔ علاوہ ازیں حضرت محدث ابنِ قاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے فرمایا ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نمازِ تراویح کی چھتیس رکعتیں اور تین رکعت نمازِ وتر پڑھنے کو مستحسن اور زیادہ بہتر سمجھتے تھے۔

حضرت شیخ الاسلام حافظ ابن عبد البر نمری رحمہ اللہ تعالیٰ نے الکافی فی فقہ اہل المدینہ ج ا ص ۲۵۶ میں تحریر فرمایا ہے: وقیام رمضان سنۃ وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد ابتدأہا ثم ترکہا خشیۃ ان تفترض علی امتہ وسنہا عمر رضی اللہ عنہ بمحضر من الصحابۃ رضی اللہ عنہم فلم ینکر علیہ احد واجمعوا علی العمل بہا القولہ علیہ السلام علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین، وقال علیہ السلام اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما فلہذا قلنا ان قیام رمضان سنۃ. کہ قیام رمضان یعنی تراویح سُنّت ہے، کیونکہ خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ابتدا فرمائی، پھر امت پر اس کے فرض ہوجانے کے خوف سے اسے چھوڑ دیا (یعنی التزام جماعت چھوڑ دیا) اور امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اس نماز کا (باجماعت ادا کرنا) جاری فرمایا۔ پھر صحابہ کرامؓ میں سے کسی ایک نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا اور سب نے اس عمل پر اجماع فرمالیا۔ کیونکہ سب جانتے تھے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ تم میرے اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کے معمول کو اپنے اُوپر لازم کرلو۔ نیز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد میرے دو خلیفوں یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی اِقتداء ضرور کرنا۔ اس لیے ہم نے کہا کہ نماز تراویح سُنّت ہے۔

حضرت علامہ ابن عبد البر نمری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد تحریر فرمایا واستحب جماعۃ من العلماء والسلف الصالح عشرین رکعۃ والوتر، واستحب منہم اٰخرون ست وثلثین والوتر: کہ علماء کرام اور سلف صالحین کی ایک جماعت نے تو نماز تراویح کی بیس رکعتوں اور وتروں کو پسند فرمایا ہے اور بعض دیگر علماء نے تراویح کی چھتیس رکعتوں اور وتروں کو پسند فرمایا ہے۔

حضرت امام خلیل بن اسحٰق بن موسیٰ مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: التراویح ثلث وعشرون ثم جعلت ست وثلثون (مختصر ابی الضیاء مع الشرح الکبیر ج ۱ ص ۳۱۵) کہ نماز تراویح کی رکعتیں دراصل ہیں تو (وتروں سمیت) کل تیئیس۔ پھر اس سے بڑھاکر چھتیس کردی گئیں۔

حضرت علامہ ابوالبرکات دردیر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تراویح وھی ثلث وعشرون رکعۃ بالشفع والوتر کما کان علیہ العمل. ثم جُعلت فی زمن عُمر بن عبد العزیز ستا وثلثین بغیر الشفع والوتر لٰکن الذی قد جری علیہ العمل سلفا وخلفا الاول (الشرح الکبیر علی مُختصر الامام ابی الضیاء ج ۱ ص ۳۱۵) کہ نمازِ تراویح دراصل تیئیس رکعتیں ہی ہیں دو دو کرکے وِتروں سمیت، جیسا کہ اس پر عمل ہے۔ پھر حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ کے عہدِ خلافت میں دو دو کرکے بغیر وتروں کے اس کی تعداد چھتیس کردی گئی۔ لیکن اس کے باوجود پھر بھی سلف و خلف میں بدستور پہلا عمل ہی جاری ہے۔

حضرت شیخ صالح عبد السمیع ازہری رحمۃ اللہ نے رسالہ امام ابن ابی زید قیروانی رحمۃ اللہ کے حاشیہ پر اپنی شرح میں تحریر فرمایا: وکان السلف الصالح وھم الصحابۃ رضی اللہ عنھم یقومون فیہ ای فی زمن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی المساجد بعشرین رکعۃ وھو اختیار جماعۃ منھم ابوحنیفۃ والشافعی و احمد والعمل الاٰن علیہ (الثمر الدانی فی تقریب المعانی شرح رسالہ ابن ابی زید قیروانی ص ۳۱۲) کہ سلف صالحین یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضرت امیر المومنین سیدنا امام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مساجد میں بیس رکعتوں کے ساتھ قیام فرمایا کرتے تھے اور اسی عمل کو ایک بڑی جماعت نے اختیار فرمایا ہے۔ جن میں امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل بھی شامل ہیں۔ اور اس وقت تمام مسلمانوں کا اسی پر عمل ہے۔

حضرت علامہ محمد بن احمد بن عرفۃ المصری مالکی الدسوقی رحمۃ اللہ تعالٰی نے حضرت علامہ ابو البرکات دردیر مالکی رحمۃ اللہ تعالٰی کے فرمان التراویح وھی ثلث و عشرون رکعۃ بالشفع والوتر پر اپنے حاشیہ میں تحریر فرمایا: کما علیہ العمل ای عمل الصحابۃ کہ اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اسی پر عمل تھا۔ (مختصر ابی الضیاء ج ۱ ص ۳۱۵)

حضرت شیخ محمد بن جمعہ مفتش معاہد ازہریہ رحمۃ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں: التراویح برمضان وھی عشرون رکعۃ بعد العشاء. کہ عشاء کی نماز کے بعد رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں۔ (الکوکب الدریہ ص ۱۱۱)

حنفی مسلک میں رکعاتِ تراویح کی تعداد:

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان ثابت رحمۃ اللہ تعالٰی نے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ نمازِ تراویح سُنّتِ مؤکدہ ہے۔ اور امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے نمازِ تراویح کی بیس رکعات خود اپنی طرف سے ہی ایجاد یا متعین نہیں کر لی تھیں اور نہ ہی حضرت امام عمرؓ کسی بدعت کے موجد تھے، اب اگر حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھنے کا حکم دیا ہے تو ان کے پاس اس کی کوئی نہ کوئی اصل ضرور ہوگی۔ اور ضرور تراویح کے بارے میں ان کے پاس حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا، ورنہ امیر المومنینؓ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کبھی بھی اس کا حکم نہ دیتے۔ دیکھیے حاشیہ مراقی الفلاح ص ۲۲۴ و فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۱۲۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی کے شاگرد اور ان کے متبعین کا مسلک بھی یہی ہے کہ تراویح بیس رکعت ہے اور اس کی صراحت بھی انھوں نے اپنی کتابوں میں کی ہے۔ بخوفِ طوالت ان کی عبارات نقل کرنے کی بجائے صرف ان کی کتابوں کا نام و صفحہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے جن میں انھوں نے لکھا ہے کہ نمازِ تراویح کی بیس رکعتیں پڑھنا مسنون ہے۔

(۱) مؤطا امام محمد ص ۱۴۰

(۲) التعلیق الممجد ص ۲۰۹

(۳) بحرالرائق ج ۲ ص ۶۶

(۴) بدائع صنائع ج ۱ ص ۲۸۸

(۵) ردالمحتار ج ۱ ص ۵۱۱ و ۵۲۰

(۶) عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۷۸ و ص ۲۶۷

(۷) مرقاۃ ج ص ۱۷۵

(۸) ماثبت بالسنۃ ص ۸۸

(۹) شرح نقایہ ص ۱۰۴

(۱۰) رسائل الارکان ص ۱۲۸

(۱۱) فیض الباری لسیدانورشاہ ص ۲۰۴

(۱۲) عرف الشذی ص ۳۲۹

(۱۳) تحفۃ الاخیار

(۱۴) مستخلص الحقائق ص ۲۰۴

(۱۵) تبیین الحقائق الزیلعی ج ۱ ص ۱۷۸

(۱۶) مبسوط سرخسی ج ۲ ص ۱۴۴ و ۱۴۵

(۱۷) نورالہدایہ ص ۱۳۳

(۱۸) نورالایضاح ص ۹۸

(۱۹) مفتاح الصلوٰۃ ص ۱۴۵

(۲۰) منیۃ المصلی کلاں ص ۳۹۵ و ۳۹۶

(۲۱) شرح الیاس ج ۱ ص ۱۷۵

(۲۲) چہار باب از شاہ اہل اللہ ص ۱۶

(۲۳) کنزالدقائق ص ۳۶

(۲۴) شرح وقایہ حاشیہ ص ۲۰۷

(۲۵) فتاویٰ تاتارخانیہ ج ۱ ص ۶۵۴

(۲۶) فتاویٰ غرائب قلمی ورق ۷۶ ص ۲

(۲۷) فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۷۳

(۲۸) فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۳۳۴ و ص ۱۱۲

(۲۹) فتاویٰ سراجیہ ص ۲۰

(۳۰) خلاصۃ الفتاویٰ ص ۶۳

(۳۱) کبیری ص ۳۸۸

(۳۲) حاشیہ بخاری لاحمد علی سہارنپوری ص ۱۵۲

(۳۳) الرأی النجیح للگنگوہی

(۳۴) فتح القدیر ج ۱ ص ۳۰۷

(۳۵) قدوری ص ۳۹

(۳۶) صغیری ص ۲۰۸

(۳۷) کفایہ ج ۱ ص ۳۰۷

(۳۸) عنایہ ج ۱ ص ۴۳۴

(۳۹) الہدیۃ العلائیہ لابن عابدین ص ۸۰

(۴۰) فتاویٰ برہنہ ص ۲۸۰

(۴۱) ہدایہ ج ۱ ص ۱۵۱

(۴۲) مجمع الانہر ج ۱ ص ۱۳۶

(۴۳) مجموعہ خانی ص ۱۸۵

(۴۴) مالابدمنہ ص ۶۹

خلاصہ یہ ہُوا کہ نمازِ تراویح کی وتروں کے علاوہ بیس رکعات ہیں اور تمام صحابۂ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ متبوعین مجتہدین اور ان کے تلامذہ و متبعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس مسئلہ پر اجماع ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کے ایک قدم بھی نہیں اٹھاتے تھے۔ اور اگر کسی عمل کے مسنون ہونے یا نہ ہونے میں رائی برابر شبہ پیدا ہوجاتا تو اس کی خوب اچھی طرح تحقیق کرتے۔ اور اگر کسی کام کا خلافِ سُنّت ہونا ثابت ہوجاتا تو اسے فوراً ترک کر دیا کرتے تھے کیونکہ خلافِ سُنّت کام کا چھوڑنا بھی سُنّت ہے۔ جیساکہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کے لیے اذان و اقامت کے ترک کرنے کو سُنّت کا نام دیا ہے۔ (دیکھیے مؤطا امام مالک ص ۶۲)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معمول:

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ۵۷ھ یا ۵۸ھ تک زندہ رہیں، ان کی رہائش اسی حجرۂ مبارکہ میں رہی جس میں حیاتِ نبویؐ کے دوران رہا کرتی تھیں، اسی حجرۂ مبارکہ میں حضرتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر کو بعد از وفات دفن کیا گیا اور اسی جگہ حضرات شیخین امیر المؤمنین سیدنا امام ابوبکر صدیق اور امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہما کے اجسادِ خاکی مدفون ہیں۔ یہ حجرۂ مبارکہ مسجدِ نبویؐ کے ساتھ متصل تھا، مسجد سے گھر تک آواز صاف پہنچتی تھی، کسی صحابیؓ کو کسی مسئلہ کے بارے میں کوئی شبہ ہوتا تو وہ اماں جان سے پوچھ لیتا، اور اگر ام المؤمنینؓ کو کوئی بات خلافِ شریعت معلوم ہوتی تو وہ تنبیہ فرما دیتی تھیں۔ اہلِ علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر استدراکات و اعتراضات موجود ہیں۔

حضرت علامہ بدرالدین محمد بن عبداللہ زرکشی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب "الاجابۃ فی ما استدرکت عائشہؓ للصحابۃ" کے نام سے تحریر فرمائی ہے، جس میں کئی صحابہؓ پر حضرت ام المؤمنین کے اِستدراکات کو جمع کیا گیا ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہر سال رمضان المبارک میں بیس رکعت نمازِ تراویح مسجد نبوی میں پڑھا کرتے تھے، خصوصاً عہدِ فاروقی میں سید القراء ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، اور ان کی وفات کے بعد سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جو باجماعت نمازِ تراویح پڑھایا کرتے تھے۔ ان کی آواز حجرۂ عائشہؓ میں پہنچنے سے کوئی چیز مانع نہ تھی اور وہ بیس رکعت نمازِ تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے۔ اب اگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ معمول واقعی خلافِ سُنّت اور قابلِ تردید بدعت ہوتا تو یہ ہرگز ممکن نہیں کہ اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خاموش رہتیں اور ان پر نکیر نہ فرماتیں؛ لیکن اس مسئلہ میں اُمّ المومنینؓ کا خاموش رہنا اور اس پر نکیر نہ فرمانا اس امر کی واضح، صریح اور بڑی وزنی دلیل ہے کہ اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی اس مسئلہ میں اجماعِ اُمّت کے افراد میں سے ایک اہم فرد ہیں، اور خود اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی بیس ۲۰ رکعت نمازِ تراویح ہی کی قائل ہیں؛

اور وہ خود بھی بیس رکعت ہی پڑھا کرتی تھیں، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بیس رکعت ہی نمازِ تراویح پڑھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت گو کہ ہم تک ایک ضعیف راوی قاضیٔ واسط ابراہیم بن عثمان العبسی ابوشیبہ کوفی کے واسطہ سے پہنچی ہے لیکن تعامل صحابہؓ و اہلِ بیتؓ اور پھر تابعین و محدثین و مجتہدین کے معمول کو دیکھتے ہوئے بلا تردید کہا جاسکتا ہے کہ یہ روایت بلحاظِ متن بلاشبہ قوی اور ضعف سے بَری ہے۔ کیونکہ صحابۂ کرامؓ کا معمول اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خاموشی سے اس روایت کی صحت صاف طور پر ظاہر ہو رہی ہے۔

اور اگر بیس رکعت والی حضرت ابنِ عباسؓ کی یہ روایت ضعیف ہوتی تو اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ضرور فرماتیں لیس کما قال ابن عباس کہ جس قسم کی بات حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمائی ہے وہ ایسی نہیں ہے۔

کیونکہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کا یہی معمول تھا وہ کوئی کام خلاف واقع دیکھتیں یا سنتیں تو فوراً اس کی تردید فرمادیتیں ۔ چنانچہ :

حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن رح کی زبانی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک فتویٰ سُن کر اُمّ المومنین رض نے فرمایا تھا: لیس کما قال ابن عباس کہ دراصل یہ بات اس طرح سے نہیں ہے جس طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمائی ہے ۔ (دیکھیے مؤطا امام محمد ص ۲۰۱)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی زبانی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایک فتویٰ سُن کر دو ٹوک الفاظ میں فرمایا: لیس کما قال ابو ھریرۃ یا عبدالرحمٰن اترغب مما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنع .... (مؤطا امام محمد ص ۱۸۳) کہ جس طرح حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے حقیقت میں ایسا نہیں ہے ۔ اے عبدالرحمٰن رض کیا آپ اس طریقہ سے روگردانی کرنے لگے ہیں جیسا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے ۔

حضرت مروان بن الحکم والیٔ مدینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ایک مقدمہ کا فیصلہ سُنایا ، جسے حضرت اُمّ المومنین رض نے نامناسب فیصلہ قرار دیتے ہُوئے تنبیہاً فرمایا اتق اللہ واردد المرأۃ (المطلقۃ) إلی بیتھا (مؤطا امام محمد ص ۲۶۷) کہ اللہ تعالیٰ کا خوف کیجیے اور مُطلّقہ عورت کو اس کے گھر واپس لوٹا دیجیے ۔

حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا : یغفر اللہ لابی عبدالرحمٰن اما انہ لم یکذب ولٰکنہ نسی او اخطأ (مشکوٰۃ ص ۱۵۱) کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابوعبدالرحمٰن (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کی پردہ پوشی فرمائے ، کیونکہ انھوں نے جھوٹ تو نہیں بولا ، البتہ یا تو وہ بھول گئے ہیں یا انھیں غلطی لگی ہے ۔

اُمُّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اسی طرح کے اور بھی بہت سے اِستدراکات و اِعتراضات ہیں" جو حضرت علامہ زرکشیؒ نے "الاجابہ فی ما استدرکت عائشۃ للصحابہؓ" میں جمع فرماتے ہیں۔

اب اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت نہ ہوتا تو ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاتِ حسرت آیات کے بعد تقریباً ۴۷ یا ۴۸ سال تک زندہ رہیں، اتنے طویل عرصہ تک کبھی خاموش نہ رہتیں، کیونکہ اُن کے پیش نظر قرآن مجید کی آیتِ کریمہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا...(۲:۱۵۹) بھی رہتی تھی، نیز مشہور ہے: اَلسَّاكِتُ عَنِ الْحَقِّ شَيْطَانٌ اَخْرَسٌ کہ جو شخص بھی حق بات کہنے سے خاموش رہے تو وہ گونگا شیطان ہے۔ اس لیے یہ تو ناممکن ہے کہ خلافِ حقیقت کام ہوتے ہُوئے دیکھ کر حضرت اُمّ المومنینؓ خاموش رہتیں۔

البتہ اگر اس معاملہ میں حضرت اُمّ المومنینؓ نے خاموشی اِختیار فرمائی ہے تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ بیس رکعت تراویح پڑھنا سُنّتِ نبویؐ ہے۔

اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ بات بالکل حق سچ اور پختہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں انفرادی طور پر بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھا کرتے تھے۔ اگرچہ اس روایت کو بیان کرنے والوں میں حضرت ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان العبسی قاضیؒ واسط جیسا ضعیف راوی بھی موجود ہے، پھر بھی اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ ایک تو اس کا ضعف معمولی سا ہے، اور دُوسرا یہ کہ یہ شخص جھُوٹا تو ہرگز نہیں ہے۔ اب اگر صرف اس معمولی ضعف کو دیکھتے ہُوئے سرے سے اس حدیث کو ہی رد کردیا جائے تو یہ بہت بڑی زیادتی ہوگی، کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ نعوذ باللہ—! صحابۂ کرامؓ نے سُنّتِ نبویؐ کے خلاف خود اپنی مرضی سے رمضان المبارک میں باجماعت بیس تراویح پڑھنے کا طریقہ ایجاد کرلیا تھا اور حضرت ام المومنینؓ

پر بھی حرف آتا ہے کہ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے ۴۷/۴۸ برس تک خلافِ سُنّت بیس رکعت تراویح پڑھتے ہوئے صحابہ کرامؓ و تابعین کو دیکھتی رہیں، اور اس کی تردید میں ایک لفظ بھی نہ فرمایا۔ لیکن یہ سب باتیں غلط ہیں۔ اور صحیح بات یہی ہے کہ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ مرفوع حدیث اگرچہ بلحاظِ سند ضعیف مشہور ہوگئی ہے مگر عملِ صحابہؓ اور اس پر اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خاموشی اور دیگر سلف صالحین و ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے معمول اور فتاویٰ کے پیشِ نظر، جس حدیث میں بیس رکعت نمازِ تراویح کا ذکر آتا ہے وہ حدیث درحقیقت بلحاظِ متن تو ہے ہی صحیح، لیکن ہم تک وہ حدیث ایسے راوی کے ذریعے پہنچی جسے غلط فہمی سے ضعیف سمجھ لیا گیا۔

ابوشیبہ ابراھیم عبسیؒ کی شخصیت

حضرت ابراہیم بن عثمانؒ شہر واسط کے قاضی بھی رہے ہیں، اور انھوں نے متعدد مقدمات کے فیصلے بھی اسلامی قوانین کے مُطابق کیے ہیں، اور جن علماء و ناقدین نے ان میں معمولی ضعف دریافت کیا ہے ان میں سے بھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ وہ مقدمات کا فیصلہ کرتے وقت عدل سے کام نہ لیتے تھے۔ بلکہ محقق علماء نے ان کے عدل و انصاف کی تعریف کی ہے۔ چنانچہ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ج ۱ ص ۵۰ میں حضرت امام صفی الدین احمد بن عبد اللہ خزرجی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا: ابراهيم بن عثمان العبسی .....وعنه كاتبه يزيد بن هارون ووصفه بالعدل فی القضاء کہ حضرت ابراہیم بن عثمان عبسی ابوشیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سے روایت کرنے والے حضرت یزید بن ہارون ہیں اور وہ حضرت ابراہیم موصوف کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ مقدمات کے فیصلے نہایت عدل و انصاف سے فرمایا کرتے تھے۔ نیز آپ نے مزید فرمایا: ماقضیٰ علی الناس یعنی فی زمانه اعدل فی قضاء منه (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۴۵) کہ ہمارے زمانے میں حضرت

ابراہیم بن عثمان عبسی رحمہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ عدل کرنے والا کوئی قاضی نہیں ہُوا۔

یاد رہے کہ حضرت یزید بن ہارون رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم بن عثمان عبسی رحمہ اللہ تعالیٰ کے محکمۂ قضات میں ان کے مُنشی تھے۔ اس لیے ان کے بارے میں جتنی معلومات انھیں ہوسکتی ہیں شاید اور کسی کو نہ ہوں، لہٰذا حضرت یزیدؒ کی شہادت حضرت ابراہیمؒ کے علم اور عدل کی نہایت قوی شہادت ہے۔

یہاں یہ بات بھی نہایت اہم ہے کہ حضرت یزید بن ہارون رحمہ اللہ تعالیٰ صرف حضرت ابراہیم عبسیؒ کے محکمہ میں مُنشی ہی نہیں تھے کہ انھیں معمولی آدمی سمجھ کر ان کی شہادت کو نظر انداز کر دیا جائے، بلکہ یہ ایک بہت بڑے مُحدّث اور نہایت ثقہ راوی ہیں۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت یزید بن ہارونؒ حضرت محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے اُستاذ الحدیث ہیں۔ اس لیے حضرت یزید بن ہارونؒ کی شہادت معتبر ہے۔ اور جب اتنے بڑے محدّث نے ان کے بارے میں عادل ہونے کی شہادت دی ہے تو یقیناً وہ عادل تھے۔

کسی راوی کی روایت کو قبول کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس کے بارے میں دو باتوں کا علم ہو۔ ان میں سے ایک تو ہے اس کا تدیّن، کہ کہیں یہ شخص فاسق فاجر تو نہیں ہے۔ اور دُوسری چیز ہے قوتِ حافظہ، کہ کہیں اس کی قوتِ حافظہ اتنی کمزور تو نہیں تھی کہ اس کی بات کا یقین کرنا جائز نہ ہو۔

چنانچہ حضرت یزیدؒ کی مذکورہ بالا شہادتوں کے بعد ان کے تدیّن میں تو کسی قسم کے شک وشبہ کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اور جہاں تک ان کے حافظہ کا تعلق ہے تو وہ قابلِ رشک ہے، جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے کہ ان کا حافظہ اور قوت یادداشت حضرت ابراہیم بن ابی حبیبہؒ سے بہتر ہے، جو کہ ثقہ اور معتبر حافظ الحدیث ہوگزرے ہیں۔ (دیکھیے لسان المیزان ج ۱ ص ۵۳) تو جو شخص اتنے بڑے ثقہ شیخ الحدیث سے بھی حافظہ اور ذہانت میں بڑا ہو اُسے ضعیف قرار دے کر اس کی روایت کو رد کر دینا بہت بڑی زیادتی ہے۔

جن علماء کے نزدیک حضرت ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ عبسی رحمۃ اللہ تعالیٰ ضعیف ہیں، تو ان کے پاس ان کے ضعف کی کوئی مضبوط اور وزنی دلیل نہیں اس لیے ان کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔

ابراہیم عبسیؒ نے کذب کا ارتکاب نہیں کیا

نمازِ تراویح کی تعدادِ رکعات کے زیرِ عنوان قبل ازیں حضرت ابراہیم بن عثمانؒ کے بارے میں تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔ جس میں تھا کہ حضرت شعبہؒ نے اسے جھوٹا کہا ہے، جبکہ حضرت علامہ ذہبیؒ نے اس کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

كذبه شعبة لكونه روى عن الحكم عن ابن ابى ليلى انه قال شهد صفين من اهل بدر سبعون. فقال شعبة كذب والله لقد ذاكرت الحكم فما وجدنا شهد صفين احد من اهل بدر غير خزيمة. قلت سبحان الله اما شهدها علىّ اما شهدها عمار (ميزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۳) کہ شعبہؒ نے حضرت ابراہیم عبسیؒ کو محض اس لیے جھوٹا کہہ دیا کہ انھوں نے حکم سے ابن ابی لیلیٰ کی روایت نقل کی ہے کہ صفین میں ستر بدری صحابۂ کرامؓ موجود تھے، تو اس پر شعبہؒ نے کہہ دیا کہ ابراہیم عبسیؒ نے جھوٹ بولا ہے۔ اور واللہ میں نے حکمؒ سے اس بارے میں گفتگو کی تو ہم نے سیّدنا خزیمہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی بدری صحابی جنگِ میں موجود نہ پایا۔ میں (ذہبیؒ) کہتا ہوں کہ سبحان اللہ تو کیا سیّدنا امام علی اور سیّدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بھی جنگ صفین میں شریک نہیں ہوئے تھے؟

حضرت علامہ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے تبصرہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ حضرت ابراہیم عبسیؒ نے خود اپنے پاس سے یہ بات ہرگز نہیں کہی تھی، بلکہ حضرت ابن ابی لیلیٰؒ کے حوالے سے حضرت حکم کی یہ بات بیان کی تھی کہ جنگِ صفین میں ستر بدری صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حصہ لیا تھا مگر جب شعبہ نے حکم سے مذاکرہ کیا تو ایک سے زیادہ کی شرکت ثابت نہ ہوسکی۔

لیکن اس بات سے حضرت ابراہیم بن عثمان کا جھوٹ ثابت نہیں ہوسکتا، کیونکہ جھوٹ تو اس وقت ہوتا جب حضرت حکم اس واقعہ کے بیان سے اِنکار کرتے ہُوئے فرماتے کہ یہ بات میں نے حضرت ابراہیمؒ سے نہیں کہی، بلکہ انھوں نے یہ تعداد متعین کر کے آگے بیان کر دی ہے اور اس کا ذمّہ دار میں نہیں، خود ابراہیم عبسی اس کے ذمّہ دار ہیں۔ لیکن حضرت شعبہ نے حضرت حکم کا انکار نقل نہیں کیا۔ بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ دَورانِ مذاکرہ صرف ایک بدری صحابیؓ کی جنگِ صفین میں شرکت ثابت ہوسکی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حکمؒ نے ہی حضرت ابراہیمؒ کے سامنے یہ تعداد بیان کی تھی۔ مگر دَوران مذاکرہ دو نام بھی نہ بتا سکے۔ لہٰذا اس جھوٹ کی ذمّہ داری کسی طرح سے بھی حضرت ابراہیم بن عثمان پر عائد نہیں ہوتی۔ اور اس کے علاوہ دوسری کوئی بات ایسی نہیں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ ابراہیم عبسیؒ جھوٹ بولا کرتے تھے۔ لہٰذا حضرت شعبہؒ کا یہ قول درست نہیں۔ اور ابراہیم عبسی رحمۃ اللہ تعالیٰ سچے اور ثقہ تھے۔

پھر حضرت علامہ ذہبیؒ نے خود شعبہؒ کے اس بیان کو رد کر دیا کہ جنگِ صفین میں صرف ایک بدری صحابی موجود تھا، بلکہ فرمایا کہ کیا امیر المومنین سیدنا علی اور سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بھی جنگِ صفین میں شریک نہیں ہُوئے تھے، جن کا نام بدری صحابہ میں بھی نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ تو اس طرح جنگِ صفین میں صرف ایک بدری صحابی کس طرح ثابت ہوا، کم سے کم تین کہنے چاہییں۔ بلکہ مزید تحقیق کریں تو ممکن ہے اور نام بھی سامنے آجائیں۔ بہرحال اِس سے یہ تو ثابت ہوگیا کہ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان عبسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جھُوٹ کا اِرتکاب ہرگز نہیں کیا اور ان کی طرف جھُوٹ کی نسبت بے بُنیاد جھُوٹ پر مبنی ہے۔

کِذب کے لغوی، اصطلاحی وشرعی معنے

اس مقام پر یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اہلِ عرب "کذب" کا لفظ کئی معنوں میں اِستعمال کرتے ہیں۔ مثلاً:

(۱) کذب بمعنی جھوٹ، یعنی خلافِ واقعہ بات۔ اور اس معنی میں کذب کا اِرتکاب کسی دین میں بھی جائز نہیں۔ جیساکہ حاشیہ ھدایہ اخیرین ص ۶۱۳ میں ہے: الکذب محظور فی الادیان کلھا۔ یعنی "کذب" (جھوٹ بولنا) تمام ادیان و مذاہب میں ممنوع ہے۔

(۲) کذب بمعنی خراب ہونا۔ جیساکہ بخاری شریف ص ۸۴۸ میں ہے کذب بطن اخیک کہ تیرے بھائی کا پیٹ خراب ہے۔

(۳) کذب بمعنی غلطی کرنا۔ جیساکہ بخاری شریف ص ۵۲۴ و ۶۱۳ میں ہے کذب ای اخطأ سعد کہ سعد نے غلطی کھائی۔

(۴) کذب بمعنی وہم ہوجانا۔ جیساکہ بخاری شریف ص ۹۶ میں ہے وھو (البراء) غیر کذوب۔ اس پر امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: ای غیر واھم فی الحدیث (شرح تراجم البخاری ص ۲۴) یعنی حضرت براء کو حدیث کے بیان میں وہم نہیں ہوتا۔

(۵) کذب بمعنی اِنتفیٰ۔ جیسے کذب الصبوح (تاج المصادر ص ۹۶)

(۶) کذب بمعنی واجب ہونا۔ جیسے کذب علیکم الحج کہ تم پر حج واجب ہوگیا۔ (صراح ج ۱ ص ۹۰)

(۷) کذب بمعنی تاخیر کرنا۔ جیسے ماکذب فلان ای مالبث یعنی فلاں شخص نے تاخیر نہیں کی۔ (صراح ج ۱ ص ۹۱)

(۸) کذب بمعنی اپنے اوپر لازم کرلینا۔ جیسے کذبك العسل یعنی شہد کا استعمال اپنے اوپر لازم کرلے۔ (صراح ج ۱ ص ۹۱)

(۹) کذب بمعنی جاتا رہنا۔ جیسے کذب لبن الناقۃ ای ذھب۔ یعنی اونٹنی کا دودھ جاتا رہا۔ (صراح ج ۱ ص ۹۰)

(۱۰) کذب بمعنی پھسلنا (زَلّ) جیسے کذب سمعی (حاشیہ بخاری ص ۸۴۸)

(۱۱) کذب بمعنی توریہ و تعریض کرنا۔ اصل بات چھپاکر دوسری بات ظاہر کرنا۔

بشرطیکہ کسی کی حق تلفی نہ ہوتی ہو۔ (دیکھیے بخاری شریف ص ۹۱۷)
بہرحال ہمیشہ کذب کا اطلاق تعمد کذب یعنی قصداً جھوٹ بولنے پر ہی نہیں ہوتا، بلکہ بلا ارادہ محض سہو و نسیان سے خلافِ واقعہ بات بیان کرنے پر بھی بکثرت کذب کا اطلاق ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً فتح الباری ج ۱ ص ۱۵۲، تلخیصُ الحبیر ص ۱۷۲، اور نہایہ ج ۴ ص ۱۳ میں اس کی متعدد مثالیں مذکور ہیں، جن کے ساتھ عرب کے محاورات بھی درج ہیں۔

اِسی طرح جو شخص کسی دُوسرے کی بتائی ہُوئی یا کہی ہوئی خلافِ واقعہ بات بلا تحقیق نقل کردے تو وہ بھی جھوٹ ہی کہلائے گا۔ لہٰذا شعبہؒ کے قول سے ابراہیمؒ پر قصداً جھُوٹ بولنے کا الزام عائد کرنا غلط ہوگا۔ کیونکہ شعبہؒ نے ابراہیمؒ کے قصداً جھُوٹ بولنے کی کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ اور حضرت شعبہؒ جیسا محتاط اور پرہیزگار عالم و محدّث کسی مسلمان کو بلا دلیل جھوٹا نہیں کہہ سکتا۔ اس لیے شعبہؒ کی تکذیب کا مطلب اس سے زیادہ اور کچُھ نہیں ہوسکتا کہ حضرت ابراہیم بن عثمانؒ نے حکمؒ کی بات بلا تحقیق بیان کردی، جسے محاورۂ عرب میں کذب کہہ دیا جاتا ہے حقیقۃً یہ جھوٹ نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہُوا کہ حضرت محدّث ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان عبسی رحمۃُ اللہ تعالیٰ کو مجروح ثابت کرنے کے لیے کچُھ زیادہ ہی مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے، جو غلط ہے۔

بخاریؒ کا "سکتوا عنہ" کہنا

اب رہا یہ کہ حضرت امام بخاری رحمۃُ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم بن عثمانؒ کے حق میں سکتوا عنہ کہا ہے۔ سو اس لفظ کا مفہوم چونکہ خود امام بخاریؒ نے نہیں بتایا اِس لیے بعض محدثینؒ نے اپنے فہم کے مُطابق اس لفظ کا معنٰی متروک الحدیث سمجھ لیا ہے جو مناسب نہیں۔ ممکن ہے کسی نے حضرت ابراہیم کے بارے میں شعبہؒ کے قول سے متاثر ہوکر کسی نے انھیں جھوٹا کہہ دیا ہو تو اسے امام بخاریؒ نے ان کے بارے میں زبان درازی سے منع کیا ہو کر خاموش رہو

اور اتنے بڑے مُحدّث کے بارے میں زبان درازی نہ کرو۔ لیکن بعد والوں نے غلطی سے کچھ کا کچھ بنا دیا۔

اور اگر بفرضِ محال حضرت امام بخاریؒ کی مُراد سکتوا عنہ سے یہی ہو کر ابراہیم بن عثمان عبسیؒ متروکُ الحدیث ہے، تو یہ بھی تو قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ جس راوی کے متعلق حضرت امام بخاریؒ متروکُ الحدیث کا لفظ استعمال کریں تو وہ ہر معاملہ میں ناقابلِ اعتبار ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہی بات ہے تو دیکھیے:
اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فروہ کو حضرت امام بخاریؒ نے متروکُ الحدیث کہا ہے،
اسی طرح اور بہت سے محدثین مثلاً فلاسؒ، ابوزرعہؒ، ابو حاتمؒ، نسائیؒ، دار قطنیؒ، برقانیؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ نے بھی اسے متروکُ الحدیث کہا ہے۔ بلکہ ابن المدینیؒ نے تو اسے منکر الحدیث کہا ہے' اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ابنِ معینؒ اور ابنِ خراشؒ نے اسے کذاب تک کہ دیا ہے، جبکہ امام احمدؒ کے بقول اس سے روایت کرنا حلال نہیں ہے۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ بقول محمد بن عاصمؒ اہلِ مدینہ کے نزدیک تو سرے سے اس کا اسلام بھی مشکوک تھا۔ مع ھذا عہد جدید کے ایک مشہور اور نامور محدّث عبدالرحمٰن مبارک پُوریؒ اسی الحق بن عبد اللہ بن ابی فروہ کی روایت سے تائید حاصل کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتے لیکن اس کے برعکس حضرت محدّث ابراہیم بن عثمانؒ کو اس قدر مجروح کرتے ہیں کہ ان کی روایت کو ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل سمجھتے ہیں۔ یا للعجب!

تحقیقِ بالا سے ثابت ہُوا کہ نہ تو حضرت ابراہیم بن عثمانؒ ضعیف ہیں اور نہ ہی ان کی روایت کردہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث، جس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رمضان المبارک میں تہجد کے علاوہ بیس رکعت "نمازِ تراویح" پڑھنے کا ذکر ہے۔ اور تعاملِ امت سے اس کو مزید قوت حاصل ہوگئی۔ کیونکہ عہدِ فاروقی کے مسلمانوں کا علانیہ عمل بھی اسی کے موافق تھا، یا یوں سمجھ لیں کہ ۱۵ھ سے اب ۱۴۱۵ھ تک برابر تمام امت کا یہی معمول ہے۔

کیونکہ جس طرح امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بیس رکعت نمازِ تراویح کا ثبوت کُتبِ حدیث سے ملتا ہے، اسی طرح سیدنا عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے عہدہائے خلافت میں بھی بیس رکعت نمازِ تراویح کا ثبوت ملتا ہے۔ پھر بعد ازاں تمام ائمۂ مجتہدین اور ان متبعین و محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال اور ان کا عمل بھی اسی کے موافق رہا ہے۔ ان تمام شواہد کی روشنی میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوشیبہ ابراہیم بن عثمانؒ کی روایت ہر قسم کے ضعف سے پاک بلکہ قوی تر و مستحکم ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن ابی شیبہؒ کے دادا حضرت ابوشیبہؒ اس قدر ضعیف نہیں کہ ان کی روایت کو پھینک ہی دیا جائے۔ (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۱۹)

حضرت علامہ ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بعض ضُعف ایسے ہیں جو اُمّت کی تلقّی بالقبول سے رفع ہو گئے ہیں۔ (اخبار اہلِ حدیث ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء)

رسائل الارکان ص ۱۳۸ میں ہے: ولعل رسول اللہ ﷺ صلی عشرین رکعۃ فی بیت ام المؤمنین میمونۃؓ وشاھد ذلک ابن عباس رضی اللہ عنہما ومواظبۃ الصحابۃ علی عشرین قرینۃ صحۃ ھذہ الروایۃ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں بیس رکعت تراویح ہی پڑھی ہوں گی، جس کا مشاہدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کیا ہے۔ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بیس رکعت تراویح پر پابند ہونا اس روایت کے صحیح ہونے کا واضح قرینہ ہے۔

نیز کئی شرعی مسائل ایسے بھی جن کے متعلق سوائے ایک ضعیف حدیث کے کوئی ثبوت نہیں ہے، لیکن متفقہ طور پر اُمّت کا عمل اسی پر ہے۔ اس کی کئی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں۔ علاوہ ازیں تمام اُمّت کا متفقہ مسئلہ ہے کہ "حقیقی بھائی کی موجودگی میں علّتی بھائی وارث نہیں ہوتا۔" اور اس کی دلیل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ضعیف روایت ہے، اور امام ترمذیؒ نے اپنی جامع ج ۲ ص ۳۱ میں فرمایا کہ علماء کا اسی حدیث پر عمل ہے۔

حضرت یزید بن رُومان کی روایت پر امکانی اعتراض کا جواب:

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما انفرادی طور پر بیس رکعت نمازِ تراویح صحیح سند سے ثابت کر چکنے کے بعد اب مزید کسی اعتراض کی گنجائش تو نہیں رہتی۔ تاہم پُورے ماہِ رمضان المبارک میں باجماعت بیس رکعت کا اِلتزام جو امیرالمومنین سیدنا امام عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم سے کیا گیا، جس کا ذکر بیہقیؒ نے ج ۲ ص ۴۹۶ میں بروایت یزید بن رومانؒ کیا ہے۔ اور بیس رکعت باجماعت تراویح کے قائلین اپنی دلیل میں حضرت یزید بن رومانؒ کی روایت ہی پیش کرتے ہیں۔ جبکہ حضرت یزیدؒ کی امیرالمومنینؓ سے ملاقات ہی ثابت نہیں۔ اس لیے ممکن ہے کوئی شخص یہ اعتراض کر دے کہ جب حضرت یزید بن رومانؒ کی سیدنا عُمرؓ سے ملاقات ہی ثابت نہیں تو یہ حدیث مرسل ہُوئی۔ جبکہ مرسل ضعیف ہوتی ہے اور ضعیف حدیث کو دلیل میں پیش کرنا جائز نہیں ہے۔

سو اِس اِمکانی اِعتراض کا ایک جواب تو یہ ہے کہ:

حضرت یزید بن رومان رحمہ اللہ تعالیٰ کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں، بلکہ وہ ایک مُحدّث ہیں، اور محدّث بھی ایسے ویسے نہیں، بلکہ ایک بہت بڑے محدّث، نقاد اور مُجتہد حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ کے اُستاذ ہیں۔ جبکہ حضرت امام مالکؒ راویوں کو پرکھنے میں نہایت سخت ہیں، جیسا کہ حضرت امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسعاف المبطا ص ۴۰ میں تحریر فرمایا ہے: یزید بن رومان من شیوخ مالک وثقہ النسائی وابن معین وابن سعد وکان عالما کثیر الحدیث. کہ حضرت یزید بن رومانؒ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے شیوخ میں سے ہیں۔ اور حضرت امام نسائیؒ حضرت ابن معین اور حضرت ابن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ اور وہ کثیر الحدیث عالم تھے۔

علاوہ ازیں حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے خود حضرت یزید بن

رومان رحمۃ اللہ تعالیٰ کی روایات اپنے مؤطا میں نقل فرمائی ہیں، جو کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے بقول کتاب اللہ کے بعد اصح الکتب ہے، جیسا کہ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حجۃ اللہ البالغہ ج۱ ص۱۰۱ میں تحریر فرمایا ہے: قال الشافعی اصح الکتب بعد کتاب اللہ مؤطا مالک. واتفق اہل الحدیث علی ان جمیع ما فیہ صحیح علی رأی مالک ومن وافقہ واما علیٰ رأی غیرہ فلیس فیہ مرسل ولا منقطع الا قد اتصل السند بہ من طرق اخریٰ وقد صُنف فی زمان مالک مؤطات کثیرۃ فی تخریج احادیثہ و وصل منقطعہ مثل کتاب ابن ابی ذئب و ابن عیینہ والثوری ومعمر. کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب مؤطا امام مالک ہے۔ اور تمام محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس میں جتنی روایتیں ہیں سب کی سب حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ اور اُن کے موافقین اور ہم خیال مُحدّثین کی رائے کے مُطابق صحیح ہیں۔ (کیونکہ وہ لوگ مرسل کو بھی صحیح و مقبول مانتے ہیں) اور دُوسروں کی رائے پر اس میں کوئی مرسل یا منقطع ایسا نہیں ہے کہ دُوسرے طریقوں سے اس کی سند متصل نہ ہو۔ اور حضرت امام مالکؒ کے زمانہ میں مؤطا کی حدیثوں کی تخریج کے لیے اور اس کے منقطع کو متصل ثابت کرنے کے لیے بہت سے مؤطا تصنیف ہوئے، جیسے حضرت ابن ابی ذئب، حضرت ابن عُیینہ، حضرت ثوری اور حضرت معمر رحمہم اللہ تعالیٰ کی کتابیں ہیں۔

اور دُوسرا جواب یہ ہے کہ:

صحابیؓ کی مرسل روایت تو بالاتفاق سب کے نزدیک حجت ہے، اسی طرح ۲۰۰ھ تک کے تابعینِ کرامؒ کی مرسل روایت بھی سب کے نزدیک حجت رہی ہے اور کسی محدث نے اس سے اِنکار نہیں کیا۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے حضرت علامہ ابنِ جریرؒ کے حوالے سے تحریر فرمایا: اجمع التابعون علیٰ قبول المرسل ولم یاتِ عنھم انکارہ ولا عن احد من الائمۃ الی راس المائتین. قال ابن عبد البر کانہ یعنی ان الشافعی اول من ردہ (شرخیتی علیٰ ھامش الفیۃ العراقی ص ۲۲) کہ تمام تابعینِ کرامؒ نے مرسل حدیث کو قبول کرنے پر اِتفاق کیا ہے۔ اور ان میں سے کوئی بھی اس کا منکر نہیں ہے اور دُوسری صدی کے خاتمہ تک اماموں میں سے کسی امام نے اس کا انکار نہیں کیا۔ حضرت علامہ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علامہ ابن جریرؒ کا اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مرسل حدیث کو مردود قرار دیا ہے۔

بلکہ اگر راوی ثقہ ہو تو دُوسری صدی کے بعد والی مرسل حدیث کو اکثر علماء تسلیم کرتے ہیں، اور ان میں خود حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگرد حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی شامل ہیں۔ جیسا کہ حضرت علامہ بحر العلوم عبد العلیؒ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص ۴۵۹ میں تحریر فرماتے ہیں: وان کان المرسل من غیرہ فالاکثر ومنھم الائمۃ الثلثۃ الامام ابوحنیفۃ والامام مالک والامام احمد قالوا یقبل مطلقاً اذا کان الراوی ثقۃ. کہ غیرِ صحابی یعنی تابعی یا تبع تابعی کی مرسل روایت کو اکثر علماء جن میں تینوں امام حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ بھی شامل ہیں یقیناً قبول کر لیتے ہیں، بشرطیکہ راوی ثقہ ہو۔

اور یہ علماء کرام و مجتہدین عظامؒ ایسی مُرسل روایتوں کو اِس لیے قبول کر لیتے ہیں کہ بعض صحابہؓ و تابعینؒ عام طور پر احادیث بطریقِ ارسال ہی بیان فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً: سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا براء بن عازبؓ، حضرت سعید بن مسیبؒ، حضرت علامہ شعبیؒ، حضرت ابوالعالیہؒ، حضرت محمد بن سیرینؒ، حضرت ابراہیم نخعیؒ، اور حضرت حسن بصریؒ وغیرہ۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت علامہ بحر العلوم رحؒ نے شرح مسلم الثبوت ص ۴۶۱ میں تحریر فرمایا ہے: فان ذلک اجماع علی قبول المراسیل. کہ ان بڑے بڑے صحابہؓ و تابعینؒ کا یہ عمل اس بات پر اجماع ہونے کی دلیل ہے کہ (ثقاہت راوی کی شرط کے ساتھ) مرسل حدیثیں قابلِ قبول ہوتی ہیں۔

حضرت امام محی الدین نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام احمد بن حنبل اور اکثر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب یہی ہے کہ مُرسل حدیث قابلِ اِحتجاج ہوتی ہے۔ (دیکھیے مقدمہ شرح مسلم ص ۱۷)

نیز حضرت امام سفیان ثوری، حضرت امام مالک اور حضرت امام اوزاعی رحمہم اللہ تعالیٰ بھی مرسل حدیث سے دلیل پیش کرتے تھے۔ (دیکھیے توجیہ النظر ص ۲۴۵)

اِسی طرح حضرت یزید بن رومان رحمۃ اللہ تعالیٰ کی حدیث کو بے شک علماء کرام نے منقطع بیان کیا ہے لیکن حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ اسے حجت قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ رسالہ غلام رسول میں ہے: حدیثِ یزید بن رومان ہرچند منقطع نوشتہ اند امّا نزد حنفیہ و مالکؒ حجت قرار دادہ۔

مذکورِ بالا تحریر اور حوالہ جات سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ مرسل روایت کو سرے سے قابل الرد سمجھتے ہیں، لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے، کیونکہ وہ بھی صاف لفظوں میں اس طرح نہیں کہتے کہ کسی قسم کی مرسل بھی حجت نہیں۔ بلکہ جیسا اوپر لکھا جا چکا ہے صحابۂ کرامؓ کی مرسل روایت کو تو حضرت امام شافعیؒ بھی بلا تردد حجت تسلیم کرتے ہیں۔ اور مراسیلِ سعید بن مسیبؒ کو بھی بلا جھجک حجت مانتے ہیں (کتبِ اصول) ان کے علاوہ دُوسرے مراسیل کو بھی چند شرطوں کے ساتھ حجت مانتے ہیں۔

چنانچہ مسلک شافعیہ کے متبع محدث حضرت علامہ محی الدین یحییٰ بن شرف نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے امام حضرت محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مذہب ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے: ومذهب الشافعی انه اذا انضم الی المرسل

مایعضده احتج به و ذٰلك بان یروی ایضا مسندا او مرسلا من جهةٍ اخریٰ او یعمل به بعض الصحابة او اکثر العلماء (مقدمہ مسلم للنووی ص ۱۷)

کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ مرسل حدیث کے ساتھ جب اس کا مؤید مل جائے مثلاً کسی دُوسرے طریق سے وہی روایت مُسنداً یا مُرسلاً ہی مروی ہو یا اس پر بعض صحابہؓ کا عمل رہا ہو یا اکثر علماء اس پر عامل ہوں تو اُسے حُجت سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام شافعیؒ بیس رکعت تراویح کے قائل ہیں۔

مراسیل مؤطا مالکؒ اور امام شافعیؒ

مؤطا امام مالکؒ میں جو مرسل روایات منقول ہیں حضرت امام شافعیؒ کا بلا اِستثناء ان سب پر ایمان ہے۔ اور وہ مراسیلِ مؤطا مالکؒ کو حجت مانتے ہیں۔ اور اس بات کا اِنکشاف مُتبعینِ امام شافعیؒ میں سے عالمِ اجل حضرت علّامہ جلال الدین عبدُالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی رحمہُ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، جسے حضرت علّامہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف بن احمد بن علوان الزرقانی المصری المالکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مؤطا امام مالکؒ کے مقدمہ ص ۸ پر نقل کیا ہے۔ چنانچہ امام زرقانیؒ نے فرمایا:

قال السیوطی مافیه من المراسیل مع کونها حجة عنده (مالك) بلا شرط وعند من وافقه من الائمة هی حجة عندنا ایضًا لان المرسل حجة عندنا اذا اعتضد وما من مرسل فی المؤطا الاوله عاضد او عواضد فالصواب اطلاق ان المؤطا صحیح لا یستثنی منه شیٔ

کہ حضرت امام سیوطی رحمہُ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مؤطا امام مالکؒ میں جس قدر بھی مرسل روایات ہیں، وہ جس طرح حضرت امام مالک بن انس الحمیری الاصبحی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان سے اِتفاق رکھنے والے ائمہ کے نزدیک بغیر کسی شرط کے حجت ہیں، اسی طرح ہمارے یعنی شافعیہ کے نزدیک بھی وہ تمام مرسل روایات حجت ہیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک ہر وہ مرسل روایت حُجت ہے جسے (کسی مسند یا مرسل روایت یا عملِ صحابہؓ اور تعامل علماء سے) قوت اور تائید حاصل ہو چکی ہو، اور

مؤطا امام مالکؒ میں جس قدر بھی مرسل روایات منقول ہیں ان سب کی یہی حالت ہے (کیونکہ مؤطا امام مالکؒ میں کوئی مرسل روایت ایسی نہیں جس کا کوئی مقوی یا مؤید موجود نہ ہو۔ پس صحیح بات یہی ہے کہ مؤطا امام مالک بلا استثناء کلی طور پر صحیح ہے۔

یزید بن رومانؒ کی مرسل عند الشافعیؒ بھی حجت ھے

اب اگر حضرت علامہ سیوطیؒ کے بیان کردہ قانون کی روشنی میں حضرت یزید بن رومانؒ کی اس مرسل روایت کا جائزہ لیا جائے تو اس کا عندالشافعی حجت ہونا بالکل درست قرار پاتا ہے۔ کیونکہ اس مرسل روایت کو دوسری مسند اور مرسل طرق والی روایات سے قوت اور تائید حاصل ہے۔ مثلاً سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت یحییٰ بن سعیدؒ و حضرت عبدالعزیز بن رفیعؒ وغیرہ کی مسند و مرسل روایات، نیز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل بھی اس کا مؤید ہے، جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اور یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ قبل ازیں جہاں ہم نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ صحابۂ کرامؓ و تابعینؒ نمازِ تراویح پڑھتے تھے وہاں ہم نے بیس تراویح کا لفظ قصداً چھوڑ دیا تھا، کیونکہ وہاں تعدادِ رکعات کا موضوع زیرِ بحث نہیں تھا، وہاں صرف یہ بتلانا مقصود تھا کہ نمازِ تراویح پڑھنا سُنّت نبویؐ و عملِ صحابہؓ سے ثابت ہے۔ اور یہ بات بھی کم و بیش ان تمام محولہ عبارات میں موجود ہے کہ صحابۂ کرامؓ و خلفائے راشدینؓ اور تابعینؒ سب نمازِ تراویح کی بیس رکعات ہی پڑھا کرتے تھے، جبکہ اس کے ساتھ تین وتر ملا کر کل تیئیس رکعات ہوتی ہیں۔ اور اکثر بلکہ تمام علماء کرام اور مجتہدینِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کا سلفاً خلفاً اسی پر عمل رہا، اس طرح حضرت یزید بن رومان رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس زیرِ بحث مرسل روایت کو بشمول صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ و محدثینؒ تمام اُمّتِ مُسلمہ کی تائید حاصل ہو گئی، اس لیے یہ روایت قابلِ احتجاج ہے۔ حالانکہ قاعدۂ بالا کی رو سے اگر اس روایت کو صرف ایک طریق سے ہی تائید حاصل ہو جاتی تو کافی تھا، مگر خوش قسمتی سے اس روایت کو ہر طرح کی تائیدات سے بھرپور قوت حاصل ہے۔ مثلاً:

- مرسل طریقہ سے اس کی مؤید روایاتِ کثیرہ کا موجود ہونا۔
- مُسند طریقہ سے بھی اس کی مؤید روایت کا موجود ہونا۔
- خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل کرنا۔ اور ان کے علاوہ دُوسرے متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل کرتے رہنا۔
- تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا عمل کرتے رہنا۔
- ائمۂ متبوعین مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کا عمل کرنا اور متبعین کو بتلانا۔
- تمام علماء اہلِ حدیث کا سلفاً خلفاً ہر زمانہ میں اس پر عمل کرتے رہنا۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کتابُ الاُم ج ا ص ۱۲۵ میں حضرت امام مالک بن انس الحمیری الاصبحی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اُستاذ حضرت یزید بن رُومان المدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی اسی مرسل حدیث کو حجت قویہ قرار دیتے ہُوئے واضح لفظوں میں تحریر فرمایا ہے: واحبّ الیّ.... عشرون لانہ روی عن عمر رضی اللہ عنہ وکذلک یقومون بمکۃ ویوترون بثلٰث. کہ خود میرے نزدیک بھی بیس رکعت تراویح پڑھنا ہی محبوب ترین ہے، کیونکہ امیر المومنین سیّدنا امام عُمر رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے۔ علاوہ ازیں مکہ مکرمہ کے لوگ بھی بیس رکعت نمازِ تراویح اور تین وتر ہی پڑھتے ہیں۔ یعنی اہلِ مکہ کا بھی اسی پر عمل ہے۔

روایتِ یزیدؒ مُرسل نہیں بلکہ مُتّصل ہے

گزشتہ صفحات میں ہماری بحث علیٰ سبیل التنزل رہی ہے۔ مگر درحقیقت اُصولِ حدیث کے پیش نظر یہ روایت مُرسل نہیں بلکہ متصل کہلانے کی مستحق ہے اور متصل روایت سب کے نزدیک حجت ہے، بشرطیکہ اس کے تمام راوی ثقہ ہوں۔ چنانچہ:

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تدریب الراوی میں قانون بیان کیا ہے: وان روی التابعی عن الصحابی قصۃ ادرک وقوعہا

فمتصل وكذا ان لم يدرك وقوعها ولكن اسند حاله والا فمنقطعة. کہ علماء اہلِ حدیث کا اصول اور قانون ہے کہ اگر کوئی تابعی کسی صحابی سے کوئی ایسا واقعہ بیان کرے جس کا وقوع خود اس تابعی نے پایا ہو، اور اگر اس قصہ کا وقوع تو خود اس نے نہ پایا ہو لیکن وہ اپنی پوری سند بیان کرے تو وہ روایت متصل کہلائے گی ورنہ وہ روایت منقطع سمجھی جائے گی۔

اس قانون کی رُو سے حضرت یزید بن رومانؒ کی یہ روایت متصل کہلائے گی، جبکہ متصل قابلِ عمل اور لائقِ حجت ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ روایت قابلِ حجت ہے۔

مسند طرق سے روایتِ یزیدؒ کی تائید

حضرت یزید بن رومان رحمۃ اللہ تعالیٰ کی یہ روایت قانونِ بالا کی روشنی میں ہم نے اس کا اِتصال ثابت کر دکھایا ہے، اور اس طرح یہ روایت حجت قرار پائی تاہم ایک اور متصل سے اس کی تائید ہوتی ہے، لگے ہاتھوں وہ بھی دیکھ لیجیے:

قد اخبرنا ابو عبد الله الحسين بن محمد بن الحسين بن فنجويه الدينوري بالدامغان ثنا احمد بن محمد بن اسحٰق السنی ثنا عبد الله بن محمد بن عبد العزيز البغوی ثنا علی بن الجعد انبانا ابن ابی ذئب عن يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شهر رمضان بعشرين ركعة.

یعنی حضرت یزید بن خصیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سیدنا سائب بن یزید بن سعید بن ثمامۃ الکندی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عہدِ فاروقی میں ان کے زمانہ کے لوگ رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ (بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

اس اثر کی سند کو حضرت علامہ نووی، علامہ عراقی اور علامہ سیوطی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے صحیح قرار دیا ہے۔ (دیکھیے تحفۃ الاخیار ص ۱۹۲ و تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۵ و مصابیح ص ۴۲)

اسی طرح حضرت مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے شرح مؤطا میں اور

حضرت علامہ تقی الدین علی بن عبد الکافی السُبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے شرح منہاجُ الطالبین میں بھی اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۵)

سیّدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی حضرت یزید بن خصیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سے مروی امیر المومنین سیّدنا امام عُمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں باجماعت بیس رکعت نمازِ تراویح کے اثبات میں یہ روایت حضرت محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی ذئب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے منقول ہے۔ جبکہ اسی متن کی حضرت یزید بن خصیفہؒ سے مروی ایک روایت حضرت مُحدّث محمد بن جعفر رحمۃ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے ہم تک پہنچنے کا ذریعہ بنی۔ اور یہ دونوں مُحدّث یعنی حضرت محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی ذئب اور حضرت محمد بن جعفر رحمہما اللہ تعالیٰ حضرت یزید بن خصیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں۔ اور جس راوی کے دو شاگرد ہوں وہ چاہے کتنا ہی مستور الحال اور گمنام ہو پھر بھی اُسے مجہول اور غیر معتبر نہیں کہا جاسکتا۔

اِسی طرح سیّدنا سائب بن یزیدؓ کی اسی حدیث کی سند میں ایک مُحدّث کا نام حضرت حسین بن محمد بن حسین بن فنجویہ ابوعبد اللہ دینوری رحمۃ اللہ تعالیٰ آتا ہے؛ جبکہ ان کا نام نامی بھی مشاہیر اور بڑے مُحدّثین کی فہرست کو زینت بخشتا ہے۔ حضرت مُحدّث ابن فنجویہ دینوریؒ سُنن نسائی کے اُس نسخہ کے مشہور راوی ہیں جو پاک و ہند میں متداول ہے۔ اور حضرت مُحدّث دینوریؒ نے یہ روایت حضرت مُحدّث احمد بن محمد بن اسحٰق السُنّی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے نقل فرمائی ہے۔ (المشتبہ للذہبی) حضرت امام شمسُ الدین محمد بن احمد الذہبی محدّث ترکمانی دمشقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ۴۱۴ھ میں وفات پانے والے مشاہیر میں ان کا ذکر بھی کیا ہے۔ اِسی طرح حضرت علامہ عزالدین علی بن محمد بن اثیر الجزری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے انھیں "الحافظ" کے خطاب سے نوازا ہے۔ جبکہ "الحافظ" کا لفظ اسی طرح الفاظِ توثیق میں شمار کیا جاتا ہے جیسا کہ لفظ ثقہ، ثبت، حُجّۃ، امام اور ضابط۔ نیز حضرت علامہ بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے السنن الکبریٰ میں ان سے بکثرت روایات لی ہیں۔

روایتِ یزید رحؒ کی مؤید ایک اور حدیث

حضرت یزید بن رومان رحمۃ اللہ تعالیٰ کی روایتِ تراویح کو جس طرح حضرت یزید بن خصیفہ رحؒ سے سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت نے تقویت بخشی ہے جس میں امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بہ التزام جماعت رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح اور تین وتروں کا اثبات ہے۔ اسی طرح ایک اور روایت سے بھی روایتِ یزید بن رومانؒ کی بھرپور تائید ہوتی ہے۔ جس میں امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں خود حضرت امیر المومنینؓ کے بیس رکعت تراویح اور تین وتروں کا ذکر ہے۔ اور وہ روایت مع سند کے یہ ہے:

اخبرنا ابو الحسن بن الفضل القطان ببغداد انبأ محمد بن احمد بن عیسیٰ بن عبدك الرازی ثنا ابو عامر عمرو بن تمیم ثنا احمد بن عبد اللہ بن یونس ثنا حماد بن شعیب عن عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمٰن السلمی عن علی رضی اللہ عنہ قال دعا القراء فی رمضان فامر منھم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعۃ قال وکان علی رضی اللہ عنہ یوتر بھم۔ کہ حضرت عبد اللہ بن حبیب بن ربیعہ ابو عبد الرحمٰن سُلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ نے رمضانُ المبارک میں قراء حضرات کو طلب فرمایا اور پھر ان قراء میں سے ایک قاری صاحب کو حکم فرمایا کہ آپ لوگوں کو بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھائیں۔ اس کے بعد حضرت ابو عبد الرحمٰن سُلمی رحؒ نے فرمایا کہ (تراویح کے بعد) نمازِ وتر خود امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ پڑھاتے تھے۔ (بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

مذکورہ بالا سند کے علاوہ ایک اور سند سے بھی بیس رکعت تراویح کا یہ واقعہ حضرت علامہ ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۷ میں نقل کی ہے جس کے راوی حضرت ابو الحسناء رحؒ ہیں۔ اور اس روایت میں ہے کہ امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی (قاری) کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو پانچ ترویحوں کی صورت میں بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھایا کرے۔

لیکن یہ دُوسری روایت نقل فرمانے کے بعد حضرت علامہ بیہقیؒ نے فرمایا کہ اِس روایت میں ضعف ہے۔ لیکن ان کے نزدیک اس روایت کا ضعف یقینی نہیں بلکہ غیر یقینی ہے، یہی وجہ ہے کہ امام بیہقیؒ نے آخر میں لکھا ہے: واللہ اعلم کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ اس روایت میں ضعف ہے بھی یا نہیں۔ اور اگر امام بیہقیؒ کو واقعی اس روایت کے ضعیف ہونے کا یقین کامل ہوتا تو وہ اس کے ضعف کی طرف اِشارہ کرنے کے بعد واللہ اعلم کبھی نہ کہتے۔ اس لیے کہ جب انھوں نے حضرت ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان العبسی کی تضعیف کی تو وہاں پورے یقین کے ساتھ وھو ضعیف کہا ہے اور اس کے بعد واللہ اعلم نہیں لکھا۔ حالانکہ حضرت ابراہیم عبسیؒ بھی ضعیف نہیں بلکہ ثقہ ہیں، البتہ بعض علماء نے غلط فہمی سے ان کی تضعیف کی ہے جو درست نہیں۔ جیسا کہ تفصیلاً پہلے لکھا جا چکا ہے۔

کیا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا شاگرد ابوالحسناء مجہول ہے

اب رہا یہ کہ حضرت علامہ ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تقریب التہذیب میں اور حضرت علامہ شمسُ الدین محمد بن احمد ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے میزان الاعتدال میں بھی ابوالحسنا کو مجہول قرار دیا ہے۔ اور ہم بھی ابن حجرؒ و ذہبیؒ کی بات سے پوری طرح اتفاق کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ واقعی وہ ابوالحسنا تو ضرور مجہول ہے جو آٹھویں طبقہ کا ہے اور جس کا شاگرد صرف شریک ہے۔ لیکن یہ ابوالحسنا جو امیر المومنین سیّدنا امام علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، اور ہیں۔ اور دو بڑے بڑے محدث ان کے شاگرد ہیں۔ جن میں سے ایک کا نام نامی ہے ابوسعد البقال، جبکہ دُوسرے کا نام نامی عمرو بن قیس ہے۔ رحمہما اللہ تعالیٰ۔ اور جس راوی سے روایت کرنے والے دو شاگرد ہوں اُسے مجہول نہیں کہا جا سکتا، لیکن علامہ نیموی نے ان کے دونوں نامی گرامی شاگردوں کی روایتیں نقل کرنے کے باوجود ابوالحسنا کو مجہول ہی کہا ہے۔ تو ان کے مجہول کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مجہول العین ہیں، بلکہ یہ ایسے مجہول ہیں جسے اِصطلاحِ مُحدّثین میں مستور کہا جاتا ہے۔

جبکہ محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک مستور کی روایت بغیر کسی قید کے مقبول ہے جیساکہ شرح نخبۃ الفکر ص ۷۱ میں ہے۔ البتہ جمہور کہتے ہیں کہ مستور کی روایت مردود ہے۔ اس کے بعد حضرت علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنا تحقیقی قول تحریر فرمایا کہ مستور کی روایت نہ مقبول ہے نہ مردود' بلکہ حال ظاہر ہونے تک اس کے بارے میں توقف کیا جائے۔ جبکہ حال ظاہر ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی دوسرا اس کی برابری والا بھی اس کی متابعت یعنی تائید کردے۔ تو اس صورت میں اُس کی روایت "حسن لغیرہٖ" بن جائے گی۔

شرح نخبۃ الفکر ص ۷۴ میں ہے: متی توبع السیئ الحفظ بمعتبرٍ کان یکون فوقہ او مثلہ لا دونہ وکذا المختلط الذی لا یتمیز والمستور والاسناد المرسل وکذا المدلس اذا لم یعرف المحذوف منہ صار حدیثھم حسنا لغیرہ لا لذاتہ بل وصفہ باعتبار المجموع۔

کہ جب کسی کمزور حافظہ والے راوی کی متابعت یعنی تائید کسی معتبر راوی سے ہوجائے اور معتبر کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے بہتر ہو یا برابر لیکن اس سے کم نہ ہو اسی طرح اگر کسی مختلط راوی کی کوئی تائید کردے۔ یا مستور، مرسل اور مدلس راوی کی کوئی تائید کردے تو ان سب کی حدیثیں حسن لغیرہٖ ہو جائیں گی لیکن اپنی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ مجموعی حیثیت کے اِعتبار سے حسن لغیرہٖ کہلائیں گی۔

اور زیرِ بحث روایت کے مستور راوی ابوالحسنا کی متابعت یعنی تائید امیرالمومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کے ایک اور شاگرد حضرت عبداللہ بن حبیب بن ربیعہ ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کی ہے جو ثقہ راوی ہیں۔ اِس طرح حضرت ابوالحسنا کی یہ روایت جمہور کے نزدیک بھی معتبر اور مقبول ہوگئی۔

مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت علامہ بیہقیؒ نے اس روایت کو ابوالحسنا کی وجہ سے ضعیف نہیں کہا، کیونکہ ابوالحسنا ضعیف نہیں ہے۔ البتہ جس سند سے بیہقیؒ نے یہ روایت نقل کی ہے اس میں ابوالحسنا

کا شاگرد ابو سعد بقال ہے، جسے تمام نقاد ضعیف کہتے ہیں۔ اور اسی کی وجہ سے علامہ بیہقیؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ لیکن دُوسری سند کے لحاظ سے ابو الحسنا کی یہ روایت صحیح ہے، جس کا ذکر علامہ بیہقیؒ نے نہیں فرمایا۔ جبکہ حضرت علامہ علاؤ الدین بن علی بن عثمان ماردینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الجوہر النقی ص ۴۹۶ ج ۲ میں مُصنّف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے اس روایتِ صحیح کا ذکر فرما دیا ہے۔

مصنّف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳ میں یہ روایت درج ذیل سند کے ساتھ منقول ہے: حدثنا وکیع عن حسن بن صالح عن عمرو بن قیس عن ابی الحسناء۔ یعنی بیس رکعت نمازِ تراویح والی امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت حضرت ابو الحسناء سے حضرت عمرو بن قیس المُلائی ابو عبد اللہ کوفی نے اور ان سے حضرت حسن بن صالح بن صالح بن حی بن شُفَیّ الہمدانی الثوری نے اور اُن سے حضرت امام وکیع بن الجراح بن ملیح الرُّؤاسی ابو سفیان الکوفی نے سُنی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ یاد رہے کہ اس سند کے سب راوی پُختہ اور ثقہ ہیں، ان میں سے کوئی بھی ضعیف نہیں مثلاً حضرت ابو الحسناءؒ کے شاگرد حضرت عمرو بن قیسؒ المُلائی ابو عبد اللہ کوفی ہیں، جن کے بارے میں حضرت علامہ ابن حجرؒ نے ثقۃ، متقن، عابد کے الفاظِ توثیق تحریر فرمائے ہیں۔ (دیکھیے تقریب التہذیب) اور حضرت علامہ ماردینیؒ نے فرمایا وثقہ احمد ویحیی وابو حاتم وابو زرعۃ وغیرھم واخرج لہ مسلم۔

حضرت عمرو بن قیس کے شاگرد ہیں حضرت حسن بن صالح بن صالح بن حی وہو حیان بن شُفَیّ الہمدانی الثوریؒ۔ اور ان کے حق میں علامہ ابنِ حجرؒ نے ثقۃ، فقیہ عابد کے الفاظِ توثیق تحریر فرمائے ہیں (تقریب التہذیب)

حسن بن صالح کے شاگرد ہیں حضرت امام وکیع بن الجراح بن ملیح الرُّؤاسی ابو سفیان الکوفیؒ جو کہ حضرت امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ صاحب مُصنّف کے استاذ ہیں، اور ائمۂ اعلام میں مشہور، اور اپنے وقت کے امام المسلمین تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر کوئی حافظ، ضابط اور متقن نہیں دیکھا۔ (خلاصہ تہذیب)

روایتِ ابوالحسناء کی تایید

حضرت امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد ابوالحسناؒ کی روایت کو جس طرح حضرت امیر المومنینؓ کے دوسرے شاگرد حضرت عبداللہ بن حبیب بن رُبَیعَہ ابوعبدالرحمٰن سُلمیؒ کی روایت سے زبردست تقویت و تایید حاصل ہُوئی اور اس سے حضرت ابوالحسناؒ کا مستورپن اور ان کے شاگرد سعید بن مرزبان ابوسعد بقالؒ کا ضعف بھی ختم ہوگیا، نیز حضرت امیرالمومنینؓ کے دُوسرے متعدد شاگردوں کے عمل سے مزید تقویت حاصل ہوگئی۔ اور پھر حضرت علامہ ابوبکر احمد بیہقیؒ نے حضرت شتیر بن شکل رحمہ اللہ تعالیٰ کے اثر کو وفی ذٰلك قوۃ فرماکر اس کی تمام کمزوریاں نکال ڈالیں۔ اسی طرح دیگر شاگردانِ علیؓ میں سے حضرت شتیر بن شکل بن حمید، حضرت ابوالبختری بن فیروز حضرت حارث اعور، حضرت علی بن رُبَیعَہ، حضرت سوید بن غفلہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے عمل نے اسے "حسن" کے درجے تک پہنچا دیا۔ کیونکہ جب کوئی حدیث یا اثر متعدد طریقوں سے مروی ہو تو چاہے الگ الگ ہر طریق بجائے خود ضعیف ہو مگر سب مل کر حسن لغیرہٖ کی حیثیت حاصل کر لیتے ہیں۔ کیونکہ ابکار المنن ص ۱۷۸ و ۱۷۹ میں ہے: ھٰذا الحدیث وان کان ضعیفا لٰکنہ منجبر بتعدد طرقہ کہ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر تعددِ طرق سے اس کی ساری کمزوری دُور ہوگئی۔ اور ص ۱۳۱ میں ہے: ولوسلوان کلھا ضعیفۃ فھی بمجموعھا تبلغ درجۃ الحسن. کہ اگر بالفرض یہی تسلیم کرلیا جائے کہ یہ طرق کلی طور پر سب کے سب ضعیف ہی ہیں، تب بھی اتنا تو ہے کہ ان تمام ضعیف طرق کے جمع ہوجانے سے حسن کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ جبکہ حسن حُجّت ہے۔

اس قاعدہ کی رو سے اگر بیس تراویح والی تمام روایات میں بھی ضعف ثابت کردیا جائے تب بھی وہ حسن ہوکر حُجّت قرار پائیں گی اور ان کا ضعف ختم ہوجائے گا۔

شاگردانِ علیؓ کی عملی تایید

حضرت ابوالحسناءؒ کی روایت کو جہاں حضرت امیرالمومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمی کی روایت سے تقویت حاصل ہوئی وہاں درجِ ذیل دیگر شاگردانِ علیؓ کے عمل سے بھی اسے تقویت حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً:

حضرت سوید بن غفلہ جعفی ابوامیہ کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ جوکہ پہلے چار خلفائے راشدینؓ کے شاگرد ہیں، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس وقت مدینہ منورہ میں تشریف لاکر مسلمان ہوئے جب لوگ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاکی جسدِ اطہر کو دفن کرچکے تھے۔ اس طرح یہ خود بھی تابعی ہیں، اور ایک مشہور تابعی حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اُستاذ بھی ہیں۔ مشہور نقاد حضرت یحییٰ بن معینؒ نے انھیں ثقہ کہا ہے۔ (دیکھیے خلاصہ تذہیب تہذیب) یہ بھی رمضان المبارک میں بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھا کرتے تھے۔ جیساکہ اُن کے ایک شاگرد حضرت ابوالخصیبؒ نے فرمایا ہے: كان يؤمنا سويد بن غفلة فى رمضان فيصلى خمس ترويحات عشرين ركعة. کہ حضرت سوید بن غفلہ جعفی ابوامیہ کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ رمضان المبارک میں ہماری امامت کرتے تھے، اور پانچ ترویحوں کی صورت میں بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھاتے تھے۔ (دیکھیے بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

حضرت شتیر بن شکل عبسی کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ تابعی ہیں۔ انھیں امیرالمومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کی شاگردی کا اعزاز حاصل ہے، جبکہ خود اپنے والد سیدنا شکل بن حمید رضی اللہ عنہ سے بھی انھوں نے اکتسابِ علم کیا۔ امام نسائیؒ نے انھیں ثقہ کہا ہے۔ اور یہ بھی نمازِ تراویح کی بیس رکعتیں ہی پڑھتے تھے، جیساکہ ان کے شاگرد حضرت عبداللہ بن قیس رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: كان يؤمهم فى شهر رمضان بعشرين ركعة ويوتر بثلاث (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳ و السنن الكبرىٰ للبيهقى ج ۲ ص ۴۹۶) کہ وہ رمضان شریف میں بیس رکعت تراویح اور تین وتروں کی امامت کرایا کرتے تھے۔

حضرت حارث بن عبداللہ ہمدانی حوتی ابوزہیر کوفی اعور رحمۃ اللہ تعالیٰ

امیر المومنین سیدنا امام علی اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں، جبکہ حضرت شعبی، حضرت عمرو بن مرہ اور حضرت ابو اسحق رحمہم اللہ تعالیٰ کے اُستاذ ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ کوئی پختہ راوی نہیں ہیں کیونکہ ان کی ایک روایت میں حضرت ابو حاتمؒ اور نسائیؒ نے انھیں لیس بالقوی کہا ہے، جبکہ یحییٰ بن معینؒ نے انھیں ضعیف قرار دیا۔ تاہم یحییٰ بن معین نے یہ بھی کہا ہے: لیس بہ بأس کہ ان کی روایت لینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کچھ معمولی سا ضعف ہے۔ جو زیادہ قابلِ اعتراض نہیں۔ ان کے شاگرد حضرت ابو اسحقؒ نے فرمایا: كان يؤم الناس فى رمضان بالليل بعشرين ركعة ويوتر بثلث (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳) کہ حضرت حارث اعور رحمۃ اللہ تعالیٰ رمضان المبارک کی راتوں میں بیس رکعت نمازِ تراویح اور تین وتروں کی امامت کرایا کرتے تھے۔

حضرت سعید بن فیروز بن عمران کوفی ابو البختری طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ تابعی ہیں، اور سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں، اور ان دونوں استاذوں سے براہِ راست روایت بیان فرماتے ہیں، علاوہ ازیں بطریقِ مُرسل امیر المومنین سیدنا امام عُمر اور امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہما سے بھی ان کی روایات موجود ہیں۔ حضرت ابنِ معینؒ اور حضرت ابوزرعہؒ نے انھیں ثقہ بتایا ہے۔ ان کے ایک شاگرد حضرت ربیعؒ ہیں، جو فرماتے ہیں: انه كان يصلى خمس ترويحات فى رمضان ويوتر بثلث (مصنف ج ۲ ص ۳۹۳) کہ حضرت ابو البختریؒ رمضان المبارک میں پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت اور تین وتر پڑھا کرتے تھے۔

حضرت علی بن ربیعہ بن نضلہ والبی ابو المغیرہ کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ کو امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

کی شاگردی کا شرف بھی حاصل ہے۔ بخاری و مسلم میں اس کی روایات موجود ہیں، یحییٰ بن معینؒ اور نسائیؒ نے انھیں ثقہ کہا ہے۔ ان کے شاگرد حضرت سعید بن عبیدؒ فرماتے ہیں: کان یصلی بھم فی رمضان خمس ترویحات ویوتر بثلٰث (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳) کہ حضرت علی بن ربیعہؒ رمضان المبارک میں پانچ ترویحے یعنی بیس رکعات اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

نیز قیام اللیل ص ۱۵۸ میں حضرت محدث مروزی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ، حضرت سعید بن ابی الحسن اور حضرت عمران العبدی رحمہم اللہ تعالیٰ بھی پانچ ترویحے یعنی بیس رکعات پڑھتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سیدنا ابوبکرہ نفیع بن حارث رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں، جن کی روایات صحیح بخاری میں بکثرت موجود ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہؒ کو ابن حجرؒ نے تقریب التہذیب میں ثقہ کہا ہے۔

حضرت سعید بن ابی الحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ تابعی ہیں، اور اپنی والدہ سیدہ خیرہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ اور حضرت ابوزرعہؒ وغیرہ نے انھیں ثقہ کہا ہے۔

بہرحال قانون بالا کی روشنی میں روایتِ ابوالحسناءؒ کو اس قدر تائیدات حاصل ہونے کے بعد اس میں اگر کوئی ضعف یا کمی تھی تو وہ ختم ہوگئی۔ اسی طرح روایتِ ابوالحسناءؒ وغیرہ کی تائید سے حضرت یزید بن رومانؒ کی روایت بھی مؤید ہوگئی اور اس کا ضعف ختم ہوگیا۔ اور ان سب کی تائید حضرت ابراہیم بن عثمان عبسیؒ سے مروی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو حاصل ہوگئی جس میں انھوں نے فرمایا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ پوری اُمتِ مسلمہ کا اِس بارے میں اجماع و اتفاق ہے کہ نمازِ تراویح بیس رکعت سے کم نہ پڑھی جائیں۔

تعدادِ رکعاتِ تراویح پر شبہ کا جواب

ہم نے اپنے سابقہ مضمون میں اس بات کی خوب وضاحت کر دی ہے کہ نمازِ تراویح جو رمضانُ المبارک میں پڑھی جانے والی مخصوص نماز ہے۔ اور ابتدا میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انفرادی طور پر اپنے آستانہ عالیہ میں، اور اِعتکاف کے دِنوں میں اکیلے ہی اعتکاف گاہ (مسجد) میں نمازِ تراویح کی بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ رمضان المبارک کی ایک رات کو آپؐ اپنے آستانۂ عالیہ سے باہر مسجدِ نبویؐ کی طرف نکلے، وہاں آپؐ نے دیکھا کہ کچھ لوگ تو انفرادی طور پر نمازِ تراویح پڑھ رہے ہیں اور کچھ لوگ سید القراء حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز تراویح پڑھ رہے ہیں۔

پھر ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرما کر انھیں باجماعت نمازِ تراویح پڑھائی، جس میں تقریباً رات کا تہائی حصہ صرف فرمایا، اور یہ ۲۳ رمضان کا واقعہ ہے۔ پھر ۲۴ر کو جماعت نہیں کرائی اور ۲۵ر کو پھر جماعت کے ساتھ نمازِ تراویح پڑھائی، جس میں آدھی رات لگا دی، پھر ۲۶ر کو جماعت نہیں کرائی اور ۲۷ر کو جماعت کرائی تو اتنی دیر تک مصروف رہے کہ صحابۂ کرامؓ کو خطرہ محسوس ہونے لگا کہ آج کہیں سحری کھانے سے بھی محروم نہ رہ جائیں۔ اس کے بعد باقی راتوں میں اس لیے جماعت کے ساتھ تراویح نہ پڑھائی کہ کہیں مسلمانوں پر فرض ہی نہ ہو جائے۔ یہ سب باتیں تفصیلاً پہلے لکھی جا چکی ہیں۔ یہاں صرف یاد دہانی کے لیے مختصراً اعادہ کیا گیا ہے۔

اب رہا یہ کہ ان راتوں میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعداد کے لحاظ سے کتنی رکعتیں پڑھی تھیں، تو اس کا ذکر کسی صحیح حدیث میں نہیں ہے اور جن صحیح روایتوں میں باجماعت نمازِ تراویح کا ذکر ہے ان میں تعدادِ

رکعات کا کچھ ذکر نہیں کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ تعدادِ رکعاتِ تراویح کے بارے میں علماءِ کرام کا باہم اختلاف ہے۔ اگرچہ انفرادی طور پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیس رکعت تراویح پڑھنا ثابت ہے، جیسا کہ گزشتہ اوراق میں تفصیلاً لکھا جا چکا ہے، تاہم ہمیں صراحۃً حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا کوئی فرمان نہیں ملا، جس میں آپؐ نے فرمایا ہو کہ تراویح کی اتنی رکعتیں پڑھا کرو۔

اب جیسا کہ ہمیں عددِ تراویح سے متعلق سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت ملی، جسے علماء نے ضعیف بتلایا ہے، لیکن ہم نے اس روایت پر سیر حاصل بحث کر کے ثابت کیا ہے کہ وہ روایت صحیح اور قابلِ عمل ہے۔ اسی طرح عدد تراویح کے بارے میں سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک اور روایت بھی کتبِ احادیث میں موجود ہے۔ جس میں آٹھ رکعت نمازِ تراویح کا صراحۃً ذکر موجود ہے۔ اگرچہ تعاملِ صحابہؓ سے تو اس کی تائید نہیں ہوتی اور نہ ہی تابعینؒ یا ائمہ مجتہدینؒ کے عمل سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ تاہم وہ روایت بھی یہاں لکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ:

آٹھ رکعت تراویح والی روایت:

قیام اللیل للمروزی ص ۱۵۵ و معجم صغیر للطبرانی ص ۱۰۷ میں وارد ہے:

حدثنا محمد بن حمید الرازی ثنا یعقوب بن عبد اللہ ثنا عیسی بن جاریہ عن جابر رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان لیلۃ ثمان رکعات والوتر۔ کہ محمد بن حمید نے ہمیں بتایا کہ یعقوب بن عبد اللہ نے ہمیں یہ بات بتائی تھی کہ انھیں عیسیٰ بن جاریہ نے بتایا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں ایک رات آٹھ رکعت تراویح اور تین وتر پڑھائے۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اس روایت کا راوی محمد بن حمید رازی ہے، جس کا استاذ یعقوب قمی اور اس کا استاذ عیسیٰ بن جاریہ ہے۔

مُحمّد بن حمید الرازی

آٹھ رکعت تراویح والی سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب مذکورِ بالا روایت کو سب سے پہلے اپنے اُستاذوں کا نام لے کر محدثین کے سامنے بیان کرنے والے شخص کا نام محمد بن حمید ہے جو رَیّ کا رہنے والا تھا، نقّاد مُحدّثین اس کے بارے میں کچھ اچھی رائے نہیں رکھتے اور اس پر کڑی تنقید کرتے ہیں۔ محدثینِ عظام کی آراء کو حضرت محدّث ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانیؒ اور حضرت مُحدّث شمسُ الدّین محمد بن احمد ذہبیؒ اور دیگر ناقدین نے جمع فرمایا ہے۔ مُشتے نمونہ اس کے چند اوصاف یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

- حضرت یعقوب بن شیبہؒ فرماتے ہیں: محمد بن حمید کثیرالمناکیر کہ محمد بن حمید بہت زیادہ منکر حدیثیں بیان کرنے والا شخص تھا۔
- حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں: فی حدیثه نظر کہ محمد بن حمید کی بیان کردہ حدیث میں نظر یعنی اعتراض ہے۔
- حضرت امام نسائیؒ نے فرمایا: لیس بثقة کہ محمد بن حمید ثقہ راوی نہیں۔ بلکہ ایک موقع پر تو امام نسائیؒ نے اسے کذّاب یعنی بڑا جھوٹا بھی کہا ہے۔
- حضرت علامہ جوزجانیؒ نے فرمایا: ردی المذهب غیر ثقة کہ یہ شخص بد مذہب اور غیر ثقہ ہے، جس کی بات کا کچھ اعتبار نہیں۔
- حضرت محدّث صالح بن محمدؒ فرماتے ہیں: ما رأیت احدًا أجرأ علی اللہ منه كان یأخذ احادیث الناس فیقلب بعضه علیٰ بعض کہ محمد بن حمید رازی سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ پر جرأت و جسارت کرنے والا کوئی شخص میں نے نہیں دیکھا۔ اور اس میں ایک خباثت یہ بھی تھی کہ دُوسرے لوگوں کی حدیثیں لے کر ان حدیثوں میں الٹ پھیر کر دیا کرتا تھا۔
- اور مزید یہ بھی فرمایا: ما رأیت احدًا احذق بالکذب من رجلین سلیمان الشاذکونی و محمد بن حمید کہ میں نے دو شخصوں سے زیادہ

جھوٹ بولنے میں حاذق و ماہر اور کوئی بھی نہیں دیکھا۔ ان میں سے ایک تو ہے سُلیمان شاذکونی، جبکہ دُوسرے کا نام محمد بن حمید ہے۔

ابونعیمؒ و ابن عدیؒ نے فرمایا: وجماعة من المشايخ اهل الری وحفاظهم فذكروا ابن حميد فاجمعوا علىٰ انه ضعيف فى الحديث جدًا وانه يحدث بما لم يسمعه وانه يأخذ احاديث اهل البصرة والكوفة فيحدث بها عن الرازيين۔
کہ رَیّ کے شیوخ اور حفاظ یعنی محدثین کی ایک جماعت نے محمد بن حمید کا تذکرہ شروع کردیا، جس میں متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا کہ یہ شخص حدیث کے معاملے میں بہت ہی ضعیف ہے۔ اور ایک ایسی انوکھی بات کرتا ہے جو اس نے کہیں سے بھی نہ سُنی ہو، یعنی من گھڑت قصے حدیث کے نام سے بیان کرتا ہے۔ اور کبھی تو ایسا بھی کرتا ہے کہ بصرہ اور کوفہ کے جھُوٹے لوگوں کی من گھڑت روایات اخذ کرکے رَیّ کے مُحدّثین کا نام لے کر بیان کردیتا ہے۔

- حضرت علامہ ابن خراشؒ نے فرمایا کہ محمد بن حمید نے ہمیں ایک حدیث سُنائی۔ جو جھوٹی اور من گھڑت تھی، کیونکہ وکان واللہ یکذب اللہ تعالیٰ کی قسم وہ ہمیشہ جھُوٹ بولا کرتا تھا۔
- حضرت محدّث محمد بن مسلم بن عثمان بن عبداللہ بن وارہؒ نے فرمایا: محمد بن حمید كذاب. کہ محمد بن حمید بہت بڑا جھوٹا آدمی ہے۔
- حضرتِ امام بخاریؒ کے اُستاذ حضرت امام اسحٰق الکوسجؒ فرماتے ہیں کہ: میں گواھی دیتا ہوں کہ محمد بن حمید کذّاب یعنی بہت بڑا جھوٹا ہے۔
- نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ متعدّد لوگوں سے ہم تک یہ شکایت پہنچی ہے کہ محمد بن حمید حدیث چور ہے، وہ حدیثیں چُراتا ہے۔ اور وہ اس قدر نالائق تھا کہ اسے قرآن مجید بھی یاد نہیں تھا۔

○ حضرت ابوزرعہؒ کے بھتیجے ابوالقاسمؒ نے ان سے پُوچھا کہ محمد بن حمید رازی کیسا آدمی تھا؟ تو انھوں نے اپنے مُنھ کی طرف اپنی اُنگلی سے چُپ رہنے کا اشارہ کیا۔ تو اس پر ابوالقاسمؒ نے دریافت کیا کہ کیا وہ جھوٹ بولتا تھا؟ تو آپ نے سر کے اشارے سے فرمایا کہ ہاں وہ جھوٹ بولتا تھا۔ اس پر ابوالقاسمؒ نے کہا کہ وہ بوڑھا ہوگیا تھا، اس لیے شاید تدلیس سے کام لیتا ہو۔ اس پر حضرت ابوزرعہؒ نے فرمایا: نہیں بیٹے، ایسی بات نہیں، وہ قصداً جھُوٹ بولا کرتا تھا۔

○ فضلک رازیؒ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ محمد بن حمید کے یہاں گیا تو وہ اس وقت اپنی من گھڑت اور سُنی سُنائی روایات کی سندیں گھڑ رہا تھا۔

○ نیز انھوں نے یہ بھی کہا کہ میرے پاس محمد بن حمید کی بیان کردہ پچاس ہزار روایات کا مجموعہ موجود ہے، لیکن ان روایات کی حالت یہ ہے کہ میں ان پچاس ہزار روایات میں سے ایک حرف بیان کرنے کو بھی جائز اور حلال نہیں سمجھتا۔

○ حضرت اسحٰق الکوسجؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں محمد بن حمید نے ابن اسحٰق کی کتاب المغازی پڑھ کر سُنائی اور دعویٰ کیا کہ اس نے یہ کتاب سلمۃُ الابرش سے سُنی ہے۔ اس کے بعد میرا علی بن مہران کے پاس جانا ہُوا، تو وہ بھی کتابُ المغازی ہی پڑھ کر سُنا رہا تھا، اور وہ بھی یہی دعویٰ کرتا تھا کہ اس نے یہ کتاب سلمۃ الابرش سے سُنی ہے اس پر میں نے دریافت کیا کہ کیا محمد بن حمید نے بھی یہ کتاب سلمۃ الابرش ہی سے پڑھی ہے۔ کیونکہ وہ بھی یہی دعویٰ کرتا ہے کہ یہ کتاب میں نے سلمۃ الابرش سے پڑھی ہے۔ تو وہ میری یہ بات سُن کر حیرت زدہ ہوگیا اور کہنے لگا کہ یہ کتاب تو اس نے میرے پاس پڑھی ہے۔ تب میں (الکوسج) نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ابن حمید جھوٹا ہے۔

یعقوب بن عبد اللہ قمی

آٹھ رکعت تراویح والی روایت کے پہلے راوی کے کرتوت تو آپ نے پڑھ لیے۔ اب اس روایت کی سند کے لحاظ سے اس کے استاذ کا نام یعقوب بن عبد اللہ ہے، جس کا پورا نام یعقوب بن عبد اللہ بن سعد بن مالک الاشعری ابو الحسن القمی ہے۔ ویسے تو مختلف روایات میں محمد بن حمید اپنے مختلف اساتذہ کا نام بیان کرتا ہے، لیکن چونکہ زیر بحث روایت میں اس "استاد" نے اپنے استاذ کا نام یعقوب بن عبد اللہ بتلایا ہے، اس لیے وقتی طور پر ہم یہی سمجھ لیتے ہیں کہ ممکن ہے اس نے یہ روایت خود نہ گھڑی ہو، بلکہ یعقوب بن عبد اللہ قمی سے ہی سُنی ہو۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس کے حالات سے بھی کچھ نہ کچھ آگاہی ہو جائے۔

چنانچہ حضرت محدّث دار قطنیؒ نے اس کے بارے میں لیس بالقوی کا فتویٰ صادر فرماتے ہوئے ہمیں آگاہ کر دیا کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ بات خود محمد بن حمید نے اپنے پاس سے نہیں گھڑی بلکہ یعقوب قمی ہی سے سُنی ہے تو یہ کونسا قوی آدمی تھا۔ نیز اس کے متعلق صدوق یھو کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ جھوٹا تو نہیں تھا البتہ سچ اور جھوٹ کے امتیاز میں وہم کا شکار ہو جاتا تھا۔ (تہذیب الکمال، خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال، الضعفاء والمتروکین لابن جوزی، المغنی فی الضعفاء للذہبی، میزان الاعتدال)

عیسیٰ بن جاریہ

یعقوب قمی کا استاذ اور محمد بن حمید رازی کا دادا استاذ عیسیٰ بن جاریہ ہے، جو مدینہ منورہ کا رہنے والا "الانصاری" تھا۔ گو کہ ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے لیکن:

- امام ابو داؤدؒ نے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔
- تقریب میں ہے فیہ لین کہ اس میں ضعف ہے۔
- علامہ دوری نے ابن معین کے حوالے سے فرمایا: عندہ مناکیر۔ کہ اس کے پاس بہت سی منکر احادیث ہیں۔
- امام ساجی اور عقیلی نے اسے ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔

- ابن عدیؒ نے فرمایا: احادیثه غیر محفوظة کہ عیسیٰ بن جاریہ کی حدیثیں غیر محفوظ ہیں، یعنی منکر و شاذ ہیں۔
- امام نسائیؒ نے فرمایا کہ یہ منکر الحدیث اور متروک ہے۔

محدثینِ عظام و ناقدین کے تبصرے جو سطورِ بالا میں نقل کیے گئے ہیں ان سے صراحۃً معلوم ہوگیا کہ آٹھ رکعت تراویح والی روایت حقیقت میں بعینہٖ اس طرح نہیں تھی جس طرح محمد بن حمید نے بیان کی ہے۔ اس لیے کہ اس کا راوی عیسیٰ بن جاریہ جو کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا شاگرد ہے وہ تابعی ہے، خیر القرون میں سے ہے، اس سے جھوٹ کا امکان مشکل ہے پھر بھی محقق علما کی تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ یہ منکر الحدیث اور ضعیف تھا، اور اس کی بیان روایت محفوظ نہیں سمجھی جاتی اور اس کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ جو الفاظ اس نے ہمیں بتائے ہیں، بعینہٖ یہی الفاظ اس نے اپنے استاذ سے سُنے ہیں یا اس میں ردّ و بدل اور کمی بیشی کی ہے۔

بہرحال ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ عیسےٰ بن جاریہ کے بارے میں کوئی ایسا لفظ کہیں جو اس کے شایانِ شان نہ ہو۔ اس کے بارے میں جو تبصرہ محقق علماء نے کیا ہے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

پھر عیسیٰ بن جاریہ کے نام سے آٹھ رکعت والی روایت بیان کرنے والا یعقوب بن عبداللہ قمی ہے، جسے ہم جھوٹا تو نہیں کہہ سکتے یہ سچا ہی تھا، لیکن اکثر اوقات سچ اور جھوٹ کے امتیاز میں وہم کا شکار ہوجایا کرتا تھا۔

پھر یعقوب قمی کے نام سے آٹھ رکعت تراویح والی یہ روایت بیان کرنے والا محمد بن حمید رازی ہے، جس کے بارے میں اہلِ تحقیق نقاد محدثین کے تبصرے قبل ازیں لکھے جاچکے ہیں، جن کی روشنی میں یہ بات کہنا شاید غلط نہ ہو کہ: در اصل "آٹھ رکعت" کے لفظ کا اضافہ خود محمد بن حمید رازی نے اپنی طرف سے کردیا ہے، ورنہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ لفظ موجود نہیں تھا۔

محمد بن حمید رازی کی دیگر موضوع روایتیں

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی زیرِ بحث روایت میں اپنی طرف سے آٹھ رکعت کا لفظ وضع کرنے والے وضّاع محمد بن حمید رازی نے صرف یہی لفظ وضع نہیں کیا، بلکہ اس کی موضوع روایات اور بھی ہیں۔ مثلاً:

محمد بن حمید رازی کا شاگرد ابنِ جریر طبری (اس کے بارے میں ہم اپنی رائے محفوظ رکھتے ہیں)، نے اپنی تفسیر میں اپنے اسی استاذ محمد بن حمید کی ایک روایت نقل کی ہے، جس میں اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگایا گیا ہے کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی کی منکر تھیں (نعوذ باللہ)، چنانچہ اس کی وضع کردہ روایت میں ہے: حدثنا ابن حمید قال حدثنا سلمۃ عن محمد قال حدثنی بعض آل ابی بکرؓ ان عائشۃؓ کانت تقول ما فقد جسد رسول اللہ ﷺ ولکن اسری بروحہ کہ ہمیں محمد بن حمید رازی نے بتایا کہ سلمۃ الابرش کہا کرتا تھا کہ میں نے محمد سے سُنا ہے جو کہا کرتا تھا کہ مجھے امیرالمومنین سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے کسی نے بتایا کہ اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ معراج کی رات حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر غائب نہیں ہُوا تھا، بلکہ آپ کو رُوحانی طور پر معراج ہُوئی تھی۔

اس روایت کے بارے میں تفصیلی بحث تو ہم نے اپنے رسالہ معراج النبیؐ میں تحریر کی ہے۔ یہاں صرف اتنا یاد رکھیں کہ یہ روایت موضوع و من گھڑت ہے۔ کیونکہ معراج کا واقعہ مکی عہد میں پیش آیا تھا جبکہ اُمّ المومنین آستانۂ نبویؐ جلوہ افروز نہیں ہُوئی تھیں۔ تو گویا یہ روایت محمد بن حمید کی جہالت کا مُنہ بولتا ثبوت ہے۔ جس سے کئی بد مذہب لوگوں نے فائدہ اُٹھاتے ہُوئے معجزات کا اِنکار کیا ہے۔ اور اِسی طرح اس روایت سے اہلِ رفض نے بھی فائدہ اُٹھایا ہے جو اہلِ بیتِؓ رسولؐ سے بُغض و کینہ رکھتے ہیں۔

ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے اپنے اسی اُستاذ محمد بن حمید رازی کے حوالے سے ایک من گھڑت روایت حضرت یُوسف علیہ السلام کے نکاح سے متعلق لکھی ہے:

حدثنا ابن حمید قال حدثنا سلمة عن ابن اسحٰق قال لما قال یوسف للملك اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ قال الملك قد فعلتُ فولاه فی مایذکرون عمل اطفیر وعزل الاطفیر عما کان علیه یقول الله وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ الآیۃ قال فذکر لی والله اعلم ان اطفیر هلك فی تلك اللیالی وان الملك الریان بن الولید زوّج یوسف امرأه اطفیر راعیل. وانها حین دخلت علیه قال الیس هٰذا خیر مما کنت تریدین. قال فیزعمون انها قالت ایها الصدیق لا تلمنی فانی کنت امرأة کما تری حسنا وجمالا ناعمة فی ملك ودنیا وکان صاحبی لا یاتی النساء وکنت کما جعلك الله فی حسنك وهیئتك فغلبتنی نفسی علی ما رأیت. فیزعمون انه وجدها عذراء فاصابها فولدت له رجلین افرائیم بن یوسف ومیشا بن یوسف. (جامع البیان فی تفسیر القرآن للطبری پ ۱۳ ص ۵)

کہ محمد بن حمید نے سلمۃ الابرش اور اس نے محمد بن اسحٰق سے نقل کر کے ہمیں بتلایا کہ جب حضرت یُوسف علیہ السلام نے بادشاہ کو کہا: اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ. کہ مجھے ملکی خزانوں پر مسلّط فرما دیجیے کیونکہ میں خزانے کی حفاظت بھی اچھی طرح سے کر سکتا ہوں اور حساب کتاب سے بھی واقف ہوں، تو بادشاہ نے کہا کہ ٹھیک ہے میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ تو لوگوں کے بقول بادشاہ نے اِطفیر کو اس کے عُہدہ سے معزول کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے کام کا متولّی اور نگران بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ الآیۃ۔ اور اس طرح ہم نے حضرت یوسف علیہ السّلام کو ملکِ مصر میں جگہ دی کہ وہ اس میں جہاں بھی چاہیں

رہیں بسیں ۔ الآیہ ۔ ابنِ اسحٰق نے کہا: مجھے بتایا گیا کہ آگے اللہ جانے کہ اِطفیر انہی راتوں میں مرگیا، اور بادشاہ ریان بن ولید نے اطفیر کی بیوہ راعیل کا نکاح حضرت یُوسف علیہ السلام کے ساتھ کردیا۔ اور وہ عورت حضرت یُوسف علیہ السلام کے پاس آئی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا یہ کام یعنی نکاح اُس کام یعنی زنا سے بہتر نہیں جو تو چاہتی تھی۔ ابن حمید رازی نے ابنِ اسحٰق نے کہا کہ پھر لوگ کہتے ہیں کہ اس عورت نے کہا کہ اے سچ بولنے والے! مجھے ملامت نہ کیجیے کیونکہ میں حسین و جمیل عورت تھی، جیسا کہ آپ جانتے ہیں، اور مُلک و دُنیا میں ناز پروردہ تھی، اور میرا خاوند نامرد تھا، وہ عورتوں کے پاس آنے پر قادر نہ تھا۔ اور حسن و جمال میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو بنایا ہے، میں آپؑ کو دیکھ کر بے اختیار ہوگئی، میرے نفس نے اُسی فعلِ بد کے لیے مجھ پر غلبہ پالیا جو آپؑ سمجھ گئے تھے۔ پھر لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اسے کنواری یا باکرہ پایا۔ پھر اس کے ساتھ صحبت کی، تو اس سے دو بچے افرائیم بن یوسف اور میشا بن یوسف پیدا ہُوئے۔ (جامع البیان فی تفسیر القرآن طبری ج۱۳ ص ۵)

یہ سارا واقعہ یا تو خود محمد بن حمید کی اپنی ذہنی اختراع ہے یا اس کے استاذ سلمۃ الابرش نے اپنے پاس سے گھڑ کر اُستاذ کے نام سے شاگرد کو بتایا، یا پھر محمد بن اسحٰق اس کا واضع ہے، خیر اصل بات کچھ بھی ہو طبری کو بتانے والا تو محمد بن حمید رازی ہی ہے۔ جس نے یہ بھی نہ سوچا کہ کیا ایسی بدکار اور فاحشہ عورت آستانۂ نبوی میں قدم رکھنے کے قابل ہوسکتی ہے جو منکوحہ ہونے کے باوجود دُوسرے غیر مرد سے آتشِ نفس بجھانا چاہتی ہے، یہاں تک کہ اس حیا باختہ نے اپنی نفسانی خواہش پُوری کرنے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کیں، کھڑکیاں دروازے بند کیے، تالے لگائے، حتیٰ کہ اپنی ناپاک زبان سے ایک معصوم پیغمبرؑ کو صاف لفظوں میں گناہ کی دعوت دی، تو جب حضرت یُوسف علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اس نجس فعل سے بچنے کے لیے بھاگے تو اس بدچلن نے محل کے آخری دروازے تک

اس معصوم کا پیچھا کیا، اور حضرت یُوسف علیہ السلام کی قمیض مُبارک بھی کھینچ کر پھاڑ دی اور جب آگے سے شوہر کو آتے دیکھا تو شور مچا دیا، اُلٹا حضرت یوسف علیہ السلام پر الزام لگا دیا، اور آخر کار ناکردہ گناہ کی سزا میں اس معصوم ہستی کو زندان خانہ میں بھجوا دیا۔ اس کے بعد اس بے گناہ کو مدتوں تک یاد نہ کیا، نہ ان کی رہائی کے لیے کوئی تدبیر کی، نہ اپنے گناہ پر پشیمان ہُوئی۔

بالآخر جب اس فاحشہ کی سہیلیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت پر گواہی دی تو ڈھیٹ ہو کر خود اس نے بھی اپنے گناہ کا اعتراف کرتے ہُوئے کہا کہ اب تو سب پر حق بات ظاہر ہو ہی گئی ہے تو پھر میں آج اس بھرے دربار میں اس بات کا اقرار کرتی ہوں کہ خود میں نے ہی حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنا ناجائز مطلب حاصل کرنا چاہا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام اس بارے میں بالکل سچے ہیں۔ اور اس بات کا اظہار میں اس لیے کرتی ہوں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ میں نے اُن کی عدم موجودگی میں یعنی زمانۂ قید میں ان کی معصومیت اور پاکدامنی کے بارے میں کوئی غلط بات کہہ کر خیانت نہیں کی، اور نہ ہی اپنے جرم کو ان کی طرف منسوب کیا۔ اور اس نے اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہُوئے مزید کہا کہ میں اپنے آپ کو پاکباز بھی نہیں کہتی، اور مجھ سے جتنی غلطی سرزد ہُوئی ہے اس کا اعتراف کرتی ہوں۔ (دیکھیے ۱۲: ۵۱ تا ۵۳)

بہرحال امرأۃ العزیز (جس فاحشہ کا نام اللہ تعالیٰ نے نہیں بتایا، کوئی اسے زلیخا کہتا ہے تو کوئی راحیل)، محمد بن حمید کو شاید اس کے استادوں نے راحیل ہی بتایا ہو، ایک فاحشہ، بدکار اور زانیہ عورت تھی، اور کوئی ایسی روایت صحیحہ موجود نہیں ہے جس میں ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ اس فاحشہ کا نکاح ہوا ہو، جس کا ذکر محمد بن حمید نے کیا ہے۔ جسے طبری جیسے "مفسّر" نے اپنی تفسیر میں نقل کر کے بعد میں آنے والے لوگوں میں عصمتِ انبیاءؑ پر انگشت نمائی اور طعنہ زنی کا موقع فراہم کیا، حالانکہ یہ پیغمبرؑ کی شان سے بہت بعید ہے کہ اس کے گھر میں کوئی فاحشہ ہو

نبیؑ اور پیغمبر تو رہا بجائے خود، کسی اُمّتی خصوصاً کسی صحابیؓ کو بھی زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی فاحشہ سے نکاح کرے۔ مثلاً:

سیّدنا مرثد بن کنان بن حصین الغنوی رضی اللہ عنہ جنھوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تھے، یہ قوی الجثہ پہلوان تھے۔ مدینہ منورہ سے چھپ چھپا کر مکہ مکرمہ آیا جایا کرتے تھے اور اُن مسلمان قیدیوں کو زندان خانوں سے نکال کرلے جایا کرتے تھے جنھیں کفّارِ مکہ اِسلام لانے کے جرم میں قید کر دیا کرتے تھے، یہ ایک مرتبہ یہی نیک ارادہ لے کر مدینہ سے مکہ تشریف لائے اور کسی گھر کی دیوار کے سایہ میں گھات لگا کر کھڑے تھے، رات کا وقت تھا، سوچ رہے تھے کہ کیا تدبیر اختیار کی جائے کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر مدینہ کو جاؤں۔ اتنے میں عناق آگئی، جو ایک مشہور حیا باختہ اور فاحشہ عورت تھی۔ اور قبولِ اسلام سے پہلے حضرت مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کا اس سے میل جول بھی رہا تھا۔ عناق نے جب حضرت مرثدؓ کو دیکھا تو انھیں پہچان کر کہنے لگی: کیا آپ مرثد ہیں؟ انھوں نے فرمایا: جی ہاں! میں مرثد ہوں، عناق نے ان کا خیر مقدم کرتے ہُوئے مرحبًا اھلاً وسھلاً کہا، اور کہنے لگی کہ چلو۔ میرے گھر چلو، رات کو میرے ساتھ ہی سونا۔ اس پر حضرت مرثدؓ نے فرمایا کہ نہیں عناق، نہیں، اِسلام میں زنا حرام ہے۔ حضرت مرثدؓ کا اِنکار کرنا تھا کہ اس فاحشہ نے چلّانا شروع کر دیا کہ لوگو! آؤ آؤ، بھاگو پکڑو، یہ وہ شخص کھڑا ہے جو مسلمان قیدیوں کو تمھارے عقوبت خانوں سے نکال کر لے جاتا ہے۔ یہ سُنتے ہی آٹھ جوانوں نے حضرت مرثدؓ کو پکڑنے کے لیے ان کا تعاقب کیا اور حضرت مرثدؓ نے مشکل سے ایک غار تک پہنچ کر اپنی جان بچائی۔

حضرت مرثدؓ فرماتے ہیں کہ مدینہ پہنچ کر میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عناق سے نکاح کی اجازت مانگی تو آپؐ نے اجازت نہ دی، بلکہ میرے ہی سوال پر یہ آیت اُتری: اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِکَةً الآیہ۔ (دیکھیے ترمذی، نسائی و ابو داؤد۔ بالفاظ متقاربہ)

محمد بن حمید رازی نے سیدنا بریدۃ بن الحصیب ابو سہل الاسلمی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک اور من گھڑت روایت بھی بیان کی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر نبی کا ایک وصی اور وارث ہوتا ہے، اور میرے وصی اور وارث حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۷۳)

نیز اس نے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک جھوٹا قصہ یہ بیان کیا کہ انھوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: یارسول اللہ! کیا کوئی نبی ایسا بھی بھیجا گیا ہے جسے یہ نہ کہا گیا ہو کہ آپ کے بعد یہ کارِ نبوت کس کے سپرد کیا جائے گا۔ اور کیا اللہ تعالیٰ نے یہ بات آپ کو بھی بتلائی ہے یا نہیں؟ تو اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بات تو مجھے بھی بتائی گئی ہے اور وہ حضرت علیؓ ہیں۔ (" ج ۱ ص ۵۸۴)

محمد بن حمید رازی کی بیان کردہ موضوع روایات تو بہت ہیں، یہاں پر ان تمام موضوع روایات کا بیان کرنا باعثِ طوالت ہوگا۔ اور نہ ہی اِس جگہ یہ بات ہمارے مضمون کا حصہ ہے۔ ورنہ ان روایات پر محدثین نے خاصی جرح کی ہے۔

آٹھ رکعت والی دُوسری روایت

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب آٹھ رکعت تراویح والی عیسیٰ بن جاریہ کی روایت پر گزشتہ اوراق میں تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ اس روایت کے علاوہ ایک اور روایت بھی انہی استاد لوگوں کے واسطے سے صحیح ابن حبان ج ۵ ص ۱۱۱ میں منقول ہے، جس میں سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی نمازِ تہجد کے واقعہ کو معمولی سے لفظی تغیّر کے ذریعے نمازِ تراویح بنا دیا گیا ہے۔ تاکہ مُسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو اور وہ مُختلف فرقوں میں منقسم ہو کر قیامت تک یہود و نصاریٰ سے مار کھاتے رہیں۔ چنانچہ صحیح ابن حبان میں وہ روایت اس طرح منقول ہے:

حدثنا یعقوب القمی قال حدثنا عیسیٰ بن جاریۃ حدثنا جابر بن عبد اللہ قال جاء ابی بن کعب الی النبی ﷺ فقال یا رسول اللہ انہ کان منی اللیلۃ شئ۔ یعنی فی رمضان۔ قال وما ذاك یا اُبَیّ قال نسوۃ فی الدار قلن انا لا نقرأ القراٰن فنصلی بصلوٰتك قال فصلیت بھن ثمانی رکعات ثم اوترت قال فکان شبہ الرضا ولم یقل شیئا کہ ہمیں بتلایا یعقوب قمی نے اور کہا ہمیں عیسیٰ بن جاریہ نے بتلایا کہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور انھوں نے کہا یا رسول اللہ! آج رات ایک واقعہ رونما ہُوا۔ یعنی رمضان المبارک میں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ اے اُبَیّ! وہ کونسا واقعہ ہے، حضرت ابی بن کعبؓ نے بتلایا کہ میرے گھر کی عورتوں نے کہا کہ ہم قرآن مجید تو پڑھی ہُوئی نہیں ہیں، اس لیے آپ ایسا کریں کہ آپ نماز پڑھائیں اور ہم آپ کی اقتدا میں نماز پڑھیں گے۔ ان کے کہنے پر میں نے انھیں آٹھ رکعتیں پڑھائیں، پھر تین وتر پڑھائے۔ پھر فرمایا کہ حضرت ابی بن کعبؓ کی یہ بات سُن کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کُچھ نہیں فرمایا، جس سے معلوم ہوتا ہے آپؐ اس کام سے خوش تھے۔

حضرت مُحدّث نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مجمع الزوائد ج ۳
ص ۱۷۲ میں فرمایا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ لیکن ابکار المنن ص ۵۷
میں ہے: لا یطمئن القلب بتحسین الهیثمی فان له اوهاما فی مجمع
الزوائد وقد تتبع اوهامه الحافظ ابن حجر فبلغه فعاتبه وترك
التتبع۔ کہ علامہ ہیثمی کی تحسین سے دِل مطمئن نہیں ہوتا۔ کیونکہ مجمع الزوائد میں
انھیں کئی وہم ہُوئے ہیں۔ اور حضرت حافظ ابن حجرؒ نے مجمع الزوائد میں ہیثمیؒ کے
اوہام تلاش کرنے کے بعد ان کا تعاقب لکھنا شروع کیا تھا، لیکن جب اس
بات کا علم علامہ ہیثمیؒ کو ہُوا تو وہ ناراض ہُوئے۔ اس لیے علامہ ابن حجرؒ نے
علامہ ہیثمیؒ کے اوہام کی تلاش ترک کردی۔

اسی طرح ایک حدیث کی تصحیح پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہُوئے لکھا:
لا یطمئن القلب علی تصحیح الهیثمی (ابکار المنن ص ۱۹۹) کہ علامہ ہیثمیؒ جس
حدیث کے صحیح ہونے کے بارے میں لکھیں اس پر دِل مطمئن نہیں ہوتا۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس حدیث کے حسن یا صحیح ہونے پر دِل مطمئن
نہیں ہوتا۔ اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔ مثلاً: ایک تو یہ کہ اس کے راوی ضعیف
ہیں، جن کا ذکر ہم قبل ازیں وضاحت کے ساتھ تحریر کر چکے ہیں۔ اور دُوسرے
یہ کہ یہ روایت تعاملِ اُمّت کے خلاف ہے، یا تعامل اس کے خلاف ہے۔
تیسرے یہ کہ اس واقعہ کا تعلق قیامِ رمضان یا نمازِ تراویح سے نہیں، اور نہ ہی
اس روایت کے کسی لفظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا تعلق تراویح سے ہے،
بلکہ یہ تو گھر کے اندر نمازِ تہجّد کا واقعہ ہے۔

نیز اس روایت سے آٹھ رکعت تراویح کا ثابت کرنا تو رہا بجائے خود،
یہ واقعہ تو سرے سے رمضان المبارک کا ہے ہی نہیں۔ کیونکہ اس روایت میں
دراصل فی رمضان کا لفظ بعد میں بڑھایا گیا ہے جو کہ کسی راوی نے اپنی سمجھ
کے مُطابق بطور ادراج کے بڑھا دیا ہے۔ اور اس کا ثبوت بھی ہے۔ مثلاً:

پہلا ثبوت تو یہ ہے کہ اس میں یعنی کا لفظ موجود ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی ناقل کا اضافہ ہے۔

دُوسرا ثبوت اگر کوئی شخص دیکھنا چاہے تو اصل کتاب صحیح ابن حبان ج ۵ ص ۱۱۱ (مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ جامع مسجد باغوالی سانگلہ ہل ضلع شیخوپورہ پاکستان) دیکھ لے، جس میں عبارت کا اندازِ تحریر ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ فی رمضان کا لفظ متنِ حدیث سے جُدا ہے۔ اور اسے متن کا جزء نہ سمجھا جائے۔

تیسرا ثبوت اس کا یہ ہے کہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے نام سے عیسٰی بن جاریہ کی اسی موضوع پر ایک روایت مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۴ پر بھی موجود ہے، جس میں فی رمضان کا لفظ سرے سے ہے ہی نہیں، چنانچہ:

ثنا ابو بکر بن شیبہ عبد اللہ بن محمد ثنا رجل سماہ ثنا یعقوب بن عبد اللہ الاشعری ثنا عیسٰی بن جاریہ عن جابر بن عبد اللہ عن اُبی بن کعب قال جاء رجل الی النبی فقال یارسول اللہ عملت اللیلۃ عملا قال ما ھو؟ قال نسوۃ معی فی الدار قلن لی انک تقرأ ولا نقرأ فصل بنا فصلیت ثمانیا والوتر قال فسکت النبی ﷺ قال فرأینا ان سکوتہ رضا بما کان۔

یعنی حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمیں حضرت ابوبکر بن ابی شیبہ عبد اللہ بن محمدؒ نے بتایا کہ ایک آدمی نے ہمارے سامنے یہ واقعہ بیان کیا ہے (جس کا نام بھی انھوں نے بتایا کہ فلاں نام تھا، لیکن وہ نام انھیں یاد نہیں رہا، یا اس کا نام بتانا خلافِ مصلحت تھا) کہ یعقوب بن عبد اللہ اشعری نے ہمیں بتایا کہ ہمیں عیسٰی بن جاریہ نے بتایا کہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ کوئی آدمی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور کہنے لگا کہ یارسول اللہ! میں نے آج رات ایک نیا کام کیا ہے۔ تو اِس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی سے پُوچھا کہ وہ کونسا کام ہے؟

تو اُس آدمی نے کہا کہ میرے گھر میں جو عورتیں ہیں انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ تو قرآن مجید پڑھتے ہیں اور ہم قرآن مجید پڑھی ہوئی نہیں ہیں، اس لیے آپ ہمیں نماز پڑھائیں (تاکہ ہم قرآن مجید سُن سکیں) تو میں نے آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھائے۔ اس آدمی کی یہ بات سُن کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ وہ آدمی (جس نے رات کا یہ واقعہ بیان کیا تھا) کہنے لگا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ آپؐ کی خاموشی کا مطلب رضا مندی ہے۔

اس روایت سے جہاں اور کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں وہاں ایک بات یہ بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ یہ واقعہ رمضان المبارک یا نماز تراویح سے قطعاً کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کا تعلق نمازِ تہجد ہی سے ہے۔

نیز اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اس واقعہ کا سید القراء ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی حد تک تو تعلق ہو سکتا ہے کہ انھوں نے کسی دوسرے شخص کا واقعہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان فرمایا تھا، ورنہ براہِ راست اس واقعہ کا سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کوئی تعلق واسطہ نہیں۔

نیز اس روایت سے صحیح ابن حبان کی وہ روایت بھی مشکوک ہوگئی جس میں تھا کہ یہ واقعہ خود سید القراء ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔

نیز اس روایت سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ عیسٰی بن جاریہ کا اکلوتا شاگرد یعقوب قمی واقعۃً وہم کا مریض تھا۔ کیونکہ ایک ہی واقعہ کو جتنی بار بیان کرتا ہے اتنی بار ہی اس کا متن بھی تبدیل کر دیتا ہے اور رجال بھی۔ کیونکہ مسند احمد کی مذکورہ بالا روایت میں اس نے کہا ہے کہ سیدنا ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ کسی شخص نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر رات کے واقعہ کا ذکر کیا۔ جبکہ صحیح ابن حبان کی روایت کے مطابق یہ واقعہ سیدنا اُبی بن کعبؓ کے اپنے گھر کا ہے۔ یعنی کبھی کچھ کہتا ہے اور کبھی کچھ۔

لہٰذا ایسی روایت کو معمول بہ نہیں بنایا جا سکتا۔

آٹھ رکعت والی اُم المؤمنین سیّدہ عائشہؓ کی روایت

سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت ابوسلمہ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان المبارک میں نماز کیسی ہُوا کرتی تھی، تو اس کے جواب میں اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اِرشاد فرمایا کہ رمضان ہو یا غیرِ رمضان آپؐ گیارہ رکعتوں سے زیادہ کبھی نہیں پڑھا کرتے تھے۔ پھر اس کی کیفیت اس طرح بیان فرمائی کہ چار رکعتیں تو اس طرح پڑھتے تھے کہ کچھ نہ پُوچھیے کہ وہ کتنے خوبصورت انداز سے لمبے وقت تک ادا فرماتے تھے۔ پھر دوبارہ چار رکعتیں اس قدر حسین انداز میں لمبے وقت تک ادا فرماتے تھے کہ اس کی تعریف ممکن نہیں، مت پُوچھیے کہ وہ کتنی خوبصورت اور لمبی نماز ہوتی تھی۔ پھر اس کے بعد آپ تین رکعت نمازِ وتر پڑھا کرتے تھے۔ (دیکھیے بخاری ص ۱۵۴)

اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مذکورہ بالا فرمان میں رمضان و غیرِ رمضان میں رات کے پچھلے پہر نمازِ تہجّد کا ذکر ہے۔ اور در اصل حضرت ابوسلمہؒ کے سوال کرنے کا مطلب یہ تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے یہ بات تو ثابت ہوتی ہے کہ آپؐ عشاء کی نماز کے بعد نفلی نماز میں اضافہ فرماتے تھے اور دو یا چار رکعتوں سے زائد رمضان المبارک میں بیس رکعات بھی پڑھا کرتے تھے جنھیں قیامِ رمضان یا نمازِ تراویح کہا جاتا ہے، تو کیا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سحری کے وقت نمازِ تہجد میں بھی کچھ تبدیلی فرماتے تھے یا نہیں، تاکہ ہم لوگ بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی پیروی کریں۔ تو اس کے جواب میں حضرت اُمّ المؤمنینؓ نے اِرشاد فرمایا کہ خواہ رمضان ہو یا غیرِ رمضان نمازِ تہجد تو بہرحال آٹھ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، جبکہ اس کے ساتھ تین وتر پڑھنا بھی آپؐ کا معمول تھا۔ البتہ رمضان المبارک میں قیام بہت لمبا فرماتے تھے، بلکہ فرمایا کہ مت پوچھو کہ کس قدر حسین اور لمبا قیام فرماتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ...

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا روایت میں اس قدر طویل اور حسین نماز سے مُراد تمام محدثین، مفسّرین اور فقہاء نے نمازِ تہجد ہی لی ہے بلکہ خود حضرت امام بخاریؒ نے بھی اس روایت سے نمازِ تہجد ہی مُراد لی ہے۔ کیونکہ خود حضرت امام بخاریؒ نمازِ تراویح کے بعد رات کے پچھلے حصّے میں تہجد بھی پڑھا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت علامہ حافظ ابن حجرؒ نے الھدی الساری مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص ۲۵۳ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

حضرت امام بخاریؒ کے یہاں یکم رمضان المبارک کی رات کو ان کے تلامذہ و اصحاب جمع ہوجاتے تھے، اور آپ انھیں نمازِ تراویح پڑھاتے تھے اور ہر رکعت میں بیس آیات پڑھتے تھے اور یہ سلسلہ ختمِ قرآن تک اِسی طرح چلتا رہتا، اور بوقتِ سحر یعنی تہجد میں روزانہ نصف سے تہائی قرآن تک پڑھتے، اس طرح ہر تین رات میں ایک مرتبہ پُورا قرآن مجید پڑھ لیتے تھے۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا رمضان المبارک میں یہ معمول عین سُنّتِ نبویؐ اور مذکور بالا روایتِ عائشہؓ کے مطابق تھا، جس میں نمازِ تہجد کے حُسن و طول کا عملی نمونہ پایا جاتا ہے۔ اور حضرت علامہ ابن حجرؒ کے فرمانِ بالا میں بیس آیات سے مُراد قرآن مجید کا ایک رکوع ہے، جن کی تعداد پانچ سو اٹھاون ہے، جبکہ کُل آیات کی تعداد چھ ہزار دو سو چھتیس بنتی ہے۔ اور سُورۂ فاتحہ کی سات آیات ہیں جو ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہیں، ان کے علاوہ باقی آیات چھ ہزار دو سو انتیس ہیں۔ پھر آخری پینتیس سُورتیں ایک ایک رکوع کی ہیں، جبکہ ہر رکعت میں ایک ایک سورت پڑھی جاتی ہے۔ اور ان کی آیات کم ہیں۔ اس کے علاوہ باقی قرآن مجید کی اوسطاً بیس آیات یعنی ایک رکوع ایک رکعت میں پڑھنے سے تو ایک ماہ کے اندر قرآن مجید پُورا ہوسکتا ہے لیکن اگر یہ کہا جائے کہ نمازِ تراویح کی آٹھ رکعات ہیں اور امام بخاریؒ بھی آٹھ رکعات ہی پڑھا کرتے تھے، جبکہ ہر رکعت میں بیس آیات یعنی ایک رکوع پڑھتے تھے، تو اس طرح دو ماہ میں بھی قرآن مجید پُورا نہیں ہوسکتا تھا۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا معمول بھی یہی تھا کہ وہ ماہِ رمضان میں تراویح پڑھنے کے بعد آخرِ شب تہجد بھی پڑھا کرتے تھے۔ (دیکھیے "المدخل" للامام محمد بن محمد العبدری فاسی مالکیؒ المعروف بابن الحاج ج ۲ ص ۲۹۹)

حضرت محدث ابو عبد اللہ محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قیام اللیل میں "باب عدد الرکعات التی یقوم بھا الامام للناس فی رمضان" کے زیرِ عنوان ایک مستقل باب منعقد کیا ہے۔ یعنی اس نماز کی تعدادِ رکعات کا بیان جو امام لوگوں کے ساتھ رمضان المبارک میں باجماعت پڑھتا ہے۔ اس باب میں انھوں نے رکعاتِ تراویح کی تعداد بتانے کے لیے بہت سی روایات لکھی ہیں، لیکن ان روایات میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا متفق علیہ حدیث کو ذکر کرنا تو رہا بجائے خود اس کی طرف اشارہ تک نہیں فرمایا، حالانکہ یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح اور اعلیٰ درجہ کی ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا حدیث کا نمازِ تراویح یا قیامِ رمضان سے دُور کا بھی تعلق واسطہ نہیں ہے۔

اسی طرح تمام محدثینؒ نے اُمّ المومنینؓ کی اس حدیث کو نمازِ تہجد سے متعلق ہی سمجھا ہے، کسی محدث، مفسر، اور فقیہ نے اسے تراویح سے متعلق نہیں سمجھا، اور نہ ہی کوئی آٹھ رکعت تراویح کا قائل ہوا ہے۔ البتہ جن محدثینؒ نے اسے قیامِ رمضان کے زیرِ عنوان نقل کیا ہے ان کا اصل مقصد یہ بتلانا تھا کہ نمازِ تہجد جیسا کہ غیرِ رمضان میں پڑھی جاتی ہے ایسے ہی رمضان المبارک میں بھی نمازِ تہجد پڑھنی چاہیے، بلکہ رمضان المبارک میں نمازِ تہجد میں زیادہ طویل قیام کرنا چاہیے، نیز بعض لوگ غلط فہمی سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ام المومنینؓ کی یہ حدیث تراویح کے بارے میں ہے کہ آپؐ رمضان اور غیرِ رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ اس طرح اس حدیث سے حضرت ابراہیم بن عثمانؒ کی بیان کردہ سیدنا ابن عباسؓ کی حدیث کا تعارض معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ:

اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا گیارہ رکعت والی حدیث موافق و مخالف سب کے نزدیک اپنے ظاہر پر محمول نہیں، اور نہ ہی اس میں دوامی عادت کا بیان ہے، اس لیے کہ خود ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے تیرہ رکعتوں والی روایت بھی صراحۃً موجود ہے۔ چنانچہ:

اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی باللیل ثلث عشرۃ رکعۃ. ثم یصلی اذا سمع النداء بالصبح رکعتین خفیفتین (بخاری ص ۱۵۶) کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ پھر جب صبح کی اذان سنتے تو ہلکی ہلکی دو رکعتیں (فجر کی سنتیں) پڑھ لیتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت امام سیوطیؒ نے تنویر الحوالک ج ۱ ص ۱۴۲ میں حضرت محدّث باجیؒ شارح مؤطا امام مالکؒ کا قول نقل فرمایا ہے کہ ما کان یزید والی حدیث دائمی نہیں، بلکہ اس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادتِ مبارکہ کا ذکر ہے، جبکہ تیرہ رکعت والی حدیث میں اس زیادتی کا بیان ہے جو بعض اوقات ہوئی۔

حضرت علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری ج ۳ ص ۱۴ میں فرمایا کہ یہی بات درست ہے کہ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قیام لیل سے متعلق کئی باتوں کا ذکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف اوقات کے معمول پر محمول ہے۔

نیز علامہ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ نمازِ تہجد کا گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھنے میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ تہجد اور وتر رات کی مخصوص نماز ہے اور دن میں پڑھی جانے والی فرض نمازوں کی تعدادِ رکعات بھی گیارہ ہی ہے، یعنی ظہر، عصر، اور مغرب کی کل گیارہ رکعتیں ہیں، اس لیے مناسب ہوا کہ رات کی نمازیں بھی اجمال و تفصیل دونوں میں دن کے مشابہ ہوں۔ (دیکھیے فتح الباری ج ۳ ص ۱۴)

قیام رمضان سے مُراد تہجد نہیں تراویح ہے

لیکن اس کے برعکس جو نماز رمضان المبارک کی راتوں میں مخصوص ہے، باقی گیارہ ماہ میں نہیں پڑھی جاتی، اس کا نام قیام رمضان یا نمازِ تراویح ہے۔

حضرت علامہ ابنِ حجرؒ نے فتح الباری ج ۴ ص ۱۷۸ میں تحریر فرمایا: سمیت الصلوٰۃ فی الجماعۃ فی لیالی رمضان التراویح. کہ رمضان المبارک کی راتوں میں جو مخصوص نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے اس کا نام تراویح ہے۔

بخاری شریف ص ۲۶۹ باب فضل من قام رمضان میں محشی نے لکھا قال الکرمانی اتفقوا علی ان المراد بقیامہ صلوٰۃ التراویح کہ حضرت علامہ کرمانیؒ نے فرمایا کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ قیام رمضان سے مراد نمازِ تراویح ہے (جو صرف رمضان المبارک میں پڑھی جاتی ہے۔)

حضرت علامہ نوویؒ نے فرمایا: والمراد بقیامِ رمضان صلوٰۃ التراویح کہ قیامِ رمضان سے مُراد نمازِ تراویح ہے۔ (بخاری ص ۲۶۹ و مسلم ص ۲۵۹)

اور حضرت اُمّ المومنینؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں "صلوٰۃ فی رمضان" سے مراد تراویح نہیں بلکہ اس سے مُراد نمازِ تہجد ہے۔ اور علماء کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ جیسا کہ حضرت علامہ ابن حجرؒ کا فرمان گزشتہ صفحہ پر گزرا ہے۔ نیز حضرت شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی اُمّ المومنینؓ کی مذکورہ بالا زیرِ بحث حدیث کو تہجد پر ہی محمول فرمایا ہے جو کہ رمضان المبارک اور غیر رمضان یعنی پُورا سال پڑھے جاتے ہیں۔ (دیکھیے فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۰۸)

خلاصہ یہ کہ تمام محدثینِ کرامؒ نے اس سے مُراد نمازِ تہجد ہی لی ہے، جیسا کہ قبل ازیں امام مالکؒ، امام بخاریؒ، امام مروزیؒ وغیرہ سے نقل کیا جا چکا ہے۔ اور کوئی مُحدّث و مفسّر اس حدیث سے قیام رمضان یا تراویح نہیں سمجھا، اور نہ ہی کوئی محدّث، مفسّر و فقیہ آٹھ رکعت نمازِ تراویح کا قائل ہُوا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا قیام رمضان یا تراویح سے کوئی تعلق نہیں۔

بیک سلام چار رکعت پڑھنا

دراصل حضرت ابوسلمہ رحمہٗ اللہ تعالیٰ نے اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد کی کیفیت دریافت کی تھی، جیسا کہ اس حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہے: کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان یعنی حضرت ابوسلمہؒ نے دریافت کیا کہ اے ام المومنینؓ! رمضان المبارک میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد کیسی ہوتی تھی، اس کا حسنِ ادائیگی اور طولِ قیام کتنا ہُوا کرتا تھا، اس کی کمیت کے متعلق سوال نہیں تھا کہ تعدادِ رکعات رمضان المبارک میں کیا ہوتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود ام المومنین نے نہ صرف کیفیتِ صلوٰۃ کے بارے میں اظہارِ خیال فرمایا بلکہ اس کی کمیت بھی بیان فرمادی کہ پڑھتے تو وتروں سمیت گیارہ رکعت ہی تھے، چاہے رمضان ہو یا رمضان کے علاوہ کوئی اور مہینہ ہو۔ اس کے بعد اصل سوال کے بارے میں فرمایا کہ یہ تو مت پُوچھیے کہ وہ کس قدر حسین اور طویل نماز ہوتی تھی، البتہ اتنا ضرور بتایا جاسکتا ہے کہ پہلے تو آپؐ (بیک سلام) چار رکعتیں پڑھتے تھے پھر دوبارہ کھڑے ہوجاتے اور پھر اسی کیفیت سے (بیک سلام چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ اور اس کے بعد تین وتر پڑھتے تھے۔

حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے الفاظ: یصلی اربعًا فلا تسال عن حسنھن وطولھن. ثم یصلی اربعًا. الخ سے متبادر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیک سلام چار چار رکعتیں پڑھتے تھے، اور اگر اس کا یہ مطلب نہ ہوتا تو ایک ساتھ یصلی ثمان فرمادیتیں۔ پھر آگے سمجھنے والے جیسے بھی سمجھتے، لیکن یہاں تو واضح الفاظ میں فرمایا کہ پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے، پھر دوبارہ چار رکعتیں پڑھتے تھے اور اس کے بعد تین وتر پڑھتے تھے۔ جبکہ صلوٰۃ الضحٰی (چاشت) بھی چار رکعت بیک سلام ہی پڑھتے تھے، جیسا کہ سیدنا معاذؓ کے استفسار پر ام المومنینؓ نے فرمایا۔ (دیکھیے مسلم ج ۱ ص ۲۴۹ و ابوداؤد ج ۲ ص ۱۹۴)

حضرت علامہ عبدالرحمٰن محدث مبارک پُوری رحمہُ اللہُ تعالیٰ نے تحفۃُ الاحوذی ج ۱ ص ۲۳۱ میں فرمایا ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ پہلی چار رکعتیں ایک سلام سے، پھر چار ایک سلام سے، پھر پچھلی تین رکعتیں ایک سلام سے تھیں۔

لیکن اس کے برعکس نمازِ تراویح میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے، اور پُوری اُمّت کا ہمیشہ سے یہی معمول رہا ہے۔ گزشتہ اوراق میں ایسے بہت سے حوالے گزرے ہیں جن میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ نمازِ تراویح کی دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعتیں ہیں۔ بلکہ بعض میں تو یہ لفظ بھی موجود ہے کہ نمازِ تراویح کی دو دو کرکے بیس رکعتیں پڑھی جائیں۔ اور کسی محدث، مفسر اور مجتہد کے قول و عمل سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ نمازِ تراویح چار چار رکعت بیک سلام پڑھنے کا قائل ہُوا ہو۔

ان تمام شواہد سے ثابت ہُوا کہ حضرت ابوسلمہؒ نے اُمّ المومنینؓ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد ہی کے بارے میں استفسار کیا تھا اور انھوں نے بھی ان کا یہی مطلب سمجھا اور پھر تہجد کے بارے میں ہی جواب دیا۔ اور اگر ام المومنینؓ کی اس حدیث کو نمازِ تراویح پر حمل کریں تو پھر کیا وجہ ہے کہ نمازِ تراویح میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرنا پُوری اُمّت کا متفقہ معمول ہے۔ لہٰذا اس حدیث کو تراویح سے متعلق قرار دینے والوں پر ضروری ہے کہ وہ کوئی ایسی دلیل پیش کریں کہ جس سے اُن کا عمل سُنّت قرار پائے، ورنہ یہ کہا جائے گا کہ نمازِ تراویح میں ہر دو رکعت پر سلام پھیرنا خلافِ سُنّت اور بدعتِ شنیعہ ہے۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث نمازِ تہجد کے بارے میں ہے اور نمازِ تراویح کا وہی طریقہ ہے جو چودہ سو سال سے متفقہ طور پر پُوری اُمّتِ مسلمہ کا معمول چلا آرہا ہے، جس میں ہر دو دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے، اور دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔

خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل یا تقریر سے گیارہ رکعت نمازِ تراویح کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول تو تعدادِ رکعاتِ تراویح کے بارے میں نہ گیارہ کا ثبوت ہے نہ بیس کا۔

جیسا کہ الانتقاد الرجیح ص ۶۳ میں ہے: ومن ظن ان قیام رمضان فیہ عدد معین موقت عن النبی ﷺ لایزید ولاینقص فقد اخطأ۔ کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامِ رمضان یعنی تراویح کے بارے میں کوئی معیّن عدد ثابت ہے جو کم و بیش نہیں ہو سکتا وہ غلطی پر ہے۔

اسی طرح تحفۃ الاخیار ص ۱۱۶ میں حضرت علامہ سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

اعلم انہ لم ینقل کم صلی رسول اللہ ﷺ فی تلک اللیالی ھل ھو عشرون او اقل کہ ان تین راتوں میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی رکعتیں پڑھیں، بیس یا اس سے کم یہ کہیں منقول نہیں۔ یعنی بسندِ صحیح۔

اسی طرح حضرت علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولو ثبت ذلک من فعل النبی ﷺ لم یختلف فیہ (مصابیح ص ۷۴) کہ اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے تعداد ثابت ہو جاتی تو اختلاف ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہوا کہ ان جلیل القدر علماء میں سے بھی کسی نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زیرِ بحث حدیث کو نمازِ تراویح سے متعلق نہیں سمجھا، جس میں وتروں سمیت گیارہ رکعتیں پڑھنے کا ذکر موجود ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی تراویح سے متعلق حدیث میں بیس رکعت کا صراحۃً ذکر موجود ہے، جس پر گزشتہ اوراق میں ہم سیر حاصل بحث کر کے ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آستانۂ عالیہ میں انفرادی طور پر بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھا کرتے تھے۔ اور صحابۂ کرام، خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور تابعین، محدثین، مجتہدین اور ان متبعین رحمہم اللہ تعالیٰ سب کے سب بیس رکعت نمازِ تراویح کے قائل ہوئے ہیں، وہ سنتِ نبویؐ کی اتباع کرنے والے تھے۔

عہدِ فاروقیؓ میں گیارہ رکعت والی روایت

مؤطا امام مالک ص ۴۰ پر باب ماجاء فی قیام رمضان میں ایک حدیث ہے: مالك عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزانه قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و تمیما الداری ان يقوما للناس باحدى عشرة رکعة۔ کہ "حضرت امام مالکؒ نے استاذ حضرت محمد بن یوسفؒ سے، اور انھوں نے اپنے استاذ حضرت سائب بن یزیدؒ سے روایت کیا ہے کہ: امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے سید القراء سیدنا ابی بن کعب اور سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح (مع وتر) پڑھایا کریں"۔ تو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر المومنینؓ نے لوگوں کو وتروں سمیت گیارہ رکعت تراویح پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ اور یہ روایت اس لیے بھی معتبر ہے کہ حضرت امام شافعیؒ نے موطا امام مالک کو "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" قرار دیا ہے۔ یعنی موطا امام مالکؒ ایسی کتاب ہے جو قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ صحیح ہے۔ سو اس کا **جواب** یہ ہے کہ جب قیامِ رمضان یا نمازِ تراویح سے متعلق احادیث و روایات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کے تین دَور گزرے ہیں۔

① عہدِ نبویؐ، عہد صدیقیؓ اور عہدِ فاروقیؓ کی ابتداء (۱۳ھ تک) ② عہدِ فاروقیؓ کا دُوسرا سال ۱۴ھ۔ اور ③ ۱۵ھ اور اس کے بعد تا امروز۔

پہلا دَور: جو عہدِ نبویؐ، عہدِ صدیقیؓ اور عہدِ فاروقیؓ کے پہلے سال پر مشتمل ہے۔

فضیلت قیامِ رمضان کے زیرِ عنوان ایک حدیث گزر چکی ہے، جس میں تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ لیکن اس کا وجوبی حکم نہیں دیا کرتے تھے۔ البتہ عہدِ نبویؐ میں نمازِ تراویح باجماعت پڑھنے کا اِلتزام نہیں تھا۔ ہاں ایک بات یہ ہوئی تھی کہ ایک روز حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو سید القراء سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں تراویح پڑھتے ہوئے دیکھ کر

نہ صرف اُن کی تحسین فرمائی بلکہ دو یا تین رات خود بھی باجماعت تراویح پڑھائی۔

عہدِ نبویؐ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب کے مُطابق رمضان المبارک میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عموماً انفرادی طور پر ہی نمازِ تراویح پڑھا کرتے تھے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے استاذ حضرت ابن شہاب زہریؒ سے اور وہ اپنے استاذ حضرت ابو سلمہ عبد اللہؓ بن عبد الرحمٰنؓ بن عوف سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامِ رمضان کی ترغیب دیتے اور وجوبی حکم نہ دیتے۔ پھر فرماتے کہ جو شخص ایمان کے ساتھ موجب ثواب سمجھ کر قیام رمضان کرے اس کے تمام گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔

حضرت امام ابنِ شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ یہ سلسلہ (رمضان المبارک میں) اسی طرح قائم تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون) پھر عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے شروع میں (۱۳ھ تک) یہ کام اسی طرح ہوتا رہا۔

دُوسرا دَور: عہدِ فاروقیؓ کا دُوسرا سال ۱۴ھ

یہ وہ دَور ہے جس میں امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے باجماعت نمازِ تراویح کا التزام فرمایا۔ اور اس کے بارے میں بحوالہ بخاری شریف ص ۲۶۹ "تراویح و تہجد میں فرق بلحاظِ فضیلت" کے زیرِ عنوان روایت گزر چکی ہے۔ لیکن مُحوّلہ بالا روایت میں تعدادِ رکعاتِ تراویح کا کوئی ذکر نہیں، جیسا کہ تاریخ ابنِ اثیر ج ۲ ص ۲۴۰ میں ہے: وفیہا (ای ۱۴ھ) امر عمر بالقیام فی شہر رمضان فی المساجد بالمدینۃ وجمعھم علیٰ ابن کعب وکتب الی الامصار۔ کہ امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۴ھ میں مدینہ منورہ کی مسجدوں میں باجماعت نمازِ تراویح پڑھنے کا حکم فرمایا۔ اور سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو (مسجدِ نبوی میں) لوگوں کا امام مقرر فرمایا۔ اور دیگر سب شہروں کی طرف بھی یہی حکم نامہ لکھ بھیجا۔

اس روایت میں تعدادِ رکعاتِ تراویح کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لیکن حضرت

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کتاب "الموطا" ص ۴۰ میں ہے: عن السائب بن یزید انہ قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب تمیما الداری ان یقوما للناس احدی عشرۃ رکعۃ. کہ سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابی بن کعب اور سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھایا کریں۔

اس اثر کے ناقل حضرت محمد بن یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ ہیں، جن کے شاگرد پانچ ہیں۔ اور ان سب کے بیانات مُختلف ہیں۔ سطورِ ذیل میں ان سب کے بیان تحریر کیے جاتے ہیں، تاکہ مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

① حضرت عبد العزیز بن محمد تلمیذ حضرت محمد بن یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سیدنا سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ: "ہم امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے"۔ (سنن سعید بن منصور) اس میں نہ حضرت عمرؓ کے حکم کا ذکر ہے اور نہ ہی حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ کا۔

② حضرت یحییٰ بن سعید بن فروخ ابو سعید قطان بصری تمیمیؒ تلمیذ محمد بن یوسفؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا سائب بن یزیدؓ نے فرمایا کہ "حضرت امام عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ پر لوگوں کو جمع فرمایا، پس وہ دونوں گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے"۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

③ حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ تعالیٰ تلمیذ حضرت محمد بن یوسفؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "امیر المومنین سیدنا عمرؓ نے سیدنا ابی بن کعب اور سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھایا کریں"۔ (مؤطا امام مالکؒ)

④ حضرت محمد بن اسحاق بن یسار ابوبکر المطلبی امام المغازیؒ تلمیذ محمد بن یوسفؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "ہم امیر المومنین

سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بماہ رمضان المبارک (نمازِ تراویح کی) تیرہ ۱۳ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔" (قیام اللیل)

اس میں نہ تو امیر المومنین رضؓ کے حکم کا ذکر ہے اور نہ ہی حضرت ابیؓ و تمیمؓ کا نیز گیارہ رکعتوں کی بجائے اس میں تیرہ رکعتوں کا ذکر ہے۔

⑤ حضرت داؤد بن قیسؒ تلمیذ حضرت محمد بن یوسفؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت سائب بن یزیدؓ نے فرمایا کہ "امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اکیس رکعتوں کا حکم دیا۔" (دیکھیے فتح الباری لابن حجرؒ ج ۴ ص ۲۰۴ و نیل الاوطار ج ۲ ص ۵۷ و مصنف عبد الرزاق ج ص و عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۲۷)

اس میں گیارہ یا تیرہ کی بجائے اکیس کا ذکر ہے۔

یہ پانچوں حضرت محمد بن یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں، اور ان پانچوں کے بیانات مختلف ہیں، پس یہ حدیث مضطرب ہوئی۔ اور جب تک کسی ایک طریق کو راجح قرار نہ دیں اس وقت تک مُدعا کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں۔ یا پھر تطبیق کی صورت تلاش کریں۔

چنانچہ حضرت ابن عبد البر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اکیس والی روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور گیارہ والی روایت کو وہم راوی بتایا۔ حالانکہ عند التحقیق یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے دوسرے شاگرد حضرت یزید بن خصیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی بھی اسی عہدِ فاروقیؓ سے متعلق روایت موجود ہے اور حضرت یزیدؒ کے تمام شاگرد بلا اختلاف بیس رکعت تراویح بیان کرتے ہیں۔ پس بیس رکعت والی حضرت یزیدؒ کی اس روایت کو حضرت محمد بن یوسفؒ کی روایت پر ترجیح ہے کیونکہ اس میں حضرت یزیدؒ کے سب شاگردوں کا اتفاق ہے جبکہ حضرت محمد بن یوسفؒ کے پانچوں شاگردوں کا باہم اختلاف ہے۔ لہٰذا گیارہ والی روایت مرجوح اور سیدنا سائب بن یزیدؓ کے دوسرے شاگرد حضرت یزید بن خصیفہؒ کی بیس والی روایت کو راجح قرار دیا جائے گا۔

تیسرا دَور: ۱۵ھ اور اس کے بعد تا امروز

تراویح سے متعلق احادیث و آثار کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ امیرالمومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ نے ۱۵ھ میں لوگوں کے حالات کو دیکھ کر حکم دیا کہ نمازِ تراویح کی بیس رکعات باجماعت پڑھی جائیں۔ جیسا کہ حضرت علامہ محمد انور شاہ محدث کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فیض الباری ص ۴۲۰ میں تاریخ الخلفاء کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے: كتب في السنة الخامس عشرة ان تقام التراويح عشرين ركعة.

تراویح کے دُوسرے دَور سے متعلق گیارہ رکعت والی روایت کے ناقل حضرت یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مُرسل طریق سے جو اثر خود بیان فرمایا ہے اس میں آپ فرماتے ہیں: ان عمر بن الخطاب ﷺ امر رجلا يصلي بهم عشرين ركعة. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳) کہ امیرالمومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح پڑھایا کرے۔

اس اثر کا اسناد مرسل قوی ہے۔ اور اس کے تمام راوی ثقہ و پختہ ہیں۔ حضرت یحییٰ بن سعید بن فرّوخ ابوسعید قطان بصری تمیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ جو ایک طرف تو حضرت محمد بن یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہونے کی وجہ سے حضرت امام مالکؒ کے اُستاد بھائی ہیں تو دُوسری طرف خود حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اُستاذ بھی ہیں۔ انھوں نے امیرالمومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں دیکھا، البتہ خود بڑے پختہ اور ثقہ محدّث تھے۔ جیسا کہ حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب اسعاف المبطّا برجال المؤطا ص ۴۰ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ بن سعیدؒ ثقہ ہیں، بہت زیادہ احادیث کے حافظ ہیں، حجّت اور ثبت ہیں۔ نیز حضرت سفیان ثوری اور حضرت سفیان بن عیینہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے انھیں حُفّاظِ حدیث میں شمار کیا ہے۔ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت یحییٰ بن سعید قطان رحمۃ اللہ تعالیٰ تمام راویوں سے زیادہ پختہ و ثقہ ہیں۔

گیارہ اور تیئیس والی روایات میں تطبیق

تراویح کے ان تین ادوار کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ درحقیقت ہر دور میں نماز تراویح وتروں کے علاوہ بیس رکعت ہی پڑھی جاتی رہی ہے۔ بیس رکعت سے کم تراویح کا کہیں بھی وجود نہیں ہے۔ اور اگر کہیں گیارہ رکعتوں کا ذکر تھا بھی تو اسے حضرت علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے وہم راوی قرار دے کر رد کر دیا ہے۔

اور اگر پھر بھی کوئی شخص بضد ہو کہ گیارہ والی روایت بھی صحیح ہے تو پھر تطبیق کی صورت تلاش کرنی ہوگی، کیونکہ وتروں کے علاوہ بیس اور وتروں سمیت تیئیس رکعات والی روایات بھی تو صحیح ہیں، جن پر عہد نبویؐ، عہد صدیقیؓ اور عہدِ فاروقیؓ اور اس کے بعد تا امروز برابر عمل ہو رہا ہے۔ چنانچہ:

حضرت علامہ ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶ میں گیارہ اور تیئیس یا آٹھ اور بیس کے تعارض کو کالعدم قرار دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: یمکن الجمع بین الروایتین بانھم کانوا یقومون باحدیٰ عشرۃ ثم کانوا یقومون بعشرین ویوترون بثلاث۔ کہ گیارہ اور بیس والی روایتوں میں تطبیق ممکن ہے، اور وہ اس طرح کہ وہ لوگ پہلے (سنہ ۱۴ھ میں) گیارہ رکعتیں پڑھتے ہوں گے۔ اور اس کے بعد (سنہ ۱۵ھ میں) بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھنے شروع کر دیے۔

یاد رہے کہ یہ تطبیق امام بیہقیؒ نے دی ہے، ورنہ اصل بات وہی ہے جو ہم پہلے حضرت علامہ عبدالبرؒ کے حوالے سے تحریر کر چکے ہیں کہ گیارہ رکعت کے الفاظ دراصل راوی کے وہم کا نتیجہ ہیں، کیونکہ اس اثر کے اصل راوی سیدنا سائب بن یزیدؓ ہیں، جن کے ایک شاگرد حضرت یزید بن خصیفہؒ ہیں جو بیس رکعت بتلاتے ہیں، جبکہ ان کے دوسرے شاگرد محمد بن یوسفؒ ہیں، اور پھر ان کے پانچ شاگرد ہیں، جن میں سے کسی ایک کی روایت دوسرے سے نہیں ملتی، اس لیے وہ روایت مضطرب ہے۔

خاتمہ:

جس مسئلہ پر قرآن وسنت کی روشنی میں صحابۂ کرامؓ ومجتہدینِ عظامؒ کا اتفاق ہوجائے اسے اجماع کہتے ہیں۔ اور اگر کسی مسئلہ پر عہدِ صحابہؓ میں تو اختلاف تھا مگر بعد میں مجتہدینؒ نے تحقیق کرکے اس اختلاف کو ختم کردیا تو بھی وہ اجماع ہوگیا۔ پھر اس اجماع کے بعد نئے سرے سے پرانی اختلافی روایات کو سامنے رکھتے ہوئے کسی مجمع علیہ مسئلہ کو اختلافی مسئلہ قرار دینا جائز نہیں۔

اسی طرح زیرِ بحث مسئلہ تعدادِ رکعاتِ تراویح اول تو عہدِ نبویؐ سے لے کر اب تک کبھی اختلافی نہیں رہا۔ یا یوں سمجھیں کہ بیس سے کم تراویح کا کوئی بھی قائل نہیں ہوا، بیس سے زیادہ چوبیس، اٹھائیس، چھتیس اور چالیس رکعات تو بعض علماء ومحدثین نے بیان کی ہیں اور اس پر بعض نے عمل بھی کیا ہے۔ اور جن روایات میں آٹھ رکعت کا ذکر ہے، اول تو وہ تراویح کے بارے میں وارد ہی نہیں ہیں اور جن میں تراویح کا ذکر ہے وہ یا تو ضعیف بلکہ موضوع ہیں یا کم ازکم مضطرب تو ہیں، اور مضطرب ناقابلِ عمل ہوتی ہے جبکہ موضوع روایت پر عمل کرنا حرام ہے۔

اب رہا یہ کہ بعض کے نزدیک تراویح کی چھتیس یا چالیس رکعات ہیں تو وہ اس طرح ہیں کہ مکہ کے لوگ ہر چار رکعت کے بعد طوافِ کعبہ سے مشرف ہوتے تھے تو اہلِ مدینہ نے ہر چار رکعت کے بعد چار رکعت نفل پڑھنے شروع کردیے تاکہ ثواب کے حصول میں اہلِ مکہ سے زیادہ پیچھے نہ رہیں، لیکن تراویح کی اصل رکعات تو ان کے نزدیک بھی بیس ہی ہے۔ اور بیس سے کم تراویح کا کوئی بھی قائل نہیں ہوا خود حضرت امام مالکؒ کے نزدیک بیس تراویح مختار ہیں۔ تفصیلات پہلے گزر چکی ہیں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں اور برکتوں کی باعث نمازِ تراویح کے اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ سنتِ نبویؐ پر عمل کرکے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے مستحق ہوں۔ آمین۔

سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ. الخ

کیا عورت امام بن کر دوسری عورتوں کو صلوٰۃ التسبیح پڑھا سکتی ہے یا نہیں؟

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

آپ کے سوالات اور شیخ الحدیث حضرت علامہ نیلوی مدظلہ کے جوابات

سوال: کیا عورت امام بن کر دُوسری عورتوں کو صلوٰۃ التسبیح پڑھا سکتی ہے یا نہ؟ اس صورت میں عورت امام مرد امام کی طرح عورتوں کے آگے کھڑی ہو یا ایک طرف کھڑی ہو کر امامت کرے۔
اس سلسلہ میں بعض علماء فرماتے ہیں کہ عورت دُوسری عورتوں کی امامت نہیں کرا سکتی۔ تو اگر عورت امام نہ بنے اور محض معلّمہ کی حیثیت سے ایک طرف کُرسی پر بیٹھ جائے اور صلوٰۃ التسبیح پڑھنے والی عورتوں کو نماز کا طریقہ اور تسبیحات کی تعداد بتلاتی رہے تو کیا یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ قرآن و سُنّت اور فقہ حنفی کے مطابق صحیح جواب عنایت فرمائیں۔ (حافظ عبدالرحیم بلاک نمبر ۲۴ سرگودھا)

جواب: اِس سوال میں کئی باتیں ہیں، جن کی تشریح اور ان کا حکم بیان کرنا نہایت ضروری ہے۔

① عورت کا امام بننا۔
② صلوٰۃِ تسبیح کا باجماعت ادا کرنا۔
③ امام عورت کا ایک کنارہ میں کھڑا ہونا۔
④ کُرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا اور دُوسروں کا اس کی اقتداء کرنا۔

پہلی بات

یعنی عورت کا امام بننا۔ اس بارے میں محققین علماء صحابہؓ تابعین و تبع تابعین یہی کہتے ہیں کہ عورت امام نہیں بن سکتی چنانچہ مُصنّف ابن ابی شیبہ ص ۸۹ ج ۲ میں ہے:

"عن علی رضی اللہ عنہ قال لا تؤم المرأۃ۔"
یعنی امامنا امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عورت جماعت نہ کرائے۔

اس سے آگے دُوسری حدیث لکھی ہے کہ:

ابن عون فرماتے ہیں کہ مَیں نے حضرت نافع (مولیٰ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما) کی طرف خط لکھا اور سوال کیا کہ کیا عورت دُوسری عورتوں کی امام بن سکتی ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ میں یہ نہیں جانتا کہ عورت عورتوں کی امام بنے، یعنی عورت امام نہیں بن سکتی۔

حضرت امام نافع رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کے آزاد شدہ غلام اور بہت خصوصی تلمیذِ رشید ہیں جنہیں لائق اور قابل و ذہین سمجھ کر مَسندِ تدریس پر بٹھا گئے تھے اور مدینہ پاک میں ان کا مسکن تھا۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ رحمہما اللہ کے اُستاذ ہیں ان دونوں جلیل القدر مجتہدین نے علمِ حدیث انہی سے حاصل کیا

مدینہ طیبہ میں جو حالات تھے ان سب سے وہ واقف تھے

مع ہذا جب وہ یہ فرما رہے ہیں کہ لا اعلم المرأۃ توم النساء تو معلوم ہوا کہ مدینہ پاک میں عورتوں کی امامت کا معمول نہ تھا۔ نیز اور جتنے محدثین مدینہ طیبہ میں تھے کسی نے مدینہ طیبہ کی عورتوں کی امامت کا ذکر نہیں کیا۔ اگر یہ معمول ہوتا تو ان بڑے بڑے محدثین سے یہ بات مخفی نہ ہوتی۔ اور ظاہر ہے کہ سلف صالحین کے دور میں جس کام کا رواج نہ ہو وہ کام اگرچہ عبادت کے قبیل سے لگتا ہو وہ ٹھیک نہیں ہے۔ اگر یہ کام نیکی کا ہوتا تو سبقونا الیہ یہ سلف صالحین ہم سے پہلے اس عملِ خیر میں سبقت لے جاتے۔

پھر امامنا امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ و کرم اللہ وجہہ جن کے تبحر علمی میں کسی کو شک کرنے کی گنجائش ہرگز نہیں ہو سکتی، وہ صراحۃً منع فرماتے ہیں کہ عورت جماعت نہ کرائے اور کسی صحابیٔ رسول ؓ نے اس قول کی تردید نہیں کی تو معلوم ہوا کہ واقعی اس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ عورت امام نہیں بن سکتی۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ بھی عورتوں کی جماعت کے قائل نہیں۔ چنانچہ ائمۂ مالکیہ کی مستند و معتمد علیہ کتاب المدونۃ الکبریٰ ص ۸۴ میں ہے وقال مالکؒ لا تؤم المرأۃ یعنی عورت امامت نہ کرائے۔ نہ مردوں کی نہ عورتوں کی نہ بچوں کی

نہ ملے جُلوں کی۔

اور امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ مدینہ کے باشندہ ہیں انصاری ہیں، مدینہ کے حالات سے خوب واقف ہیں۔ ان کا یہ قول اٹکل سے نہیں ہے۔

اور معجم الکبیر ص ۳۴۲ ج ۹ میں حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل کیا ہے کہ اخروھن حیث اخرھن اللہ یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو مؤخر رکھا ہے تم بھی ان کو مؤخر اور پیچھے ہی رکھو۔ اور ظاہر ہے کہ عورت کو امام بنایا جائے تو عورت آگے ہوگی، لہٰذا یہ فرمان بھی یہی بتارہا ہے کہ عورت کو امام نہ بنایا جائے۔ اور مصنف عبد الرزاق میں بھی اسی طرح ہے۔

الکافی ص ۲۱۳ میں شیخ الاسلام ابو محمد موفق الدین عبد اللہ بن قدامہ مقدسی حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے ان المرأۃ لیست من اھل الجماعات۔ یعنی عورت جماعت کرانے کی اہل ہی نہیں ہے۔

کفایۃ الاخیار فی حل غایۃ الاختصار ص ۱۳۵ ج ۱ میں حضرت امام تقی الدین ابوبکر بن محمد الحسینی الحصنی الدمشقی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اخروھن من حیث اخرھن اللہ۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا

جو قول طبرانی نے المعجم الکبیر ص ۳۴۲ ج ۹ میں نقل کیا ہے وہ قول حضرت ابن مسعودؓ کا اپنا نہیں بلکہ وہ دراصل حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی فرمان ہے، صرف اتنا ہے کہ انھوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک نہیں لیا۔

اور ہدایہ میں ہے ویکرہ للنساء ان یصلین وحدھن الجماعۃ یعنی نری عورتیں ہی عورتیں ہوں اور وہ باجماعت نماز ادا کریں تو یہ مکروہ ہے یعنی مکروہ تحریمی ہے۔

ہدایہ کی شرح البنایہ میں علامہ محمود عینی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ حضرت حسن بصریؒ اور سلیمان بن بشارؒ بھی امام مالکؒ کی طرح عورتوں کی جماعت کو مکروہ کہتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ تابعین و تبع تابعین، سلف صالحین کے دور میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں ملتا کہ عورتوں کی جماعت اسلامی سلطنت کے کسی حصہ میں ہوا کرتی تھی اور اب تک چودہ صدیاں گزر گئیں، مگر تاریخ میں یہ ذکر نہیں ملتا کہ عورتیں باقاعدہ اذان و اقامت کے ساتھ کسی گھر میں اکٹھی ہو کر جماعت کراتی ہوں۔

یہ الگ بات ہے کہ تاریخ اکثر تاریک ہے خصوصاً پاک و ہند میں تو تاریخ کو عملاً مسلمانوں نے تاریک کوٹھڑی میں ہی رکھا ہے نیز ہندی رسم الخط میں تاریکھ तारीख ہی لکھا جاتا ہے اور ہندو پاک کی مختلف علاقائی زبانوں میں کھ اور ک آپس میں بدلتے رہتے

ہیں، سو اس لحاظ سے بھی تاریخ کو تاریک کہا جا سکتا ہے ، اور پنجابی میں تو مختصر کر کے یعنی الف کو حذف کر کے عموماً تریک ہی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ ہاں البتہ تاریخی حقائق سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، اس کے لیے مطالعہ و تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے ، جس کا شوق ہمارے علاقہ کے لوگوں میں نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ قوم مختلف گروہوں میں بٹی پڑی ہے اور اس کے نقصانات اور نتائج سے بے خبر و بے فکر ہے۔ جو طریقہ سلف صالحین سے نہ ملتا ہو اس کی ترویج اسی عاقبت نااندیشی، یا تفریق بین المسلمین کی علامت ہے۔

اگر صلوٰۃِ تسبیح میں جماعت کرانا عورتوں کے لیے جائز ہوتا تو مکتوبات یعنی پنجگانہ فرض نمازیں اذان و اقامت کے ساتھ باجماعت پڑھنے کا معمول بطریقِ اولیٰ ہوتا۔ مگر جو لوگ عورتوں کا باجماعت صلوٰۃ تسبیح پڑھنے پر زور دیتے ہیں ان کو کبھی ایسی جرأت نہیں ہوئی کہ اس بات پر بھی زور دیں کہ عورتیں اذان واقامت کے ساتھ باجماعت پنجگانہ نمازیں بھی پڑھا کریں بلکہ جہاں عورتوں کے مدارس بنے ہوئے ہیں جیسے الجامعۃ اسلامیہ لبنات الاسلام گجرات، یا منڈی واربرٹن یا گوجرانوالا، اور سرگودھا وغیرہ میں کہیں نہیں سنا کہ وہ باقاعدہ اذان و اقامت کے ساتھ باجماعت نماز پنجگانہ پڑھتی ہوں، حالانکہ صلوٰۃ تسبیح سے پنجگانہ

نمازوں کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔

چونکہ عورت کو امام بنانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اخروھن من حیث اخرھن اللہ کے خلاف ہوتا ہے اس لیے علماء کرام لکھتے ہیں کہ اگر جماعت میں امام کے پیچھے عورت نماز پڑھ رہی ہو اور امام نے نیت کی ہو کہ میں اس عورت کا بھی امام ہوں تو تین مُردوں کی نماز باطل ہو جائے گی۔

- عورت کے دائیں طرف کھڑا ہونے والا۔
- عورت کے بائیں طرف کھڑا ہونے والا۔
- عورت کے پیچھے کھڑا ہونے والا۔

کیونکہ انھوں نے اخروھن من حیث اخرھن اللہ فرمانِ نبویؐ کی تعمیل نہیں کی۔

کنز الدقائق میں ہے و (کرہ) جماعۃ النساء یعنی عورتوں کی جماعت مکروہ ہے۔

بحر الرائق میں ہے اے وکرہ جماعۃ النساء وحدھن لانھا لا تخلو عن ارتکاب محرم وھو قیام الامام وسط الصف فیکرہ کالعراۃ کذا فی الھدایہ وھو یدل علی انھا کراھۃ تحریم لان التقدم واجب علی الامام للمواظبۃ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم وترک الواجب موجب لکراھۃ التحریم یعنی عورتوں ہی عورتوں کی

جماعت اس لیے مکروہ (تحریمی) ہے کہ حرام کا ارتکاب ہوتا ہے کیونکہ عورت کا صف کے بیچ میں ننگوں کی طرح کھڑا ہونا ہے جیسے ہدایہ میں ہے اور یہ مکروہ تحریمی ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ آگے کھڑے ہو کر نماز پڑھائی تھی اس لیے امام کا نمازیوں کے آگے کھڑا ہونا واجب ہے، اور واجب کا ترک مکروہ تحریمی ہونے کا موجب ہے۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ نے فتاویٰ النوازل ص ۴۷ میں لکھا ہے وکل من یصح صلوٰتہ فی نفسہ یصح الاقتداء بہ الا المرأۃ لان تاخیرھا مامور بہ یعنی جس کی اپنی نماز درست ہو سکتی ہے اس کو امام بنانا بھی درست ہے سوا عورت کے، کیونکہ عورت کو مؤخر رکھنے کا حکم ہے۔

الاشباہ والنظائر ص ۵۰۵ میں ہے وتکرہ جماعتھن ویقف الامام وسطھن ولا تصلح اماما للرجال ویکرہ حضورھا الجماعۃ یعنی عورتوں کی جماعت مکروہ (تحریمی) ہے (لیکن اگر عورتیں باجماعت نماز پڑھیں تو) امام عورت ان عورتوں کے بیچ میں کھڑی ہوا کرے اور عورتیں مردوں کی امام نہیں بن سکتیں اور عورتوں کا جماعتِ رجال میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔

حموی نے حاشیہ میں لا تصلح اماما للرجال کے تحت لکھا ہے کہ عدم صلاحیت سے مراد عدم صحت ہے یعنی عورت

امام ہو تو مرد کی نماز ہوتی ہی نہیں بلکہ باطل ہوتی ہے کیونکہ مَردوں کا امام بننے کے لیے مرد ہونا شرط ہے۔

پھر ص ۵۰۷ میں لکھا وتوخر فی جماعۃ الرجال یعنی مَردوں کی جماعت میں جب عورت شریک ہو تو اُسے مَردوں سے مؤخر (پیچھے) رکھا جائے۔

کیونکہ ابوداؤدؒ نے سنن ابی داؤد ص ۱۰۵ میں باب مقام الصبیان من الصف کے تحت لکھا ہے قال ابومالک الاشعری الا احدثکم بصلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فاقام الصلوٰۃ فصف الرجال وصف الصبیان خلفھم ثم صلیٰ بھم اس کے بعد ۱۰۶ پر باب صف النساء وکراھۃ التاخر عن الصف الاول کے تحت لکھا ہے عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر صفوف الرجال اولھا وشرھا اٰخرھا وخیر صفوف النساء اٰخرھا وشرھا اولھا یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردوں کی صفوف میں سے بھلی صف پہلی ہے، اور بُری صف آخری ہے اور عورتوں کی صفوں میں سے بھلی صف آخری ہے اور بُری صف پہلی ہے۔

پھر اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت لکھی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یزال قوم

یتاخرون عن الصف الاول حتیٰ یؤخرھم اللہ فی النار

ادراکِ فضیلت کا اہتمام نہ کرتے ہوئے لوگ پہلی صف سے پیچھے پیچھے ہٹتے چلے جائیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کو خیرات سے، اور اپنی رحمت میں داخل کرنے سے پیچھے کر دیں گے۔

اس کے بعد حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ کو دیکھا کہ صفِ اوّل سے پیچھے پیچھے ہٹ رہے ہیں تو آپؐ نے فرمایا قدموا آگے بڑھو فاتموابی میری اقتداء کرو ولیاتم بکم من بعدکم اور تم سے بعد والے تمہاری اقتداء کریں گے ولا یزال قوم یتاخرون حتیٰ یؤخرھم اللہ، اور لوگ پیچھے پیچھے ہٹیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی رحمت سے ان کو پیچھے رکھیں گے۔

فتاویٰ دار العلوم مدلل و مکمل ص ۳۰۱ ج ۳ میں ہے کہ عورتوں کا امام اگر عورت ہو تو ہر نماز مکروہ ہے فی العالمگیریہ ص ۸۰ ج ۱

ویکرہ امامۃ المرأۃ فی الصلوٰۃ کلھا من الفرائض والنوافل۔

چونکہ عورتوں کا مقام آگے نہیں ہے اسی لیے صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ و تبع تابعینؒ و دیگر سلف صالحینؒ و ائمہ مجتہدینؒ سب کے سب اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی عورت کراہت کا خیال

نہ کرتے ہوئے امام بن بھی جائے تو مرد امام کی طرح آگے کھڑی نہیں ہوسکتی بلکہ عورتوں کے بیچ میں کھڑی ہو۔

چنانچہ شرح وقایہ ص ۱۷۶ میں ہے ویقف الامام وسطھن یعنی اگر بالفرض عورتیں باجماعت نماز پڑھنا چاہیں تو صف میں کھڑی ہونے والی مقتدیہ عورتوں کے بیچ میں ان کو جماعت کرانے والی امام عورت کھڑی ہو۔

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۸۸ و ۸۹ ج ۲ میں ہے کہ حضرت حجیرہؒ فرماتی ہیں کہ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں نماز پڑھائی تھی اور آپؓ عورتوں کے وسط میں کھڑی ہوئی تھیں اور اسی طرح اُمِّ الحسنؒ نے اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ آپؓ عورتوں کی صف میں ان کے ساتھ کھڑی ہوکر نماز پڑھا رہی تھیں۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی ایسا ہی کیا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی فتویٰ تھا کہ اگر عورت امام بنے تو عورتوں کے بیچ میں کھڑی ہو۔

اور یہ روایات اگرچہ ضعیف ہیں مگر اجماع کی وجہ سے اس مسئلہ میں قوت پیدا ہوگئی کہ اگر عورت امام بنے تو درمیان میں کھڑی ہو، اسی لیے شافعی اور حنابلہ و حنفیہ سب کا یہی مسلک ہے، امام شعبیؒ و حمید بن عبدالرحمٰن کا بھی یہی فتویٰ تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۸۹ ج ۲)

شرح روض الطالب من اسنی المطالب ص ۲۰۹ ج ۱ میں امام

ابو یحییٰ زکریا انصاری شافعیؒ نے لکھا ہے وتقف امامتھن وسطھن..... بخلاف الرجل..... یقف منھما امامھن۔

الکافی ص ۱۹۲ ج ۱ میں شیخ الاسلام ابو محمد موفق الدین عبداللہ بن قدامہ مقدسی حنبلیؒ نے لکھا ہے السنۃ للمرأۃ اذا امت النساء ان تقوم وسطھن یعنی جب عورت امام بنے عورتوں کی تو اس امام عورت کے کھڑا ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ ان مُقتدی عورتوں کے وسط میں کھڑی ہو۔

الروض المربع شرح زاد المستقنع ص ۲۵۶ ج ۱ میں منصور بن یونس بن ادریس بہزنی حنبلیؒ نے لکھا ہے والمرأۃ اذا امت النساء تقف وسطھن یعنی جب عورت عورتوں کی امام بنے تو عورتوں کے وسط میں کھڑی ہو۔

کفایۃ الاخیار فی حل غایۃ الاختصار ص ۱۳۶ میں حضرت امام تقی الدین ابوبکر بن محمد الحسینی الحصنی الدمشقی الشافعیؒ نے لکھا ہے کہ ولا تضر المساواۃ لعدم التقدم عورت امام کا مقتدی عورتوں کی صف میں ان کے برابر کھڑا ہونا نقصان دہ نہیں کیونکہ اس میں امام عورت کا تقدم نہیں۔

العُدّہ شرح العمدہ ص ۹۸ میں ہے مسألہ وان صلت امرأۃ بالنساء قامت معھن فی الصف وسطا

اسی طرح تمام فقہاء شافعیہ اور حنابلہ کا بھی یہی موقف

ہے اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس مختصر سے رسالہ میں ان تمام کا مکمل بیان کرنا بہت مشکل ہے۔

عورت کے امام نہ بننے کی ایک اور وجہ بھی علماء کرام نے لکھی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب عورت امام ہوگی تو اس کو باآوازِ بلند تکبیریں کہنی ہوں گی، جہری نمازوں میں قرأت بھی بلند آواز سے پڑھنی ہوگی اور سمع اللہ لمن حمدہ بھی بلند آواز سے کہنا ہوگا اور سلام بھی بلند آواز سے کہنا ہوگا اور عورت کی آواز بھی عورت ہے، امام عورت کو جہر کرنا منع ہے، اگر جہر کرے گی تو نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ عورت کی آواز بھی عورت ہے اور اسے بھی ظاہر نہیں کرنا چاہیے۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مرتبہ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۳۶ ج ۱ میں ہے: جو عورت حافظِ قرآن ہو، نماز میں جہر نہیں کر سکتی، اس لیے کہ کلام عورت عند البعض عورت ہے، (یعنی آواز بھی ستر عورت ہے) شامی جلد اوّل

فاتحِ قادیان حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ ثنائیہ ص ۵۲۷ ج ۱ میں لکھا ہے:

سوال: کیا عورت اذان پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حدیث شریف میں آیا ہے کہ المرأۃ کلھا عورۃ عورت تمام کی تمام پردہ میں رہنی چاہیے، اس لیے اس

کی آواز بھی باہر نہ جانی چاہیے۔ اللہ اعلم

العمدہ ص ۶۰ میں ہے وھما مشروعان للصلوٰۃ الخمس دون غیرھا للرجال دون النساء۔

حاشیہ اسنی المطالب ص ۱۲۶ ج ۱ میں ہے الاذان عبادۃ و المرأۃ لیست من اھلھا اور اسنی المطالب میں ہے ولا تؤذن عورت اذان نہ کہے۔ آگے لکھا ہے کہ بلند آواز کرنا عورت کا حرام ہے کہ اس طرح مردوں کے سامنے (آواز کا) ستر کھل جاتا ہے، کیونکہ اس بلند آواز میں فتنہ ہے، جس طرح چہرہ کھولنے میں فتنہ ہے۔ حرم کمایحرم تکشفھا بحضرۃ الرجال لانہ یفتتن بصوتھا کما یفتتن بوجھھا۔

عدہ شرح العمدہ ص ۶۰ میں ہے وقال الحسن وابراھیم و الشعبی وسُلیمان بن یسار لیس علی النساء اذان ولا اقامۃ، رواہ سعید فی سننہ۔

شبہ: محدث بیہقیؒ نے السنن الکبریٰ ص ۱۳۱ ج ۳ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث لکھی ہے انھا کانت تؤذن و تقیم وتؤم النساء وتقوم وسطھن کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود اذان اور اقامت کہتی تھیں اور امام بنتی تھیں عورتوں کی، اور ان کے وسط میں کھڑی ہوتی تھیں؛ اس سے معلوم ہوا کہ عورت اذان کہہ سکتی ہے اور آپ کا قول اس

حدیث کے خلاف ہے۔

جواب: یہ حدیث صرف اس سند کے ساتھ ثابت ہے
اخبرنا ابو عبداللہ الحافظ ثنا ابو العباس محمد بن یعقوب
ثنا احمد بن عبد الجبار ثنا عبداللہ بن ادریس عن لیث عن
عطا عن عائشۃ رضی اللہ عنہا۔ اس سند میں "احمد بن عبد الجبار
ابن محمد العطاردی الکوفی" ہے جس کو حافظ ابن حجر کنانی عسقلانیؒ
نے تقریب التہذیب ص ۵ میں ضعیف کہا ہے، لہٰذا یہ حدیث
دلیل میں پیش نہیں کی جا سکتی۔

شبہ: ابوداؤدؒ نے اپنی سنن ابی داؤد ص ۹۴ میں لکھا ہے
کہ اُمّ ورقہ بنتِ نوفل رضی اللہ عنہا قرآن کی حافظہ تھیں انھوں
نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ میں اپنے
گھر میں مؤذن رکھ لوں جو میرے لیے اذان کہہ دیا کرے، تو حضرت
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُمّ ورقہ کو اجازت دے دی،
پھر ص ۹۵ میں یہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُمّ ورقہؓ کے
گھر بہ نفسِ نفیس تشریف لے گئے اور ام ورقہؓ کے لیے مؤذن مقرر
فرمایا جو ان کی خاطر اذان کہا کرے اور آپؐ نے ام ورقہؓ کو حکم
دیا کہ اپنے محلہ کی عورتوں کو باجماعت نماز پڑھایا کرے، تو اس
حدیث سے صاف معلوم ہُوا کہ عورت عورتوں کو باجماعت نماز
پڑھا سکتی ہے۔

جواب : ابوداؤدؒ نے پہلی حدیث کی سند اس طرح لکھی ہے

حدثنا عثمان بن ابی شیبة ثنا وکیع بن الجراح ثنا الولید بن عبد اللہ بن جُمیع حدثتنی جدتی و عبد الرحمٰن بن خلاد الانصاری الخ. تو اس سند میں ذکر کردہ راویوں میں ایک راوی کا نام ہے الولید بن عبداللہ بن جُمیع، جس کے بارے میں الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ نے تقریب التہذیب مطبع مجتبائی ص ۲۳۰ میں لکھا ہے الولید بن عبد اللہ بن جُمیع الزھری المکی نزیل الکوفة صدوق یَہِمُ ورمی بالتشیع یعنی سچا تو ہے مگر اکثر و بیشتر وہم کا شکار ہوتا رہتا ہے نیز شیعہ پن کے ساتھ متہم ہے۔

اور دوسری روایت کی سند میں بھی یہی راوی ہے۔ نیز اس کا ایک شاگرد محمد بن فُضَیل بن غزوان ہے، اس کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے تقریب التہذیب ص ۱۹۳ میں لکھا ہے رُمی بالتشیع یعنی یہ بھی شیعہ پن کے ساتھ متہم ہے، بلکہ "لسان المیزان" ص ۳۰۷، ج ۶ میں لکھا ہے شیعی غال یعنی غالی اور کٹر شیعہ تھا، لہٰذا یہ روایت احتجاج میں پیش نہیں کی جاسکتی۔

پھر ہم نے اہل تشیع کی کتب معتبرہ کو دیکھا اس میں صاف معلوم ہوتا ہے کہ گو عورت کے ذمہ اذان و اقامت کہنا ضروری تو نہیں ہے مگر اذان و اقامت عورت کہے تو اس کو ثواب ملے گا۔ چنانچہ شیخ مفید کی تصنیف المقنعة کی شرح تہذیب الاحکام

مصنفہ شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی ص ۵۷ و ۵۸ ج ۲ میں ہے قال الشیخ ولیس علی النساء اذان ولا اقامۃ بل یتشہدن الشہادتین ولو اذنّ و اقمن علی الاخفات لم یکن مازورات بل کن ماجورات یعنی عورتوں کے ذمے نہ اذان ہے نہ اقامت بلکہ وہ کلمہ شہادت پڑھ لیا کریں اور اگر چپکے سے اذان واقامت کہ دیں تو ثواب ہوگا گناہ نہ ہوگا۔

من لایحضرہ الفقیہ ص ۱۹۴ ج ۱ میں ابوجعفر صدوق محمد بن علی بن الحسین بن بابویہ قمی متوفی ۳۸۱ھ نے لکھا ہے قال الصادق علیہ السلام لیس علی المرأۃ اذان ولا اقامۃ. اذا سمعت اذان القبیلۃ و تکفیھا الشہادتان ولٰکن اذا اذنت واقامت فھو افضل یعنی حضرت امام جعفر صادق کا فرمان ہے کہ عورت پر اذان واقامت ضروری نہیں، جب محلہ کی اذان سن لے تو کلمہ شہادتین پڑھ لینا اس کے لیے کافی ہے، لیکن عورت اگر خود اذان واقامت کہ دے تو اس میں زیادہ فضیلت ہے۔

فروع الکافی کتاب الصلوٰۃ باب بدء الاذان والاقامۃ ص ۳۰۵ ج ۳ میں ہے کہ جمیل بن دراج کے دریافت کرنے پر ابوعبداللہ جعفر صادق رح نے فرمایا کہ عورت کے ذمے اذان و اقامت نہیں۔ محشی نے مدارک سے نقل کرتے ہوئے لکھا کہ تمام اصحاب (شیعہ) کا اتفاق ہے کہ عورتوں کو اذان دینا

مشروع اور جائز ہے مگر تاکید نہیں۔ پھر معتبر ص ۱۶۱ کے حوالے سے لکھا کہ اسی پر ہمارے علماء متفق ہیں۔ الخ

قارئینِ محترم! اب یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ عورتوں کی اذان واقامت والا مسئلہ اہلِ سُنّت کا نہیں بلکہ شیعہ کا مسئلہ ہے۔ اور علماءِ اہلِ سُنت میں سے کوئی بھی عورتوں کی اذان واقامت کو مستحسن وافضل نہیں سمجھتا اور نہ ہی اس پر اہلِ سُنّت میں سے کسی کا عمل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث ہی سرے سے ذکر نہیں کی، کیونکہ اگر کسی کا اس پر عمل ہوتا تو ضرور وہ یہ روایت بیان کرتے، کیونکہ وہ خود فرماتے ہیں کہ سوائے دو حدیثوں کے جس قدر حدیثیں میں نے بیان کی ہیں، اُن پر کسی نہ کسی کا عمل ہے جمیع مافی ھذا الکتاب من الحدیث ھو معمول بہ وبہ اَخَذَ بعض اھل العلم ماخلا حدیثین، حدیث ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمع بین الظھر والعصر بالمدینۃ. والمغرب والعشاء من غیر خوف ولا سفر ولا مطر. وحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال اذا شرب الخمر فاجلدوہ فان عاد فی الرابعۃ فاقتلوہ (کتاب العلل در آخر جامع ترمذی ص ۲۳۳)

شبہ: ابن ابی شیبہؒ نے اپنے مُصَنَّف ص ۸۸ ج ۲ میں عنوان قائم کیا المرأۃ تؤم النساء یعنی عورت کا عورتوں

کی امامت کرانے کا بیان، اس میں ام الحسنؒ اور حجیرہؒ کہتی ہیں کہ ہمیں حضرت ام سلمہؓ نے عورتوں کے وسط میں کھڑے ہوکر نماز پڑھائی، وہ امام بنی تھیں، اور سنن الکبریٰ ص ۱۳۱ ج ۳ میں بیہقیؒ نے بھی یہ روایت ذکر کی ہے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے حضرت عطاء نے فرمایا کہ آپؓ عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور عورتوں کی صف میں ان کے ساتھ کھڑی ہوتی تھیں۔

اور السنن الکبریٰ ص ۱۳۱ ج ۳ میں محدث بیہقیؒ نے اپنی سند کے ساتھ یہی روایت کی، اس میں تو حضرت ام المؤمنینؓ کا اذان و اقامت کہنے کا بھی ذکر ہے۔

اور اسی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بھی ذکر ہے کہ عورت عورتوں کی امام بنے تو عورتوں کے وسط میں کھڑی ہوا کرے۔ تو اِن احادیث سے معلوم ہوا کہ عورتیں عورتوں کو باجماعت نماز پڑھا سکتی ہیں اور عورت امام بن سکتی ہے۔

جواب: حجیرہؒ کے طریق سے تو روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں ذکر ہے اس کی سند یہ ہے حدثنا ابو بکر ثنا سُفیان بن عُیَیْنَہ عن عمار الدھنی عن امرأۃ من قومہ اسمھا حجیرہ ابو بکرؒ تو خود صاحب مُصَنَّف ہیں، ان کے اُستاذ سُفیان بن عُیَیْنَہ ہیں جو بہت مشہور ثقہ امام ہیں، ان کی جلالت

شان کسی سے مخفی نہیں مگر آخری عُمر میں ان کے حافظہ میں اختلاط پیدا ہو گیا تھا۔ پھر ان کا استاد عمار بن معاویہ دہنی ہے جس کے بارے تقریب التہذیب ص ۱۵۲ میں لکھا ہے صدوق یتشیع یعنی سچا تو تھا مگر شیعہ پن اس میں تھا۔ اور ام الحسنؒ والی روایت میں ابوبکر ابن ابی شیبہؒ کے اُستاذ علی بن مُسْہِر قریشی ہیں۔ ابن حجر رحمۃ اللہ نے تقریب التہذیب ص ۱۵۱ میں لکھا ہے کہ اس کی کئی غریب حدیثیں ہیں۔ پھر ان کے استاذ ہیں سعید بن عروبہ بصری جو قتادہ سے بہت روایت کرتے ہیں، وہ اپنے اُستاذ قتادہ کی طرح مدلس ہیں جو عن سے روایت کریں تو معتبر نہیں ہوتی۔ مع ہذا یہ سعید آخرِ عُمر میں خلط ملط حافظہ والے ہو گئے تھے۔ طبقات المدلسین ص ۱۴ میں حافظ ابن حجرؒ نے اسی طرح لکھا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شیعہ کے ہاں یہ مسئلہ مُسَلَّم ہے۔ چنانچہ فروع کافی کتاب الصلوٰۃ باب الرجل یؤم النساء والمرأۃ تؤم النساء کے تحت لکھا ہے: سُلیمان بن خالد نے کہا کہ میں نے ابوعبداللہؒ (جعفر صادق) سے دریافت کیا کہ عورت عورتوں کی امام بن سکتی ہے تو انھوں نے فرمایا اذا کن جمیعا اَمّتھن فی النافلۃ فاما المکتوبۃ فلا ولا تقدمھن ولکن تقوم وسطا منھن یعنی سب عورتیں ہوں تو نفلوں کی نماز میں عورت امام بن سکتی ہے فرضوں میں نہیں اور عورتوں کے وسط میں کھڑی ہو آگے

نہ کھڑی ہو۔

نیز حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث میں ابن ابی لیلیٰ ہیں جو صاحبِ مُصنَّف کے اُستاذ وکیع کے اُستاذ ہیں، ان کے متعلق حضرت امام طحاویؒ نے اپنی کتاب مشکل الآثار ص ۲۲۶ ج ۳ میں ان کے بارے میں لکھا ہے ابن ابی لیلیٰ مع جلالۃ قدرہ وعلو مرتبتہ فی الفقہ وفی ماسواہ فھو مضطرب الحفظ جدا یعنی باوجودیکہ حضرت ابن ابی لیلیٰ قدر و منزلت کے اعتبار سے بہت اجل ہیں اور فقہ وغیرہ میں ان کا مقام بہت اعلیٰ ہے مگر مع ہٰذا حافظہ کے اعتبار سے بہت ہی مضطرب ہیں۔

اور مُحدِّث بیہقی نے ص ۱۳۱ میں جو روایت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اپنی سند سے روایت فرمائی ہے، اس سند میں عبداللہ بن ادریس ثقہ فقیہ اور عابد کے شاگرد احمد بن عبد الجبار ہیں، جن کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے تقریب التہذیب ص ۵ میں لکھا ہے احمد بن عبد الجبار بن مُحمد العطاری ابو عمر الکوفی ضعیف وسماعہ المیسرۃ صحیح من العاشرۃ لم یثبت ان اباداؤد اخرج لہ۔ بہرحال یہ راوی بھی ضعیف ہے۔

اور ابن عباس کی روایت میں داؤد بن الحصین، عکرمہ کا شاگرد ہے، اموی ہے یعنی امویوں کا غلام آزاد کردہ ابوسُلیمان مدنی ثقہ

ہے، مگر عکرمہ کی روایت میں ثقہ نہیں، اور خارجی فرقہ کی رائے رکھنے کے ساتھ متہم ہے، جیسے حافظ ابن حجرؒ نے تقریب التہذیب ص ۵۴ میں لکھا ہے داؤد بن الحصین الاموی مولاھم ابوسلیمان المدنی ثقۃ الا فی عکرمۃ و رُمی برأی الخوارج۔

یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ یہ واقعات (یعنی حضرت ام سلمہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا عمل) مدینہ پاک کے ہیں جو امام مالکؒ جیسے مُحدّثِ شہیر فقیہ اور مجتہد کبیر سے مخفی نہیں رہ سکتے تھے۔ امام مالکؒ نے صاف صاف فتویٰ دیا کہ عورت مُطلقاً جماعت نہیں کرا سکتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالکؒ ان روایات کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھتے تھے اور اُن کو اِن رُواۃ کے ضعف کا خوب علم تھا اور سمجھتے تھے کہ ان کا قول حجت نہیں، اس لیے قابلِ عمل نہیں ہیں، اور نہ اس قابل ہیں کہ ان کی روایات پر اعتماد کر کے فتویٰ دیا جائے، پھر پندرھویں صدی والوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ پر زبانِ طعن دراز کریں۔

خلاصہ: اس ساری تحریر کا ماحصل یہ ہے کہ مُحقّق مسلک یہی ہے کہ عورت امام نہیں بن سکتی، نہ مَردوں کی، نہ بچوں کی، نہ خُنثوں کی، نہ عورتوں کی۔ اور نہ فرضوں کی جماعت کرا سکتی ہے، نہ نفلوں کی، نہ تراویح کی، نہ جُمعہ پڑھا سکتی ہے نہ عید پڑھا سکتی ہے اور نہ ہی اذان کہہ سکتی ہے نہ تکبیر کہہ سکتی ہے۔ نہ اس پر جمعہ فرض

ہے اور نہ عید واجب ہے اور نہ ہی جنازہ اس پر ہے۔

بلکہ احادیث صحیحہ کی رُو سے عورت مسجد میں آنے کی بجائے اپنے گھر میں نماز پڑھے تو مسجد نبوی (علی صاحبہ الف صلٰوۃ وتحیۃ) میں نماز پڑھنے سے بھی زیادہ ثواب ہے۔

فتاویٰ دار العلوم مدلل و مکمل ص ۷۱ ج ۳ میں ہے:

سوال: ایک عورت قرآن حافظ ہے، اگر وہ عورت کلام ربانی تراویح کے اندر پڑھنا چاہے تو عورتوں کی جماعت ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے، نہیں کرنی چاہیے۔

فتاوی مذکورہ ص ۷۰ ج ۳ میں ہے:

تراویح میں عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔ پھر حاشیہ میں درمختار ص ۵۲۸ ج ۱ کے حوالے سے لکھا: ویکرہ تحریما جماعۃ النساء ولو فی التراویح فی غیر صلٰوۃ جنازۃ۔

دُوسری بات

یعنی صلٰوۃ تسبیح کا باجماعت ادا کرنا

فتاوی دار العلوم مکمل و مدلل ص ۳۱۳ ج ۴ میں سوال، و جواب اس بارے میں لکھا ہے:

سوال: صلٰوۃ التسبیح کی جماعت درست ہے یا نہیں؟

الجواب: جماعت نوافل کی خواہ صلوٰۃ التسبیح ہو یا کوئی دوسرے نوافل، اگر بتداعی ہو وہ مکروہ ہے، فقط

فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۴ ج ۲ میں حضرت فقیہ النفس مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

نوافل کی جماعت تہجد ہو یا غیر تہجد سوائے تراویح و کسوف و استسقاء کے، اگر چار مقتدی ہوں تو حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمیہ ہے، خواہ خود جمع ہوں یا خود بطلب آویں اور تین میں خلاف ہے اور دو میں کراہت نہیں۔ کذا فی کتب الفقہ واللہ تعالیٰ اعلم

اور ص ۲۹ ج ۱ میں ہے: جماعت نوافل کی سوائے ان مواقع کے کہ حدیث سے ثابت ہیں مکروہ تحریمیہ ہے۔ فقہ میں لکھا ہے اگر تداعی ہو اور مُراد تداعی سے چار آدمی مقتدی کا ہونا ہے۔ پس جماعت صلوٰۃ کسوف تراویح استسقاء کی درست اور باقی سب مکروہ ہیں۔ کذا فی کتب الفقہ انتہیٰ

حضرت گنگوہیؒ کے اس فتوےٰ سے کہ "باقی سب مکروہ ہیں" صلوٰۃ التسبیح کا حکم بھی معلوم ہو گیا، کیونکہ صلوٰۃ کسوف، تراویح اور استسقاء کے سوا باقی سب میں صلوٰۃ تسبیح بھی داخل ہے۔

فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۰ و ۱۹۸ ج ۲ میں ہے کہ تہجد کی جماعت باجماعت علی سبیل التداعی مکروہ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بھی "باقی سب" میں داخل ہے۔

امداد الاحکام ص ۵۱۹ میں ہے: نفل کی جماعت کرنا جب کہ چار مقتدی ہوں تو اتفاقاً مکروہ ہے اور تین مقتدی ہوں تو کراہت میں اختلاف ہے، اور جس صورت میں مکروہ نہیں، اس میں ثواب نہ ملنے کی تصریح تو نہیں ہے۔

شامی نے ۱۴۱ ج ۱ میں قول بدائع ان الجماعۃ فی التطوع لیست بسنۃ سے اِستنباط کیا ہے اور اس میں تامل بھی ظاہر کیا ہے۔ بہرحال اہتمام جماعت نفلوں میں نہ کرنا چاہیے۔

فتاویٰ سراجیہ ص ۱۵ میں ہے یکرہ التطوع بالجماعۃ بخلاف التراویح وصلوٰۃ الکسوف تراویح وسورج گہن کی نماز کے سوا نفل باجماعت مکروہ ہیں۔

الاشباہ والنظائر ص ۲۰۱ پر محشی حموی نے لکھا اداء النفل بجماعۃ علی سبیل التداعی مکروہ الا ما استثنیٰ کصلوٰۃ التراویح یعنی تراویح کی طرح مستثنےٰ نمازوں کے سوا بتداعی نفل باجماعت پڑھنا مکروہ ہے۔

خلاصۃ الفتاویٰ ص ۱۵۳ ج ۱ میں ہے: رمضان شریف کے علاوہ باجماعت نفل نہ پڑھے جائیں۔ شمس الائمہ سرخسیؒ سے مروی ہے کہ بتداعی نفل باجماعت مکروہ ہیں۔ اگر مقتدی صرف ایک آدمی یا دو آدمی ہوں تو مکروہ نہیں، اگر تین مقتدی ہوں تو اس کی کراہت میں اختلاف ہے، اگر چار مقتدی ہوں تو بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے

اور اصل قاعدہ یہ ہے کہ نوافل کی جماعت علیٰ سبیل التداعی مکروہ ہے۔

فتاویٰ ہندیہ ص ۸۷ ج ا میں ہے التطوع بالجماعۃ اذا کان علی سبیل التداعی یکرہ۔

اور درمختار میں بحوالہ درر لکھا ہے کہ غیر رمضان میں نوافل باجماعت مکروہ ہیں بشرطیکہ تداعی ہو یعنی امام کے پیچھے چار مقتدی ہوں۔

فائدہ: اس ضمن میں یہ مسئلہ بھی آگیا کہ عید کی نماز بھی عورتیں عورت کی اقتداء میں نہیں پڑھ سکتیں، جیساکہ کفایت المفتی ص ۲۴۶ ج ۳ میں حضرت اُستاذی المکرم المعظم المحترم مولانا مفتی محمد کفایت اللہ علیہ رحمۃ اللہ نے لکھا ہے: عورتوں پر عیدین کی نماز واجب نہیں، اگر پڑھیں تو نفل ہوگی اور نفل میں جماعت مکروہ ہے۔ اس کے آگے بدائع ص ۲۷۰ ج ا و ہندیہ و درمختار کے حوالے لکھے۔

کبیری شرح مُنیہ ص ۳۶ میں ہے کہ ترك المکروہ اولیٰ من فعل المندوب مستحب کام کرنے سے اولیٰ ہے مکروہ کا ترک کرنا

نیز کفایت المفتی ۲۴۵ ج ۳ میں ہے عورتوں کو جُمعہ کی نماز مسجد میں جاکر پڑھنا جائز ہے مگر بہتر نہیں۔

نیز کفایت المفتی ص ۲۵۰ و ۲۵۸ ج ۳ میں ہے کہ عورتوں کو

عیدگاہ میں نمازِ عید کے لیے جانا جائز نہیں کہ ان کے جانے میں فتنہ ہے۔

پھر ص ۲۵۴ ج ۳ میں لکھا ہے کہ: فتنہ کا وجود غالب ہے اور غالب ہی پر احکام شرعیہ مبنی ہوتے ہیں۔

اعتراض: چلو مکروہ ہے تو کیا ہُوا، نماز تو ہو جاتی ہے لہٰذا جائز ہے۔

جواب: حضرت مولانا مُفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ نے کفایت المفتی ص ۳۴۱ ج ۳ میں لکھا ہے کہ: نفل باجماعت حنفیہ کے نزدیک سوائے ان چند نمازوں کے جن کی تصریح کر دی گئی ہے (مثلاً نماز تراویح و نماز کسوف) مکروہ ہیں...... اور یہ بھی یاد رہے کہ مکروہ خواہ تحریمی ہو یا تنزیہی، بہر حال وہ ممنوع شرعی ہے اور جو چیز شرعاً ممنوع ہے اس میں ثواب کی امید رکھنی احکام شریعت کو نہ سمجھنے پر مبنی ہے۔ جس چیز کو شریعت منع کرتی اور مکروہ بتاتی ہے' اس میں ثواب کیسا؟ اگر ثواب ہوتا تو وہ ممنوع اور مکروہ کیوں ہوتی؟ کیا شریعت ثواب کے کام کو بھی منع کر سکتی ہے؟ نیکی کا کام وہی ہے جو اصولِ شرعیہ کے موافق ہو، ورنہ تمام بدعات بظاہر نیکی کے کام ہی ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ شرعاً بے اصل ہوتے ہیں' اس لیے وہ ناجائز اور ممنوع قرار دیے جاتے ہیں۔

اور مکروہ تنزیہی کو ہلکا سمجھنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ چُنانچہ

کفایت المفتی ص ۲۳۸ ج ۳ میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ: نماز جمعہ و عیدین کے بعد مصافحہ کرنا اور اس کو اس وقت کی خاص سُنّت سمجھنا مکروہ ہے۔ کراہت تنزیہی ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تنزیہی کو ہلکا سمجھ کر مصافحہ کیا جائے۔

تیسری بات:

یعنی امام عورت کا ایک کنارہ میں کھڑا ہونا

زیرِ نظر بحث کے پڑھنے سے یہ مسئلہ خود بخود واضح ہو جاتا ہے کہ جو عورت جماعت کرا رہی ہے وہ آگے نہ کھڑی ہو جیسے مرد امام مُقتدیوں کی صف سے آگے بڑھ کر اکیلا کھڑا ہوتا ہے بلکہ مقتدی عورتوں کی صف میں کھڑی ہو اور عین بیچوں بیچ کھڑی ہو کہ اس کی دائیں طرف جتنی عورتیں ہیں، بائیں طرف بھی اتنی ہی ہوں، اور اس بارے میں احادیث صریح ہیں۔ جب امام عورت کا مقتدیات کے وسط میں کھڑا ہونے کا حکم ہُوا تو اس کے خلاف جس جگہ بھی کھڑی ہوگی وہ ممنوع اور ناجائز ہوگا۔

حنفیہ کے اُصولِ فقہ میں یہ مسئلہ محقق ہے الامر بالشیء یقتضی کراھۃ ضدہ یعنی کسی چیز کا جو حکم ملے اس کے خلاف کرنے سے کراہت لازم آتی ہے۔

اور فقہاء شافعیہ لکھتے ہیں والامر بالشیء نہی عن ضدہ

(نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج ص ۵ ج ۲ فی الفقہ علی مذہب الامام

الشافعیؒ. تالیف شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزۃ بن شہاب الدین الرملی المنوفی المصری الانصاری الشہیر بالشافعی الصغیر المتوفی ۱۰۰۴ھ) یعنی ایک چیز کا حکم ہونا اس کے خلاف کے منہی عنہ ہونے کا مقتضی ہے۔

پس معلوم ہوگیا کہ عورت امام کا ایک کنارے میں کھڑا ہونا شرعاً ممنوع ہے۔

چوتھی بات:

کُرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا اور دُوسروں کا اس کی اقتداء کرنا۔

سو اگر فرض نماز ہے تو اس میں قیام فرض ہے اور بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُومُوا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ بڑی عاجزی سے اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہو جاؤ۔

کُرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا ٹھیک نہیں کہ یہ ہیئت مسلمانوں کی نماز کی نہیں۔ البتہ پولوسی (عیسائی) بنچوں اور کرسیوں پر بیٹھ کر عبادت کرتے ہیں، تو کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے سے ان کے ساتھ تشبہ ہُوا اس لیے ممنوع ہے۔

اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ یعنی جو شخص کسی غیر قوم کے ساتھ مشابہت کرے گا تو انجام کار رفتہ رفتہ وہ انہی میں سے ہو جائے گا۔

قال اللہ تعالیٰ

مَا آتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

فضل المعبود

فی بیان حکم

هيئة المرأة فی السجود

یعنی

عورت سجدہ کیسے کرے؟

از

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

امداد الاحکام ص۲۵۴ میں ہے کہ یہ سوال حضرت علامہ مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کیا گیا ہے، انہوں نے زنانِ ہند کے اس طریقِ سجدہ کو اقوالِ فقہاء کے موافق بتلایا ہے، اسی کے موافق بہشتی زیور میں مسطور ہے اور فقہاء کی عبارت سے جس طرح یہ مضمون سمجھا گیا ہے اوپر لکھ دیا گیا

پھر ص۲۵۴ میں لکھا تتمہ: عباراتِ فقہاء سے قطع نظر کر کے اب میں حدیث کی طرف توجہ کرتا ہوں۔ حضرت علی کی حدیث میں ہے واذا سجدت المرأۃ فلتحتفز ولتضم فخذیہا (رواہ ابن ابی شیبہ بسند حسن) اور عبد اللہ رض بن عمر رض کی مرفوع حدیث میں ہے اذا سجدت المرأۃ الصقت بطنہا علی فخذہا وفی روایۃ بین فخذیہا کاستر ما یکون۔ رواہ البیہقی۔ اور یزید بن ابی حبیب رض کی مرسل روایت میں ہے قال ﷺ للمرأتین اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض فان المرأۃ فی ذلک لیست کالرجل۔ رواہ ابو داؤد فی مراسیلہ۔ والروایات کلہا فی اعلاء السنن

اس سے امورِ ذیل معلوم ہوئے۔

(۱) عورت سجدہ میں احتفاز کرے والاحتفاز التضام فی السجود۔

(۲) عورت سجدہ میں پورے ستر کے ساتھ جتنا ممکن ہو، پیٹ کو رانوں سے چپکائے۔

اب ہمارا خیال یہ ہے کہ پورے ستر کے ساتھ الصاقِ بطن بالفخذین اور پورا انضمام اعضاء اور زمین سے گوشت کو منضم کر دینا اسی صورت سے متحقق ہے جو بہشتی زیور میں ہے اھ (جو صورت آپ (سائل) نے تجویز کی ہے (کہ قدمین کو مرد بھی کھڑے رکھے اور عورت بھی کھڑے ہی رکھے) نہ اس میں پورا الصاق ہے نہ پورا ستر ہے، نہ زمین سے گوشت ملا الخ)

ضمیمہ ۲ متعلقہ نماز با عمامہ

خلاصۃ الفتاوی ص۵۸ میں فقیہ امجد طاہر بن احمد بن عبد الرشید بخاری رحمہ نے لکھا ہے ومکشوف الراس وھو یجد العمامۃ ان کان تھاونا بالصلوٰۃ یکرہ ولو کان للتضرع لاباس بہ یعنی عمامہ کے ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے اگر تہاون کی صورت میں ہو۔ اور اگر تواضع کی صورت میں ہے تو اگرچہ اتنی تنگی اور مضایقہ تو نہیں ہے مگر پھر بھی اچھا نہیں (تو اس کا حاصل یہی ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے

فتاوی سراجیہ ص۱۱ میں ہے اذا صلی حاسر الرأس کرہ وان قصد بہ التواضع یعنی اگرچہ تواضع کے قصد سے ننگے سر نماز پڑھے، تب بھی مکروہ ہے

مفتاح الصلوٰۃ ص۸ میں مکروہات جامہ کی فصل میں مکروہات جامہ نمبر ۱۳ میں لکھا سیزدہم سر برہنہ یعنی مکروہات جامہ میں سے تیرہواں مکروہ ہے ننگے سر نماز پڑھنا۔ اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ تین کپڑوں میں نماز پڑھنے کا طریقہ ہی پسندیدہ طریقہ ہے۔ پگڑی قمیص۔ تہبند

علامہ محدث عبد الرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شمائل ترمذی ص۱۶۵ و ص۱۶۶ میں لکھا ہے والعمامۃ سنۃ لاسیما للصلوٰۃ وبقصد التجمل لاخبار کثیرۃ فیھا........ اور عمامہ باندھنا خاص کر نماز ادا کرنے کے لیے اور تجمل کے ارادہ سے سنت ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول تھا عمامہ باندھنے کا۔ کیونکہ اس بارے میں کثرت سے حدیثیں وارد ہیں

حافظ ابن قیم رحمہ نے زاد المعاد جلد اول ص۳۴ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمامہ تھا جس کا نام سحاب تھا اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر پہ باندھا تھا

اور آپ بھی باندھا کرتے تھے اور آپ عمامہ کے نیچے ٹوپی بھی رکھ لیتے تھے کبھی کبھی بغیر عمامہ کے صرف ٹوپی سے سر ڈھک لیتے تھے اور کبھی کبھی بغیر ٹوپی کے صرف عمامہ باندھ لیتے تھے۔

رکن رکین ص ۱۵۶ میں حکیم مظہر الحق فنوجی رحمہ اللہ نے لکھا ہے "ٹوپی (یا عمامہ) ہوتے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے"

پھر ص ۱۵۷ میں لکھا "مکروہ تنزیہی سے نماز دُوہرانا مستحب ہے۔ مگر عصر اور فجر کی نماز نہ دُوہرائے۔

ننگے سر نماز پڑھنے کے بارے علماء اہل حدیث کے فتوے

فتاوٰی علماء حدیث جلد ۔ میں یہ عنوان قائم کیا

کپڑا موجود ہو تو ننگے سر نماز ادا کرنا ضد سے ہوگا یا قلّتِ عقل سے

نیز یہ ثابت ہوتا ہے کہ اچھے کپڑوں کے ساتھ تجمل سے نماز پڑھنا مستحب اور مسنون ہے۔ خذوا زینتکم عند کل مسجد (القرآن) کے مضمون سے بھی وضاحت ہو جاتی ہے۔ چار کپڑے ہوں تو نماز کامل ہوگی قمیص، پاجامہ، پگڑی، اور ازار۔ ان تمام گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ سر ننگا رکھنے کی عادت اور بلا وجہ ایسا کرنا اچھا فعل نہیں۔ یہ عمل فیشن کے طور پر روز بروز بڑھ رہا ہے۔ یہ اور بھی نامناسب ہے۔ ٥

بقیہ بر صفحہ د در آخر رسالہ

ویسے یہ مسئلہ کتابوں سے زیادہ عقل و فراست کے متعلق ہے اگر اس جنسِ لطیف سے طبیعت محرومِ نہ ہو، تو ننگے سر نماز ویسے ہی مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ ضرورت و اضطراب کا باب اس سے الگ ہے فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ میں شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب دہلوی رح نے لکھا ہے: ٹوپی یا عمامہ سے نماز پڑھنا اولیٰ ہے کیونکہ یہ ایک مسنون عمل ہے

فتاویٰ علماء حدیث جلد ۳ میں مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی رح کا فتویٰ درج ہے ابتدائے عہدِ اسلام کو چھوڑ کر جب کہ کپڑوں کی قلت تھی، اس کے بعد اِس عاجز کی نظر سے کوئی ایسی روایت نہیں گذری جس میں بہ صراحت یہ موجود ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رض نے مسجد میں اور وہ بھی جماعت ننگے سر نماز پڑھی ہو۔ چہ جائیکہ معمول بنا لیا ہو۔ اس لیے اس بد رسم کو جو پھیل رہی ہے بند کرنا چاہیے۔

اگر فیشن کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز مکروہ ہوگی۔ اگر تعبّد اور خشوع و خضوع اور عاجزی کے خیال سے پڑھی جائے تو یہ نصاریٰ کے ساتھ تشبہ ہوگا۔ اسلام میں ننگے سر رہنا سوائے اِحرام کے تعبّد یا خشوع و خضوع کی علامت نہیں۔ اور اگر کسَل و سُستی کی وجہ سے ہے تو یہ منافقوں کی ایک خلقت کے تشابہ ہوگا۔ اور ولایاتون الصلوٰۃ الا وھم کسالیٰ (القرآن) نماز کو آتے ہیں تو سُست اور کاہل ہوکر۔ غرض ہر لحاظ سے ننگے سر نماز پڑھنا یہ ناپسندیدہ عمل ہے۔

اسی فتاویٰ میں مولانا عبدالمجید صاحب صاحب خادم سوہدری کا فتویٰ درج ہے: ننگے سر نماز ہو جاتی ہے بوجہ مجبوری اگر کپڑا نہ ہو۔ مگر بطور فیشن لاپرواہی اور تعصب کی بنا پر مستقل ابدالآباد کے لیے یہ عادت بنا لین

جیسا کہ آج کل دھڑلے سے کیا جا رہا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ نبی علیہ السلام نے خود یہ عمل ننگے سر نماز پڑھنے والا نہیں کیا۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی نے ایک سوال کے جواب میں لکھا "ایسی عادات (ننگے سر نماز پڑھنا) عقل و فہم کے خلاف ہے۔ عقلمند اور متدین (دیندار) آدمی کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابۂ کرامؓ اور اہلِ علم کا طریق وہی ہے جو اب تک مساجد میں متوارث اور معمول بہا ہے (سر پر کپڑا رکھ کر نماز پڑھنا) کوئی مرفوع حدیث صحیح میری نظر سے نہیں گذری جس سے اس عادت کا جواز ثابت ہو۔ خصوصاً باجماعت فرائض میں۔ بلکہ عادت مبارکہ (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی) یہ تھی کہ پورے لباس سے نماز ادا فرماتے تھے۔

غرض حدیث سے بھی بلا عذر ننگے سر نماز کی عادت اختیار کرنا ثابت نہیں۔ محض بے علمی، بدعلمی یا کسی اور وجہ سے یہ رواج بڑھ رہا ہے۔ بلکہ بعض جہلا تو اسے سُنّت سمجھنے لگے ہیں العیاذ باللہ۔

جماعت مبلغین اشاعۃ التوحید والسنۃ کی طرف سے مولانا ابو عثمان عبد الغنی صاحب حقانی خطیب جامع مسجد فضل فیصل روڈ اصغر کالونی گوجرانوالہ نے ایک اشتہار اس عنوان سے طبع کرا کے ملک کے طول و عرض میں پھیلا دیا۔ اور ایک عدد اشتہار میری طرف بھی ارسال فرمایا۔ مَیں نے جو حوالے پہلے لکھے تھے اس کے بعد اُن کے دیے ہوئے حوالے بھی بطور ضمیمہ اور تتمہ کے اس رسالہ کے آخر میں ملحق کر دیے تاکہ اس طرح لوگوں کو مزید تسلی ہو جائے۔

اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو موجب بنے مزید

ثواب من عند اللہ الواسع الحلیم الرحمٰن الرحیم کا

نوٹ: اس اشتہار میں اخبار اہل حدیث امرتسر ۹ فروری ۱۹۳۴ء ص۱۳ کے حوالہ سے عنوان قائم کیا

"فتاوی نذیریہ کی تصدیق غیر مقلد مولانا ثناء اللہ امرتسری کے قلم سے

اس فتاوی (نذیریہ) کے ہوتے ہوئے کسی سے مسئلہ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ اس کا ہر مسئلہ قرآن و حدیث کے مطابق ہے۔

نوٹ: مولوی ثناء اللہ صاحب کی اس تحریر کا یہی مطلب ہے کہ لوگ یہ تحریر دیکھ کر فتاوی نذیریہ کے لکھے ہوئے مسائل کو آنکھیں بند کرکے مان لیں آگے ان کی تحقیق کی مزید ضرورت نہیں۔ یہی تو ہے تقلید شخصی ثناء اللہ کی اب یہ بتائیں کہ فتاوی نذیریہ و ثناء اللہ کی تقلید کونسی آیت سے ثابت ہے

کتبہ طالب الخیر فی الکونین محمد حسین صانہ اللہ عن الشین سابق مدرس مدرسہ امینیہ عربیہ اسلامیہ کشمیری گیٹ دہلی حال صدر مدرس جامعہ ضیاء العلوم سرگودھا و نگران جامعہ صدیقیہ جامع مسجد ذی النورین رضی اللہ عنہ محلہ ظفر آباد جھنگ صدر

عقائد اور اعمال کی اصلاح کرنے والی کتب

الدر المنثورہ از مولانا محمد امیر مرحوم	تفسیر جواہر القرآن کامل از شیخ القرآن رحمہ اللہ
دعوۃ الحق " " "	جواہر التوحید "
التوحید " " "	اقامۃ البرہان از سجاد بخاری
الاقوال المرضیہ " " "	الآیات البینات از نعمان بن محمود آلوسی رحمہ اللہ
العقیدۃ الشرعی از نیلوی	تحفۃ الہند از عبید اللہ نومسلم رحمہ اللہ
شفاء الصدور "	کتاب التوحید جلد اول، ۲، ۳ از جاجروی رحمہ اللہ

جواہر الایمان از مفتی اعظم ہند
تفسیر تسہیل التنزیل زیرِ طبع از نیلوی
رد منکرات ″
فتح الرحمٰن فی قیام رمضان ″
فیض المستغاث فی حکم الطلقات الثلاث ″
بشریت النبی ؐ ″
معراج النبی ؐ ″
عید میلاد النبی ؐ ″
رق منشور فی احکام الموتیٰ والقبور ″
ضیائے حق (۵ مسائل) ″
پیران پیر تاریخ کی روشنی میں ″
المعارف فی تحریم المزامیر والمعازف ″
خیر الکلام فی تقبیل الابہام ″
خاتم النبیین ؐ ″
مرزا قادیانی کی تضاد بیانی ″
قرآن کا مسلسل و مربوط بیان ″
مواہب رحمانی در مسائل قربانی از نیلوی
یوسف ؑ کا نکاح زلیخا سے؟ ″
حضرتِ معاویہؓ کے بارے تین سوالوں کے جوابات ″

تعلیم الاسلام از مفتی اعظم ہند
رد المذاہب الباطلۃ از نیلوی
تفسیر بے نظیر از الوانی رح
مع حاشیہ بدر منیر از نیلوی
آئینۂ تسکین الصدور از شبیر محمد
کشف الستر (عما ورد فی
سماع النبی ؐ عند القبر) ″
حدیث الانبیاء احیاء فی قبورہم ″
تعلیلات پر تحقیقی نظر (زیر طبع) ″
ندائے حق جزء ۱ جلد ۱ از نیلوی
″ ″ ۲ ″ ″
ندائے حق جلد ۲ ″
اپریل فول ″
رذیل عادتیں ″
رفع عیسیٰ ؑ ″
مختصر ترین خلاصہ قرآن حکیم ″
خلاصۃ البیان ″
عورتوں کا سر کے بال کٹوانا از نیلوی
نبی ؐ پر یہودی نے جادو کیا؟ ″
عورت کی سربراہی ″
روافض کے بارے شرعی فیصلہ ″

مکتبۃ الفیصل جامعہ حقانیہ جامع مسجد ذی النورین رضؓ محلہ ظفر آباد جھنگ صدر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ و
السلام علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

امابعد: موجودہ دَور میں یہ مسئلہ عورتوں کی طرف سے پھیلایا جارہا ہے کہ عورتیں بھی مَردوں کی طرح اس طور پر کھُلا سجدہ کریں کہ کہ پیٹ رانوں سے دُور رہے اور ہاتھ اپنے بازوؤں سے دُور رہیں اور درمیان سے بکری کا بچہ گذر سکے۔ جب کہ احادیث نبویہؐ و آثارِ صحابہؓ اور قرآن وسُنّت کا فہم رکھنے والے ائمہ مجتہدین اور ان کے متبعین سے بالدلائل مُبرہن ہے کہ سجدہ عورتوں کا مردوں سے کیفیۃً مختلف ہے اور اس مسئلہ میں کسی مجتہد کا اختلاف نہیں۔

چنانچہ اس رسالہ میں ہم یہی بات بتانا چاہتے ہیں وباللہ التوفیق

امام المحدثین حافظ جلیل ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بیہقی رحمہ اللہ نے السنن الکبریٰ ۲/۲۲۳ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَردوں کو حکم فرماتے تھے ان یتجافوا فی سجودھم کہ مَرد سجدہ میں اپنے اعضاء کو الگ الگ رکھیں یعنی ہاتھ بازوؤں سے الگ رکھیں اور اپنا پیٹ اپنی رانوں سے دُور رکھیں اور سمٹ کر سجدہ نہ کریں۔

اور عورتوں کو آپؐ حکم فرماتے تھے ینخفضن فی سجودھن کہ سجدہ میں پست ہو جایا کریں یعنی مردوں کی طرح عورتیں اپنے اعضاء کو ایک دوسرے سے دور رکھ کر اپنی سرینوں کو اوپر نہ اٹھائیں

امام محدث ابوداؤد سلیمان بن الاشعث سجستانی رحمہ اللہ نے اپنی مراسیل ص۸ میں یزید بن ابی حبیب رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت فرمائی ہے کہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مرّ علیٰ امراتین تصلیان . فقال علیہ السلام اذا سجدتما فضمّا بعض اللحم الی الارض فان المرأۃ فی ذلک لیست کالرجل یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے قریب سے گذرے جو کہ نماز پڑھ رہی تھیں۔ تو آپؐ نے ان عورتوں کو مردوں کی طرح سجدہ کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ جب تم سجدہ کرتی ہو تو اپنے گوشت کا بعض حصہ زمین کے ساتھ ملا دیا کرو (اور مردوں کی طرح تم اپنی سرین نہ اٹھایا کرو) کیونکہ اس بارے میں عورت کا حکم مرد کی طرح نہیں ہے۔

امام بیہقیؒ نے السنن الکبریٰ ج۲ ص۲۲۳ میں بطریق مجاہدؒ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا سجدت الصقت بطنہا فخذیہا کاستر ما یکون لہا جب عورت سجدہ کرنے لگے تو اپنا پیٹ اپنی دونوں رانوں کے ساتھ ملا دیا کرے جیسے عورت کو زیادہ سے زیادہ ستر کرنا ہوتا ہے۔

امام حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی رحمہ اللہ نے

اپنی مصنف ج۲ میں حضرت امامنا خلیفۂ رابع علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ آپؓ نے فرمایا اذا سجدت المرأۃ فلتحتفز ولتضم فخذیھا یعنی جب عورت سجدہ کرنے لگے تو اس کو چاہیے کہ تہہ زمین کے ساتھ لگ جائے اور اپنی دونوں رانوں کو ملالیوے

پھر حضرت حبر الامۃ مفسر قرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل فرمائی کہ آپؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ نماز میں عورت کس طرح سجدہ کرے؟ تو آپؓ نے جواباً فرمایا تجتمع وتحتفز کہ اکٹھی ہو جائے اور زمین کے ساتھ لگ جائے۔ زمین میں گڑ جائے۔

نیز حضرت مجاہد تلمیذ ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت نقل فرمائی کہ کان یکرہ ان یضع الرجل بطنہ علی فخذیہ ولتضع بطنھا علی فخذیھا حضرت امام مجاہد رحمہ اللہ اس بات کو مکروہ اور ناپسند سمجھتے تھے کہ مرد سجدہ کی حالت میں اپنا پیٹ اپنی دونوں رانوں پر رکھ دے۔ البتہ عورت کو چاہیے کہ سجدہ کی حالت میں اپنا پیٹ اپنی دونوں رانوں پر رکھے۔

نیز حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تلمیذ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت نقل فرمائی المرأۃ تضطم فی السجود کہ عورت اپنی طرف سے خوب کوشش کر کے اپنے اعضاء کو اپنی طرف ملائے۔

اور دوسری سند کے ساتھ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا ایک اور قول بھی نقل فرمایا اذا سجدت المرأۃ فلتلتزق بطنھا بفخذیھا ولا ترفع عجیزتھا ولا تجافی کما یجافی الرجل یعنی جب عورت سجدہ کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ سجدہ کی حالت میں اپنا

پیٹ اپنی دونوں رانوں کے ساتھ چپکا دے اور اپنی سرین کو نہ اٹھائے۔ اور مرد کی طرح اپنے اعضاء کو ایک دوسرے سے الگ الگ نہ رکھے

نوٹ کوئی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی یا مجتہد ایسا نظر نہیں آتا جو یہ کہتا ہو کہ عورت اور مرد کے سجدہ میں کوئی امتیاز نہیں ہے بلکہ مردوں کی طرح عورت بھی سجدہ کی حالت میں اپنے سُرین اٹھائے رکھے اور عورت کا پیٹ بھی مردوں کی طرح رانوں سے دُور دُور ہی ہو اور عورت کے ہاتھ بھی مردوں کی طرح پہلوؤں سے دُور رہیں۔ اور عورت بھی مردوں کی طرح اتنا کھُلا سجدہ کرے کہ درمیان سے بکری کا بچہ نکل سکے۔

بلکہ اس کے برعکس تمام ائمۂ مجتہدینؒ کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے۔ جب کہ وہ خیر القرون میں سے ہونے کے ساتھ ساتھ فہم حدیث میں سب سے بلند و بالا ہیں۔

اب ہم چاہتے ہیں کہ مذاہب اربعہ کی کتب سے حوالجات نقل کر کے آپ کے آگے رکھ دیں۔ پھر فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے دبہ نستعین

مسلک علماء شافعیہ رح

شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزہ بن شہاب الدین الرملی المنوفی المصری الانصاری الشہیر بالشافعی الصغیر المتوفی سنہ ۱۰۰۴ھ نے اپنی کتاب فقہ مسمّٰی بہ نہایۃ المحتاج الی شرح المنھاج فی الفقہ علیٰ مذہب الامام الشافعیؒ رضی اللہ عنہ کے صفحہ ۵۱۶ میں تحریر فرمایا ہے و

یفرق الذکر کبتیہ ویکون بین قدمیہ قدر شبر ویرفع

بطنه عن فخذيه ..... ومرفقيه عن جنبيه فی رکوعه و سجوده للاتباع الا فی رفع البطن عن الفخذين والا فی تفريق رکبتيه فی الرکوع فبالقياس . وقوله فی رکوعه وسجوده عائد للجميع . وتضم المرأة والخنثی ولو غير بالغين فيضم کل منهما الی بعض ولو فی خلوة فيما يظهر لما فی تفريقهما بعضه من التشبه بالرجال

یعنی مرد تو اپنے دونوں گھٹنوں کے درمیان فاصلہ رکھے اور مرد کے دونوں قدموں کے درمیان ایک بالشت کا اندازہ ہو۔ اور سجدہ کی حالت میں مرد اپنا پیٹ اپنی دونوں رانوں سے اٹھا رکھے اور رکوع وسجود دونوں میں مرد اپنی دونوں کہنیوں کو اپنے دونوں پہلووں سے دور رکھے .... اور عورت اور خنثیٰ اگرچہ نابالغ ہوں اور اگرچہ ایسی جگہ نماز پڑھ رہے ہوں جہاں اور کوئی بھی نہ ہو تو ان میں سے ہر ایک اپنے بعض اعضا کو بعض کے ساتھ ملا کے رکھے۔ کیونکہ بعض اعضاء کو بعض اعضاء سے فاصلہ پر رکھنے سے مردوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے جو شریعت محمدیہ میں منہی عنہ اور ممنوع ہے۔

حضرت شیخ الاسلام زین الملۃ والدین ابو یحییٰ زکریا انصاری شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب فقہ اسنی المطالب شرح روض الطالب ص ۱۶۲ ج ۱ میں تحریر فرمایا ہے وان یجافی الرجل بطنہ ومرفقیہ عن فخذیہ وجنبیہ وتضم المرأۃ والخنثیٰ بعضھما الی بعض۔

یعنی مرد تو اپنا پیٹ دونوں رانوں سے اور اپنی کہنیاں اپنے دونوں پہلوؤں سے الگ اور دور دور رکھے۔ اور عورت اور خنثیٰ

اپنے بعض اعضا کو بعض کے ساتھ ملا کر رکھا کریں۔

اس کے حاشیہ میں محشی الشہاب ابوالعباس احمد رملی کبیر انصاری شیخ محمد بن احمد شوبری شافعی رحمہ اللہ نے لکھا ہے قولہ وتضم المرأة والخنثیٰ: ظاہر کلامہم انہ لافرق بین الخلوۃ وغیرہا یعنی شافعیہ کا یہ کلام وتضم المرأۃ والخنثیٰ بظاہر یہی بتاتا ہے کہ عورت اور خنثیٰ ایسی جگہ نماز پڑھ رہے ہوں جہاں کوئی دوسرا نہ ہو تب بھی یہی حکم ہے اور دوسروں کی موجودگی میں جب نماز پڑھ رہے ہوں تب بھی یہی حکم ہے دونوں حالتوں میں ایک ہی حکم ہے۔ کوئی فرق نہیں ہے۔

اسی اسنی المطالب میں چند سطور کے بعد یہ عبارت بھی ہے۔ وفیہ عن نص الام (للامام الشافعیؒ) ان المرأۃ تضم فی جمیع الصلوۃ ای المرفقین الی الجنبین یعنی امام شافعی رحمہ اللہ کی امالی کتاب الام میں صراحت کے ساتھ ذکر ہے کہ تمام نماز میں عورت اپنی کہنیاں اپنے پہلوؤں کے ساتھ ملا کر رکھے

امام حجۃ الاسلام محمد بن محمد غزالی رحمہ اللہ نے اپنی فقہ کی کتاب الوجیز ص۲۷ میں لکھا ہے ویفرق (الرجل) بین رکبتیہ ویجافی مرفقیہ عن جنبیہ ویقل بطنہ عن فخذیہ وھو التخویۃ والمرأۃ لاتخوّی یعنی مرد تو اپنے دونوں گھٹنوں کے درمیان فاصلہ رکھے اور اپنی دونوں کہنیاں اپنے دونوں پہلوؤں دُور دُور رکھے اور اپنا پیٹ اپنی دونوں رانوں سے اٹھا رکھے اور اونچا رکھے۔ اور اسی کا نام ہے تخویہ یعنی پیٹ کو رانوں سے اونچا کر رکھنا۔ اور عورت جو ہے وہ تخویہ نہ کرے یعنی پیٹ کو ران سے ملا کر رکھے۔

امام تقی الدین ابوبکر بن محمد حسینی حصنی دمشقی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ دنویں صدی ہجری کے علماء میں سے) اپنی کتاب کفایۃ الاخیار فی حل غایۃ الاختصار صفحہ ۱۲۱ میں تحریر فرماتے ہیں ویستحب ان یجافی مرفقیہ عن جنبیہ لان عائشہ رضی اللہ عنہا روت انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان یفعلہ۔ والمرأۃ تضم بعضہا الی بعض لانہ استر لہا۔ والمستحب للرجل ان یباعد مرفقیہ عن جنبیہ فی سجودہ، ففی الصحیحین انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان اذا سجد فرج بین یدیہ حتی یُریٰ بیاض ابطیہ ویستحب ایضا ان یقل بطنہ عن فخذیہ لما روی انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان اذا سجد فرج رواہ مسلم وفی روایۃ ابی داؤد کان اذا سجد لو ارادت بُہَیمۃ لنفذت والبہیمۃ الانثی من صغار المعز۔ والمرأۃ تضم بعضہا الی بعض لانہ استر لہا۔ خلاصہ اس سب عبارت کا یہی ہے کہ مرد اپنی کہنیاں اپنے پہلوؤں سے دُور رکھے کہ حدیث میں اسی طرح آیا ہے اور سجدہ میں اپنا پیٹ اپنی رانوں سے اونچا رکھے اور عورت اپنے اعضاء ملا کے رکھے کہ اس میں پردہ کا زیادہ دخل ہے۔ اور اس سے پہلے حضرت مصنف رحمہ اللہ نے صراحۃً لکھا والمرأۃ تخالف الرجل فی اربعۃ اشیاء۔ فالرجل یجافی مرفقیہ عن جنبیہ ویقل بطنہ عن فخذیہ فی الرکوع والسجود ..... والمرأۃ بعضہا تضم الی بعض لانہ استر لہا یعنی چار چیزوں میں عورت کی نماز مرد کی نماز سے مختلف ہے ایک تو یہ کہ مرد اپنی کہنیاں اپنی دونوں پہلوؤں سے الگ رکھے دوسرے مرد اپنا پیٹ رکوع و سجود ہر دو میں اپنے رانوں سے اونچا اٹھا رکھے (اس سے آگے دو چیزیں اور ذکر کر کے فرمایا کہ عورت اپنے بعض اعضا کو بعض کے ساتھ ملا کے رکھے۔

کہ اس میں اس کا پردہ خوب ہے۔

شرح المہذب کی کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ میں حضرت الشیخ محی الدین ابو زکریا یحیی بن شرف نووی حزامی شافعی زاہد عالم محقق ناصر السنۃ رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

مسلک علماء حنابلہؒ

حضرت الشیخ الامام مجد الدین ابو البرکات عبد السلام بن عبد اللہ بن ابی القاسم بن محمد بن تیمیۃ الحرانی رحمہ اللہ (متوفی ۶۵۲ھ) نے اپنی فقہ میں لکھی ہوئی کتاب مسمی بہ کتاب المحرر فی الفقہ علی مذہب الامام احمد بن حنبل رحمہ اللہ میں ص۶۷ پر صفۃ الصلوٰۃ کے بیان میں پہلے مردوں کو پوری نماز پڑھنے کا مکمل مسنون طریقہ بتایا۔ اس کے بعد فرمایا والمرأۃ کالرجل فی ذلک کلہ، لکنہ لا تتجافی فی رکوع ولا سجود یعنی باب صفۃ الصلوٰۃ میں شروع سے اخیر تک جس قدر طریقہ نماز پڑھنے کا ہم بیان کر چکے ہیں یہ تو تھا خاص مردوں کے نماز پڑھنے کا طریقہ۔ اب رہی عورت سو وہ سوائے چند مخصوص باتوں کے باقی تمام باتوں میں مردوں کی سی ہے۔ ان چند مستثنیات میں سے ایک تو یہ بات ہے کہ (جب مرد رکوع و سجود میں جاتا تھا تو وہ اپنے ایک عضو کو دوسرے عضو سے دور دور رکھتا تھا۔ لیکن عورت کا یہ حال نہیں ہے کیونکہ رکوع سجود میں عورت اپنے اعضاء کو ملا کر رکھے

علامہ منصور بن یونس بن ادریس البہوتی حنبلی رحمہ اللہ نے فقہ میں لکھی ہوئی اپنی کتاب مسمی بہ کتاب الروض المربع شرح زاد المستقنع

ص۱۳۳ میں تحریر فرمایا ہے والمرأة مثله ای مثل الرجل فی جمیع ما تقدم سے رفع الیدین، لکن تضم نفسها فی الرکوع والسجود وغیرهما فلا تجافی یعنی نماز پڑھنے کے بارے میں جتنی باتیں اس باب میں بیان ہو چکی ہیں ان سب میں عورت بھی مرد کی طرح ہے حتیٰ کہ رفع یدین میں بھی لیکن اتنا فرق ضرور ہے کہ عورت اپنے آپ کو رکوع و سجود میں سمٹا کے رکھے۔ پس رکوع سجود میں عورت اپنے اعضاء کو ایک دوسرے سے الگ الگ اور دُور دُور نہ رکھے

مسلک عُلماء حنفیہ رح

ہدایہ ص۹۲ میں ہے والمرأة تخفض فی سجودها وتلزق بطنها بفخذیها لان ذلک استر لها یعنی عورت اپنے سجدے میں پست ہو جایا کرے اور اپنا پیٹ اپنی دونوں رانوں سے چپکا دیا کرے کیونکہ اس عورت کے لیے اسی کیفیت کے ساتھ سجدہ کرنے میں پردہ خوب رہتا ہے۔

شرح الوقایہ ص۱۶۹ میں ہے والمرأة تخفض وتلزق بطنها بفخذیها اس کے معنے بھی وہی ہیں جو مذکورہ بالا عبارت میں لکھے جا چکے ہیں

فتاوی ہندیہ ص۱۰۱ میں ہے "عورت اپنے اعضا کو رکوع و سجود میں ملا ہوا رکھے۔ جدا جدا نہ کرے۔ اور سجدہ کے بعد دونوں پاؤں نکال کر بیٹھے اور سجدہ میں پیٹ کو رانوں پر بچھائے۔ یہ خلاصہ میں ہے۔

فتاوی عالمگیری جلد اول ص۷۵ میں ۵۰۰ علماء کا متفقہ فیصلہ ہے جس پر سلطان الہند حافظ قاری صوفی مولوی الحاج اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کی مہر تصدیق ثبت ہے کہ والمرأة لا تجافی فی رکوعها و

سجودہا وتقعد علیٰ رجلیہا۔ وفی السجدۃ تفترش بطنہا علیٰ فخذیہا کذا فی الخلاصۃ اور عورت اپنے رکوع اور سجود میں مَردوں کی طرح اپنے اپنے اعضاء کو ایک دوسرے سے دُور دُور نہ رکھے۔ اور بیٹھتے وقت عورت اپنے دونوں سرینوں پر بیٹھے۔ اور سجدہ میں اپنا پیٹ اپنی دونوں رانوں پر بچھادے۔ خلاصۃ الفتاوی میں اسی طرح ہے

علامہ کاسانی رح نے بدائع صنائع ۲۱۰/۱ میں لکھا ہے فاما المرأۃ فینبغی ان تفترش ذراعیہا وتنخفض ولا تنتصب کانتصاب الرجل وتلزق بطنہا بفخذیہا لان ذلک استر لہا (مَرد کی ہیئت جو سجدہ میں ہوتی ہے اس کا بیان تو مذکور ہو چکا۔ اب سجدہ میں جو ہیئت عورت کے لیے مخصوص ہے وہ بیان کیا جانا مقصود ہے اور وہ یہ ہے کہ) عورت کے لیے یہ بات مناسب ہے کہ وہ اپنی دونوں کلائیاں زمین پر بچھادے اور نیچے کو دب جائے۔ اور مَرد کی طرح اوپر کو اُٹھی ہوئی حالت میں نہ ہو۔ اور اپنا پیٹ بھی سجدہ کی حالت میں اپنی دونوں رانوں کے ساتھ ملا رکھے

ابن نجیم نے کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق جلد اول ۳۲۱ میں تحریر فرمایا ہے قولہ والمرأۃ تنخفض وتلزق بطنہا بفخذیہا لانہ استر لہا فانہا عورۃ مستورۃ۔ ویدل علیہ ما رواہ ابوداؤد فی مراسیلہ۔

اس سے آگے مراسیلِ ابی داؤد کی عبارت درج فرمادی۔ یعنی صاحبِ کنز الدقائق نے جو یہ فرمایا ہے کہ عورت دَب کر سجدہ کرے اور اپنا پیٹ اپنی دونوں رانوں کے ساتھ مِلا رکھے۔ اِس کی دلیل ایک تو یہ ہے کہ اس کیفیت اور اس وضع کے ساتھ سجدہ کرنے میں عورت کا ستر اور پردہ خوب رہتا ہے۔ کیونکہ عورت کی ذات ایک چیز بھی ایسی ہے

ہے جس سے شرم و حیا کیا جاتا ہے اور شرم و حیا ہی کی وجہ سے اس کے تمام اعضا کو چھپا ہوا ہی رہنا چاہیے (اور مذکورہ بالا طریقہ پر سجدہ کرنے میں واقعی ستر اور پردہ کا خوب لحاظ ہوتا ہے) اور جس طرح مرد سجدہ کرتے ہیں اس طرح سجدہ کرنے میں عورت کے ستر اور پردہ کا لحاظ نہیں رہتا) اور یہ بات صرف قیاس محض اور عقلی ڈھکوسلہ نہیں ہے، بلکہ اس کی دلیل وہ فرمانِ نبوی (علی صاحبہ الف صلوٰۃ وتحیہ) ہے جس کو امام ابوداؤدؒ نے اپنے مراسیل میں روایت فرمایا ہے (اور وہ فرمان نبوی شروع رسالہ میں ہم نقل کر آئے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ نیز وہ مرفوع حدیث بھی اس کی دلیل ہے جو سنن کبریٰ للمحدث البیہقی کے حوالے سے بروایت ابی سعید خدری و عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم ہم شروع رسالہ میں لکھ آئے ہیں

علامہ حلبی محدث رحمہ اللہ نے شرح منیۃ المصلی المعروف بہ کبیری ص۳۱۳ میں لکھا ہے "واما المرأۃ فانہا تنخفض ای تتطامن وتتسفل فی السجود۔ وتلزق بطنہا بفخذیہا وتضم عضدیہا وہذا تفسیر الانخفاض۔ یعنی عورت جو ہے سو وہ سجدہ کی حالت میں پست ہو جاوے یعنی پست ہو کر اور نیچے کو ہو کر سجدہ کرے اور اپنا پیٹ اپنی دونوں رانوں کے ساتھ چپکا دے اور اپنے دونوں بازوؤں کو اپنے ساتھ ملا رکھے۔ اور یہی انخفاض کی تفسیر ہے۔

اسی طرح قعود میں بھی مرد اور عورت کی الگ الگ وضع ہے جیسے عبداللہ بن عبدالعزیز عنقری حنبلی رحمہ اللہ نے الروض المربع کے حاشیہ ص۱۸۱ میں ارشاد فرمایا ہے قال البخاری رح وکانت ام الدرداء لاتجلس فی

صلوتہا جلسۃ الرجل وکانت فقیۃ وبہ قال مالک والشافعی رحمہما اللہ تعالیٰ

یعنی امام بخاری نے فرمایا کہ صحابیۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام الدرداء رضی اللہ تعالیٰ نماز میں مردوں کی طرح نہ بیٹھتی تھیں۔ اور آپ صاحب فقہ تھیں اور امام مالک و امام شافعی رحمہما اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

کتاب فقہ المذاہب الاربعہ جلد اول ص ۲۴۲ میں ہے الحنفیۃ عدوا سنن الصلوٰۃ..... ان یباعد الرجل بطنہ عن فخذیہ ومرفقیہ عن جنبیہ وذراعیہ عن الارض فی السجود ۲۷ ان تلصق المرأۃ بطنہا بفخذیہا فی السجود یعنی علمائے حنفیہ نے نماز کی کئی سنتیں شمار فرمائی ہیں اور ایک ایک کر کے گن بتائی ہیں۔ گنتے گنتے ۲۶ واں نمبر سنت کا یہ بتایا ہے کہ مرد اپنا پیٹ اپنی دونوں رانوں سے بحالت سجدہ الگ الگ اور دور دور رکھے اور اسی طرح بحالت سجدہ مرد اپنی دونوں کہنیاں اپنے دونو پہلوؤں سے اور اپنی دونوں کلائیاں زمین سے دور رکھے۔

۲۷ ویں سنت یہ ہے کہ سجدہ میں عورت اپنے پیٹ کو اپنی دونوں رانوں کے ساتھ چپکا رکھے۔

امام الہند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فتاویٰ عزیزی ص ۱۴۴ میں ایک عنوان قائم کیا

عورتوں کے لیے نماز کے احکام

سوال عورتوں کے لیے نماز کے خصوصی احکام بیان فرمائیے۔
جواب نماز کے احکام جو مردوں کے لیے ہیں وہی عورتوں کے

واسطے بھی ہیں۔ صرف چند امور میں فرق ہے۔

اول یہ کہ عورتوں کو چاہیے کہ اپنا تمام بدن ایسے کپڑے سے چھپائیں کہ بدن یا بال کا رنگ معلوم نہ ہو۔ اگر عورتیں ایسے باریک کپڑے سے بدن چھپائیں کہ بدن یا بال کا رنگ معلوم ہو، تو بدن کا چھپانا ثابت نہ ہوگا اور نماز صحیح نہ ہوگی۔ جس قدر کامل طور سے بدن چھپایا جائے بہتر ہے۔ یہاں تک کہ ہاتھوں اور پاؤں کو بھی چھپانا بہتر ہے۔ اِحتیاطاً یہ چاہیے کہ تا امکان عورت اپنے دونوں قدم اور اپنے دونوں ہاتھوں کو چھپائے رکھے، لیکن مُنہ ایسا نہ چھپائے کہ نگاہ سجدہ کی جگہ پر نہ پڑے کہ سجدہ کی جگہ نظر نہ آئے۔

دوسرے یہ کہ عورتوں کو چاہیے کہ اذان اور تکبیر نہ کہیں۔ عورتوں کے حق میں یہی سنت ہے کہ بغیر اذان اور تکبیر کے نماز پڑھیں۔

تیسرے یہ کہ نماز شروع کرنے کے وقت عورتیں جب اللہ اکبر کہیں تو ہاتھوں کو کانوں تک نہ اٹھائیں۔ بلکہ دونوں کندھوں تک ہاتھوں کو اٹھائیں۔ زیادہ بلند نہ کریں۔

چوتھے یہ کہ دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے نہ باندھیں۔ بلکہ پستان کے نیچے رکھیں۔

پانچویں یہ کہ بلند آواز سے کسی وقت کی نماز میں قراءۃ نہ پڑھیں اور نہ تکبیر کو باواز بلند کہیں۔ یہ سب آہستہ کہیں۔ کسی جگہ آواز بلند نہ کریں۔ سلام بھی آہستہ کہیں۔

چھٹے یہ کہ جب نماز میں بیٹھیں خواہ سجدہ کے واسطے خواہ التحیات پڑھنے کے لیے تو مَردوں کے بائیں پاؤں پر نہ بیٹھیں۔ بلکہ عورتوں کے

لیے یہ حکم ہے کہ دونوں پاؤں کو دائیں طرف کو نکال دیں۔ اور بائیں سرین پر بیٹھیں۔

ساتویں یہ کہ سجدہ میں سرین کو بلند نہ کریں۔ بلکہ سجدہ میں شکم رانوں سے ملا رہنا چاہیے۔ اور ایسی حالت میں یہ ضرور ہے کہ زانو سے سر ملا رہے گا۔ مردوں کی طرح زانو سے سر جدا نہ رہیگا فقط

حکیم الامۃ حضرت مولنٰنا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے بہشتی زیور حصہ دوم ص ۱۴ و ص ۱۵ میں فرمایا ہے

"اللہ اکبر کہتی ہوئی سجدے میں جائے۔ زمین پر پہلے گھٹنے رکھے۔ پھر کانوں کے برابر ہاتھ رکھے۔ اور انگلیاں خوب ملالے۔ پھر دونوں ہاتھوں کے بیچ میں ماتھا رکھے۔ اور سجدہ کے وقت ماتھا اور ناک دونوں زمین پر رکھ دے اور ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف رکھے۔ مگر پاؤں کھڑے نہ کرے۔ بلکہ داہنی طرف کو نکال دے اور خوب سمٹ کر اور دب کر سجدہ کرے کہ پیٹ دونوں رانوں سے اور بانہیں دونوں پہلو سے ملا دے اور دونوں بانہیں زمین پر رکھ دے۔"

حضرت مولنٰنا حکیم محمد مظہر الحق صاحب قنوجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رکین رکین ص ۱۲۷ مطبوعہ منبع النور آگرہ میں تحریر فرمایا ہے کہ عورت سجدہ میں خوب سمٹ جائے۔ پیٹ زانو سے، بانہیں کہنیاں پہلو سے ملا دے۔

حضرت حکیم الامت مولنٰنا تھانوی رحمہ اللہ نے بہشتی زیور کے حاشیہ پر اپنے بیان کردہ مسئلہ کو درمختار ص ۵۲۶ ج ۱ کے حوالے سے مدلل فرمایا جس کی یہ عبارت نقل فرمائی والمرأۃ تخفض فلا تبدی ضبعیھا و

تلصق بطنها بفخذیها لانہ استر (اور عورت سجدہ کرنے میں پست ہووے پس وہ اپنے دونوں بازوؤں کو ظاہر نہ کرے۔ اور اپنا پیٹ اپنے دونوں رانوں کے ساتھ ملا دے۔ کیونکہ اس وضع کے ساتھ سجدہ کرنے میں عورت کا ستر اور پردہ خوب رہ سکتا ہے۔

المدونۃ الکبریٰ صہ ۱/۷۳ میں ہے کہ امام مالک صرف مرد کے بارے فرماتے ہیں کہ مرد سجدہ کے دوران پیٹ اپنے رانوں سے اونچا رکھے اور اپنے دونوں بازوؤں کو الگ الگ رکھے نیز فرماتے ہیں کہ سجدہ میں مرد کا اپنی بانہیں زمین پر بچھانا مکروہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے لیے یہ حکم نہیں ہے

بلکہ اس مسئلہ میں جو مسلک اہلِ سنت والجماعت کا ہے بعینہٖ یہی مسلک اہلِ تشیع کا ہے

مسلک علماء امامیّہ

چنانچہ ان کا فقیہ عالی قدر حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ الحاج حسین علی منتظری توضیح المسائل صہ ۲۳۳ میں لکھتا ہے

مردوں کے لیے اپنی کہنیاں اور پیٹ زمین سے نہ چپکانا۔ اور بازوؤں کو پہلو سے الگ رکھنا اور عورتوں کے لیے اپنی کہنیاں اور پیٹ زمین پر رکھنا اور اعضائے بدن کو سمیٹ کر رکھنا مستحب ہے

سوال: جو حدیث مراسیل ابی داؤد کے حوالے سے تم نے پیش کی ہے وہ حدیث مرسل ہے۔ اور علماء محدثین کے نزدیک مرسل حدیث ضعیف ہوتی ہے اور ناقابلِ احتجاج

جواب: مرسل حدیث کے بارے علمائے محدثین کا اختلاف حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے عہد سے شروع ہوا جب کہ بُعد از عہدِ نبوی کی وجہ سے لوگوں کے حالات میں تبدیلی آرہی تھی۔ اور اس دَور میں واقعی حالات کا تقاضا ہی یوں تھا کہ مرسل کو حجت نہ مانا جائے۔ مگر اس سے پہلے تمام محدثین صالحین کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ حدیث مرسل حجت ہوتی ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح نخبۃ الفکر میں لکھا ہے قال جمہور العلماء ان المراسیل حجۃ مطلقاً (جمہور علماء نے فرمایا ہے کہ مرسل حدیثیں مطلقاً حجت ہیں۔ اور مقدمہ مشکوۃ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ و امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک مطلقاً حدیثِ مرسل حجت ہے اور مقدمہ صحیح بخاری میں ہے امام مالک و ابوحنیفہ اور احمد بن حنبل اور اکثر فقہاء کا مذہب ہے کہ مرسل حدیث سے بھی احتجاج ہوتا ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی مرسل حدیث مطلقاً مردود نہیں ہے، چنانچہ "الرسالۃ" میں لکھا کہ کبار تابعین کی مراسیل حجت ہیں بشرطیکہ وہ روایت کسی اور طریق سے بھی آئی ہو اگرچہ وہ بھی مرسل ہی ہو یا کسی صحابی کے قول کے ساتھ اس کو تقویت حاصل ہو یا اکثر علماء کے قول کے ساتھ اس کو تقویت مل جائے تو ان صورتوں میں وہ مرسل حجت ہوگی۔ نیز فرماتے ہیں کہ سعید بن مسیب کی مراسیل حدیث حسن کا درجہ رکھتی ہیں۔

اب اس مرسل حدیث کو دیکھو جو ہم نے مسئلہ کے اثبات کے لیے
مراسیل ابی داؤد کے حوالے سے بطور دلیل کے پیش کی ہے سو یہ حدیث
امام مالک، ابو حنیفہ، احمد بن حنبل و دیگر اکثر فقہاء، اور جمہور کے نزدیک تو
بلاشک و شبہ حجت اور قابلِ احتجاج ہے ہی۔ امام شافعی رحمہ اللہ بھی جو
مرسل حدیث پر بحث کرنے میں سب سے پیش پیش ہیں، اس مرسل کو حجت
اور قابلِ احتجاج مانتے ہیں کیونکہ مرسل حدیث کے قابلِ احتجاج ہونے
کی جو صورتیں انہوں نے بیان فرمائی ہیں اگر ان صورتوں میں سے صرف
ایک صورت پائی جاتی تب بھی یہ مرسل حدیث قابل احتجاج ہو جاتی
اور یہاں تو تین صورتیں آشکارا موجود ہیں۔

چنانچہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو مرسل حدیث ایسی ہو
جو کسی دوسرے طریق سے بھی مروی ہو اگرچہ وہ دوسرا طریق بھی مرسل ہو
تو وہ مرسل حدیث حجت اور قابل احتجاج ہے۔ اور یہ حدیث دوسرے
طریقوں سے بھی مروی ہے جیسے وہ طریقے شروع رسالہ میں حضرت
ابو سعید خدری اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے نقل کر آئے
ہیں تو مطابق اصول بیان کردہ از جانب امام شافعی رحمہ اللہ یہ حدیث
مرسل حجت اور قابلِ احتجاج ہو گئی

دوسرے یہ کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جس مرسل حدیث
کو کسی صحابیؓ کے قول کے ساتھ تقویت حاصل ہو جائے تو وہ مرسل حدیث
بھی حجت اور قابلِ احتجاج ہو جاتی ہے۔ اور اس مرسل حدیث کو بھی
اقوالِ صحابہ رضؓ کی تائید حاصل ہے چنانچہ شروع رسالہ میں ہم حضرت امام
رابع علی بن ابی طالب و حبر الامت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم

کے اقوال اور فتوے نقل کر آئے ہیں۔ تو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے بیان کردہ اِس اصول کے مطابق بھی یہ مرسل حدیث حجت اور قابلِ احتجاج ہوئی

تیسرے یہ کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب مرسل حدیث کو اکثر علماء کے اقوال کے ساتھ تقویت حاصل ہو جائے تب بھی وہ مرسل حدیث حجت اور قابلِ احتجاج ہو جائے گی۔ اور اِس مرسل حدیث کو بھی اکثر علماءُ کرام کے اقوال کی تائید حاصل ہے۔ جیسے مجاہد و حسن بصری جیسوں کے اقوال لکھے جا چکے ہیں

اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہ امام شافعی رحمہ اللہ جن کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ مرسل کو حجت نہیں مانتے وہ آپ اِسی مسئلہ کے قائل ہیں جو اِس مرسل حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ تو اگر یہ مرسل حدیث حجت نہ ہوتی تو وہ عورت کے سجدہ کا مرد کے سجدہ سے مختلف ہونے کا قول نہ کرتے

پھر اُن کے تمام شاگرد اور مقلّدین بھی اپنے مجتہد امام قرشی مکی کی طرح مرد و زن کے سجدہ کا فرق بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مجتہد امام کی بات کو ان کے بیان کردہ اصول کے عین مطابق پاکر اس کو صحیح قابل عمل سمجھتے ہیں

اب اگر کوئی کہے کہ ہم شافعی کے اس اصول کو صحیح نہیں سمجھتے تو ہم یہ پوچھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ یہ اصول کہ "مرسل حجت نہیں" کونسی سند متصل کے ساتھ راویانِ عادل ضابط متقن کے ذریعے بغیر کسی شذوذ و علّت کے مرفوعًا ثابت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مرسل حدیث کو حجت نہ سمجھنا

جو لوگ قول و فعلِ صحابی کو کوئی وقعت ہی نہیں دیتے تو بعد کے آنے

والے علماء کے اقوال اور اصول وضوابط کو کیوں کر قبول کر لیتے ہیں۔
پھر ان کے اصول وضوابط تو رہے درکنار وہ اصول وضوابط بقول
اِن کے مشرک تھے ۔ کیونکہ وہ مقلد تھے اور فتاویٰ ثنائیہ کے مقدمہ میں
نذر عقیدت کے عنوان سے جناب سید ثروت کمال ساحر بن مولانا سید
اقتدار احمد صاحب سہوانی نے ایک نظم میں یہ شعر قلم بند کیا

شرک کی ایک شاخ ہے تقلید — تو نے یہ ہی کہا ثناء اللہ!

اور ظاہر ہے کہ یہ اصول وضوابط علم حدیث کے بنانے اور بتانے والے عموماً
مقلد تھے کوئی حنفی تھا کوئی شافعی کوئی مالکی کوئی حنبلی ۔ پھر مشرکوں
کی بات تسلیم کر لینا اور صحابہ کی بات رد کر دینا کیا یہی اسلام ہے ۔
جب ہم ان سے یہ بات کہتے ہیں تو فوراً بول اٹھتے ہیں کہ تم جھوٹ
بولتے ہو یہ محدثین حضرات مقلد کسی امام کے نہ تھے ۔ بلکہ وہ صرف محدث
تھے ۔ سو اُن کو یہ بات سوچ کر کہنی چاہیے چنانچہ ہم بطور مشتے نمونہ
از خروارے بعض مشہور محدثین کا نام لکھ کر ثابت کرتے ہیں کہ وہ مقلد

محدث اعظم علامہ احمد بن علی بن حجر کنانی عسقلانی صاحب فتح الباری شرح
صحیح بخاری و بلوغ المرام و تہذیب التہذیب و لسان المیزان و تعجیل المنفعۃ
و تقریب التہذیب و شرح نخبۃ الفکر وغیرہ امام شافعی رحمہ اللہ کے
مقلد تھے۔ دیکھو علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب بغیۃ الوعاۃ کا
صفحہ ۳۳ جلد اول نیز تنزیہ الشریعہ علامہ عراقی رحمہ اللہ کا ص وذا ابھیہ ص
اسی طرح جلال الدین بلقینی، ولی بن العراقی، قاضی القضاۃ علم الدین
بُلقینی، مفسر کبیر عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن کثیر قرشی شافعی (الباعث
الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث لابن کثیر ص۱۸)

ابوبکر صیرفی شافعی مسلک کے تھے (شرح نخبۃ الفکر لابن حجر ص۱۲۰)

قاضی ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر بن محمد شیرازی شافعی مفسر جن کی تفسیر انوار التنزیل واسرار التاویل کا متداول نام تفسیر بیضاوی ہے، اور شیخ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نواوی حزامی شافعی تھے (دائرۃ المعارف)

اور ابو البقاء السبکی شافعی (بغیۃ الوعاۃ ص۱۵۲) اور امام فخر الدین رازی بھی شافعی مذہب تھے (طبقات الشافعیہ)

اور محمد بن الحسن بن درید امام ابوبکر ازدی لغوی شافعی تھے (بغیہ ص۷۶ ج۱)

بغیۃ الوعاۃ، جامع صغیر، جامع کبیر وغیرہ کتب کے مصنف جلال الدین سیوطی امام شافعی رحمہ اللہ کے مقلد تھے (البدر الطالع للشوکانی ص۳۲۸ ج۱)

امام العربیۃ والبیان عبدالقاہر بن عبدالرحمٰن جرجانی ابوبکر نحوی شافعی اشعری تھے (بغیۃ الوعاۃ ص۱۰۶ جلد اول۔)

امام حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد طوسی غزالی شافعی تھے (فوائد بہیہ ص۲۴۳ ح۲)

ابن صلاح عثمان صاحب مقدمہ ابن صلاح شافعی تھے (طربیہ الاماثل ص۲۸۵)

علی بن عبدالکافی تاج الدین سبکی شافعی مذہب تھے (" " ص۲۸۶)

محمد جزری صاحب حصن حصین بھی شافعی مذہب تھے (" " ص۳۰۳)

علی بن اثیر جزری بھی شافعی مذہب تھے (" " ص۳۰۶)

علی قونوی۔ عبدالقادر فیومی " عبدالغنی نابلسی۔ شہاب الدین بن عمر سہروردی۔ احمد بن خلکان۔ احمد قسطلانی شارح بخاری۔ عبدالوہاب تاج الدین سبکی۔ احمد بہاؤ الدین سبکی۔ موسیٰ بن عیسیٰ دمیری صاحب حیاۃ الحیوان۔ محمد بن احمد ازہری۔ حافظ زین الدین عبدالرحیم العراقی " محمد بن یعقوب شیرازی صاحب قاموس۔ محمد بن محمد المعروف بہ ابن ابی الشریف۔

میزان الاعتدال ص۲۷ میں علامہ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ وکان شعبۃ رأی رأی الکوفیین یعنی شعبہ محدث کوفیوں کی سی اپنی رائے رکھتے تھے۔

تاریخ بغداد ص۳۴۷ میں خطیب بغدادی رح نے امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین کے بارے لکھا کہ انہوں نے فرمایا میرے نزدیک قراءت حمزہ کی معتبر ہے اور فقہ ابو حنیفہ کی۔ اور میں نے لوگوں کو اسی بات پر پایا۔ ابن حجر عسقلانی رح نے تہذیب التہذیب ص۴۵۰ میں لکھا کہ یحییٰ بن معین نے کہا کہ ہم اکثر اقوال ابو حنیفہ کی لیتے ہیں۔ الرداۃ الثقاۃ المتکلم فیھم بما یوجب ردھم مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ کے ص۸ میں ہے کہ یحییٰ بن معین اگرچہ محدث تھے مگر اپنے مذہب میں غالی حنفیہ میں سے تھے۔ تانیب الخطیب مطبوعہ مصر ص۱۷۵ میں ہے کہ ابن معین حنفی تھے۔ محمد بن الحسن شیبانی سے جامع صغیر پڑھی ان کو متعصب حنفی کہا جاتا تھا۔ البدایہ والنہایہ ص۱۰۱ میں ابن کثیر رح نے لکھا ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان بھی امام ابو حنیفہ رح کے قول کے مطابق فتوے دیا کرتے تھے۔

نواب صدیق حسن صاحب نے اتحاف النبلاء ص۲۹۷ میں لکھا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا خاندان علوم حدیث اور فقہ حنفی کا حامل تھا۔ اور الحطہ ص۷۰ و ص۷۱ میں اور ہدایۃ السائل میں بھی ایسا ہی لکھا۔

تذکرۃ الحفاظ ص۱۳۴۲ میں علامہ محدث نقاد شمس الدین ذہبیؒ نے لکھا ابن الجوزی عبدالرحمن بن ابی الحسن علی بن محمد ...... البغدادی الحنبلی

الجنۃ فی اسوۃ الحسنۃ بالسنۃ مطبوعہ بھوپال ص۳۸ میں نواب صدیق حسن خان صاحب نے ابن تیمیہ تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم

کے بارے لکھا شیخ الحنابلۃ۔

نواب صاحب نے الحطہ ص۱۹ میں لکھا والشیخ تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن تیمیہ واھلہ بیت علم حنابلۃ یتوارثہ خلفھم عن سلفھم وھو من اعاظم حفاظ القرن السابع وافضلھم والشیخ شمس الدین ھو ابو عبد اللہ محمد بن الامام بن القیم الجوزیۃ الدرعی الحنبلی الحافظ المصنف وھما امامان عالمان عاملان ثقتان تقیان من افضل علماء الحنابلۃ

تذکرۃ الحفاظ ص۳ میں ابوبکر بیہقی کو شافعی لکھا

الجد العلوم ص۸ میں نواب صاحب نے امام بخاری رح کو شافعی المذہب لکھا سبکی اور شاہ ولی اللہ نے امام بخاری رح کو طبقات الشافعیہ میں لکھا

الحطہ ص۹ و اتحاف النبلاء ص۵ میں نواب صدیق حسن صاحب نے لکھا کہ ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری صاحب صحیح مسلم شافعی مذہب تھے

الجد العلوم ص۱۸ میں نواب صدیق حسن خان صاحب نے لکھا ہے کہ امام نسائی اور سلیمان بن اشعث دونوں محدث حنبلی تھے

فیض الباری ص۵ میں ہے کہ ابن تیمیہ رح نے بھی ان دونوں کو حنبلی کہا۔

مگر اکمال ص۶۲ میں نسائی کو شافعی المذہب لکھا۔

فیض الباری ص۵ ابن ماجہ کے بارے لکھا کہ غالباً شافعی مذہب تھے

تذکرۃ الحفاظ ص۱۳ میں ہے ابو عمر یوسف بن عبد البر الامام شیخ الاسلام حافظ المغرب پہلے ظاہری اثری تھے پھر مالکی ہو گئے مگر فقہ شافعی کی طرف ان کا بہت میلان تھا

تذکرۃ الحفاظ ص۱۳ میں ہے قاضی عیاض بن موسیٰ علامہ مالکی تھے۔ ان کی ایک کتاب ہے ترتیب المدارک وتقریب المسالک فی ذکر فقہاء مذہب مالک"

تذکرۃ الحفاظ ص ۷۷۹/۳ میں ہے ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن یزید اسفرائینی نیسابوری وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شافعی رح کی کتابوں اور مذہب کو اسفرائین میں داخل کیا۔ (ص ۷۸۰)

تذکرۃ الحفاظ ص ۹۲۰/۳ میں ہے ابن حبان ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان البستی کو ابو عمرو بن الصلاح نے طبقات الشافعیہ میں ذکر کیا (ص ۹۲۱/۳) اور امام سبکی نے بھی ان کا ذکر طبقات کبری ص ۱۴۱/۲ میں کیا

تذکرۃ الحفاظ ص ۱۱۳۷/۳ میں خطیب بغدادی ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد کے بارے لکھا وکان من کبار الشافعیہ

ص ۱۴۳۰/۴ میں ابن صلاح تقی الدین ابو عمرو عثمان بن المفتی صلاح الدین عبدالرحمٰن بن موسیٰ الکردی شہرزوری شافعی

ص ۱۲۵۷/۴ میں ہے بغوی محی السنۃ ابو محمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء الشافعی صاحب معالم التنزیل و .... المصابیح

ص ۱۳۲۸/۴ ابن عساکر ابوالقاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ .... الدمشقی الشافعی

ص ۴ ابن دقیق العید تقی الدین ابو الفتح محمد بن علی المالکی الشافعی مگر ان پر فقہ مالکیہ کا غلبہ تھا۔

ص ۸۹۵/۳ میں ہے ابو الولید حسان بن محمد بن احمد بن ہارون بن موسیٰ نیسابوری حافظ فقیہ شافعی احد الاعلام

ص ۸۹۰/۳ وہب بن مسرہ الحافظ العلامہ ابو الحزم تمیمی اندلسی مالکی۔

نووی شرح مسلم ص ۲۵/۱ : الخطابی ابو سلیمان احمد بن محمد فقیہ ادیب شافعی

عجالہ نافعہ ص ۲۱ میں شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے خطابی کے بارے لکھا ہے۔ از جملہ علماء شافعیہ ۔

تذکرۃ الحفاظ ص ۱۳۷۲ ج ۴ : مقدسی عبد الغنی بن عبد الواحد بن علی بن سرور بن نافع ابو محمد المقدسی الجماعیلی ثم الدمشقی الصالحی الحنبلی

تاریخ بغداد ص ۱۰۹ تا ص ۱۱۱ ج ۵ میں خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے خاص الخاص تلمیذ ارشد الاثرم کو حنبلی لکھا اور حضرت الاثرم اس قدر کٹر حنبلی تھے کہ وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ سوائے ایک مسئلہ کے میں نے کسی مسئلہ میں امام احمد رح سے اختلاف نہیں کیا

تذکرۃ الحفاظ ص ۱۴۷۴ ج ۴ میں المحب ابو العباس احمد بن عبد اللہ الامام المحدث المفتی فقیہ الحرم الشافعی کے بارے لکھا وکان شیخ الشافعیۃ ومحدث الحجاز

تذکرۃ الحفاظ ص ۲ میں عبد الملک بن حبیب المتوفی سنہ ۲۳۹ھ کے بارے لکھا کان رأسًا فی مذہب مالک رح

نیز امام اسماعیل القاضی المالکی الحافظ کے بارے لکھا وشیخ مالکیۃ العراق وعالمھم اور خطیب نے تاریخ بغداد ص ۲۸۴ ج ۶ میں ان کے بارے لکھا علی مذہب مالک بن انس

ابن فرحون ص ۶۲ میں ابن الباجی احمد بن عبد اللہ بن محمد بن علی اللخمی الشبیلی کے بارے لکھا وکان فقیہًا جلیلًا فی مذہب مالک۔

امام ابو طاہر الذہلی محمد بن احمد بن عبد اللہ المالکی کے بارے لکھا کہ وکان یذہب الی قول مالک وربما اختار

تذکرۃ الحفاظ ص ۱۴۳۶ ج ۴ میں المنذری عبد العظیم بن عبد القوی صاحب الترغیب والترہیب الشافعی کا ذکر بھی فرمایا

اور علامہ زیلعی حنفی کو خود اپنے تئیں اہل حدیث کہلانے والے بھی محدث تسلیم کرتے ہیں۔ یعنی عبد اللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی

عبد الملک بن عبد اللہ امام الحرمین - جلال الدین محمد دوانی

شیخ الاسلام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ترکمانی دمشقی ذہبی (ف ۱۲)

محمد بن عبد الرحمن الشمس سخاوی - مبارک بن الاثیر الجزری - ابو نصر علی

بن ماکولا - قطب الدین محمود رازی - قطب الدین محمود شیرازی -

ابن حجر احمد بن محمد مکی ہیتمی وغیرہ جیسے امام فخر الدین رازی (البدر الطالع ص ۱۰۹ / ۱)

اور بڑے بڑے علماء حنبلی مسلک کے ہوئے ہیں چنانچہ ان میں سے

ابو یعلی بن الفراء ابو حفص عکبری (شرح نخبۃ الفکر ص ۱۲۰)

عبد الباقی زرقانی - علی بن زین العابدین الاجہوری محشی شرح نخبۃ الفکر -

علی العزیزی شارح جامع صغیر للسیوطی -

احمد بن عبد الحلیم تقی الدین الشہیر بابن تیمیہ

شیخ عبد القادر جیلانی رح

ایک عالم محمد بن عبد الوہاب نجدی نجد میں پیدا ہوا تھا جو حنبلی مذہب کا پیرو تھا ....

حنبلی مذہب کا مقلد تھا ...... محمد بن عبد الوہاب مقلد تھا اور

اہل حدیث کے نزدیک تقلید جائز نہیں۔ آگے ص ۱۴۵ میں

لکھا علامہ محمد بن عبد الوہاب (فتاویٰ ثنائیہ ص ۱۴۴ و ص ۱۴۵)

عبد الرحمن بن احمد القاضی عضد الدین الایجی صاحب کتاب المواقف

امام مالک رح کے مقلد تھے (البدر الطالع جلد اول ص ۳۲۶ و ص ۳۲۷)

علی بن اسماعیل بن یوسف القونوی علاء الدین الشافعی (البدر الطالع ص ۳۹ / ۱)

ان علماء کا ذکر علی سبیل الاختصار بطور مشتے نمونہ از خروارے کر دیا

اب جید اور مقبول خلائق و مسلم علماء جن کے خوشہ چین یہ اہل حدیث کہلانے

والے بھی ہیں ان کے نزدیک شرک فی الرسالۃ کر کے مشرک ہوئے - چنانچہ

فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۳۸۵ ایک سوال جواب ہے جس کا ذکر اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے

سوال: صحیح حدیث کے ساتھ جو کوئی اپنے امام کے قول کا مقابلہ کرے۔ اگر موافق ہو تو مانے۔ ورنہ حدیث کو چھوڑ کر اپنے امام کے قول پر اڑا رہے، ایسے لوگ مشرک ہیں یا کافر؟

جواب: ایک شرک باللہ ہے۔ ایک شرک بالرسول ہے۔ یعنی جو عبادت میں کسی غیر کو ملاوے اس کا فعل شرک باللہ ہے۔ اور جو اطاعت میں رسول کے ساتھ کسی کو ملاوے اس کا فعل شرک فی الرسالۃ ہے۔ پس شخص مذکور کا فعل قسم دوم سے ہے۔

اور ص۳۶۲ میں لکھا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاف صریح روایات کے مقابلہ میں کسی شخص معین کی تقلید کیسے جائز ہو سکتی ہے جب کہ وہ روایات صراحت کے ساتھ مقلد امام کے قول کے خلاف آ رہی ہیں۔ ایسی حالت میں امام کے قول کو نہ چھوڑنا اور احادیث صحیحہ صریحہ کو رد کر دینا اس میں ضرور شرک کی بو آتی ہے جیسا کہ عدی بن حاتم نے کہا تھا یا رسول اللہ درویشوں اور علماء کو رب بنانے کا کیا مطلب ہے (ہم نے کبھی ان کو رب نہیں بنایا) تو آپ نے فرمایا تھا کہ رب بنانا یہی ہے کہ جس حلال کو ان لوگوں نے حرام کر دیا اس کو تم نے حرام ہی جان لیا۔ اور جس حرام کو حلال کر دیا اس کو تم بھی حلال ہی جاننے لگے۔ درویشوں اور علماء کا یہی رب ٹھیرانا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ

غیر مقلدین کا عورت کے سجدہ کے بارے مسلک

فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۶۱۲ میں ہے۔
عورتیں نماز میں مثل مردوں کے ہیں۔ سوا ان حکموں کے جو مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً پردہ میں فرق الخ
اور ص۶۲۷ میں سوال جواب نقل ہے جسے ہم یہاں درج کرتے ہیں
سوال کیا عورت اذان پڑھ سکتی ہے یا نہیں۔ اور کیا عورت مرد کی طرح سجدہ کرے یا اس کی اور صورت ہے؟
جواب حدیث شریف میں آیا ہے کہ المرأۃ کلھا عورۃ عورت تمام کی تمام پردہ میں رہنی چاہیے۔ اس لیے اس کی آواز بھی باہر نہ جانی چاہیے۔ اللہ اعلم
اس عبارت میں گو صاف نہیں بتایا کہ عورت سجدہ کیسے کرے مگر حدیث لکھ کر اسی بات کی طرف اشارہ فرما گئے جو دوسرے فقہاء شافعیہ حنابلہ وغیرہ لانہ استر لھا کہہ کر عورت کے سجدہ کی وضع لکھ گئے ہیں وہی صحیح قابلِ عمل اور موافق فرمانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے۔
اور ص۶۲ میں لکھا نماز وغیرہ افعالِ شرعیہ میں جو افعال مردوں کے ہیں جب تک ان کی خصوصیت کا ثبوت نہ ہو، عورتیں بھی ان میں شریک ہیں۔
فتاویٰ اہلِ حدیث جس میں مجتہد العصر حافظ عبداللہ محدث روپڑی رحمۃ اللہ کے فتوے جمع ہیں اس کے ص۱۸۲ پر "سجدہ کی صورت" کا عنوان قائم کر کے سوال جواب لکھا ہے بعینہٖ وہ یہاں درج کرتا ہوں
سوال: سجدہ کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ سجدہ کے وقت ہاتھ زمین پر پہلے رکھے جائیں یا گھٹنے؟

جواب : اس میں اختیار ہے کہ ہاتھ پہلے ٹکائے یا گھٹنے۔ سجدہ سات اعضاء پر ہوتا ہے دو پاؤں۔ دو ہاتھ۔ دو گھٹنے۔ ماتھا ناک سمیت اپنے چہرے کو دو ہتھیلیوں کے درمیان رکھے۔ اور ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں ایک دوسرے سے ملا کر قبلہ رُخ کرے تاکہ چہرہ کے ساتھ ساتھ ہاتھ بھی سجدہ کریں۔ پگڑی کا پیچ یا ٹوپی وغیرہ ماتھے کے آگے سے ہٹادے اگر زمین گرم ہو یا کوئی اور عارضہ ہو، پھر ہٹانا ضروری نہیں۔ اور دونوں کہنیاں دونوں پہلوؤں سے ہٹا کر اور زمین سے اٹھا کر سجدہ کرے۔ اس طرح پشت کا اٹھانا اور پیٹ کا رانوں سے اور اور دونوں رانوں کا ایک دوسرے سے جدا رکھنا بھی ضروری ہے لیکن عورت کے متعلق بعض حدیثوں میں استثناء آتی ہے کہ عورت پیٹھ نہ اٹھائے۔ بلکہ رانوں سے ملالے۔ اگرچہ ان احادیث میں کچھ کلام ہے۔ لیکن ان کے مؤیدات بھی ہیں۔ اِس لیے ان پر عمل ہو سکتا ہے،

نوٹ اگر کوئی کہے کہ جب اس حدیث میں کلام ہے تو اس پر عمل کیوں کر کیا جاسکتا ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری مرحوم نے اپنے فتاوی ثنائیہ جلد اول ص۵۱۰ میں لکھا ہے کہ

گو وہ ضعیف ہیں مگر ضعیف حدیث کے ساتھ بھی جو فعل ثابت ہو وہ بدعت نہیں ہوتا۔ ایسا تشدد کرنا اچھا نہیں

بلکہ اس سے جواز و استحباب ثابت ہوتا ہے چنانچہ اسی فتاوی ثنائیہ کے ص۵۰۸ میں فتاوی نذیریہ جلد اول ص۲۶۶ کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ

اس حدیث کے راویوں میں ایک راوی..... اگرچہ متکلم فیہ ہے.....
لیکن اس کا متکلم فیہ ہونا ثبوت جواز و استحباب کے منافی نہیں کیونکہ

حدیث ضعیف سے جو موضوع نہ ہو استحباب و جواز ثابت ہوتا ہے
اور صـ ۵۲۵ میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے۔

سوال: عیدین کی نماز میں ہر تکبیر پر رفع الیدین کرنا چاہیے یا نہ کرنا چاہیے؟ اور محدثین کا کیا عمل رہا ہے؟

جواب: کرنا چاہیے حدیث لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن گو ضعیف ہے مگر عمل اس پر ہے۔ حنفی مذہب میں بھی رفع یدین سنت ہے آگے چل کر لکھا: اہلِ حدیث اس بارے میں دو روایتیں پیش کرتے ہیں........ دونوں روایتوں میں ایک ایک راوی متکلم فیہ ہے ....
اگر چہ ان دونوں میں کلام ہے مگر دونوں روایتوں اور دو سندوں کے مِلنے سے ہر ایک کو دوسری سے تقویت حاصل ہو گئی ہے۔ گویا ہر واحد حسن لغیرہ کے درجے میں ہے۔ لہٰذا قابلِ عمل ہے۔ خصوصاً امام بیہقی و امام ابنِ منذر کا روایت کر کے اس سے استدلال کرنا اور پھر صدیوں سے محدثین کا اس پر تعامل، قابلِ عمل ہے۔

اسی طرح امام بیہقی رح نے باب منعقد فرمایا **باب ما یستحب للمرأۃ من ترك التجافی فی الركوع والسجود** پھر اس بارے میں ابراہیم نخعی تابعی رح کا قول نقل کر کے حضرت علی سے موقوفاً اور حضرت ابو سعید خدری اور عبداللہ بن عمر رض سے مرفوعاً اور یزید بن ابی حبیب سے مرسلاً روایتیں بیان فرمائیں۔ اور ان سب روایات کے مِلنے سے ہر ایک کو دوسری سے تقویت حاصل ہو گئی ہے گویا ہر واحد حسن لغیرہ کے درجے میں ہے لہٰذا قابلِ عمل ہے خصوصاً امام بیہقی کا روایت کر کے اس سے استدلال کرنا اور پھر صدیوں سے محدثین کا اس پر تعامل قابلِ عمل ہے۔

سوال حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا صلوا کما رأیتمونی اصلی تم مجھے جیسے نماز پڑھتے دیکھو ایسے ہی تم بھی نماز پڑھا کرو۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ آپ سجدہ کی حالت میں بازوں کو اپنے پہلو سے دور رکھتے تھے اور اپنے پیٹ کو رانوں سے اونچا اور الگ رکھتے تھے اور اس طرح سجدہ کرتے تھے کہ اگر بکری کا بچہ گزرنا چاہتا تو اس فرجہ میں سے گزر سکتا تھا۔ تو اس حکم میں گو صیغہ صلوا جمع مذکر مخاطب کا ہے مگر شرع میں ایسے الفاظ عورتوں کو بھی حاوی ہوتے ہیں اعبدوا اللہ۔ لا تشرکوا بہ شیئا۔ اقیموا الصلوٰۃ۔ اٰتوا الزکوٰۃ کتب علیکم الصیام۔ تو اسی طرح اس حکم میں بھی عورتیں شامل ہیں۔

جواب یہ امر مسلّم ہے کہ آپ کا یہ ارشاد گرامی مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہے مگر اس قاعدہ سے کئی امور مستثنےٰ ہیں۔ مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی تھی۔ صرف ایک دھوتی باندھ رکھی تھی جس کا کچھ حصہ کندھوں پر ڈال رکھا تھا اور باقی تمام اعضاء نظر آرہے تھے کہ ان پر کوئی کپڑا نہ تھا۔

اور اب صلوا کما رأیتمونی اصلی کے قاعدے کو پیش نظر رکھ کر عورت بھی کہے کہ میں بھی اسی طرح نماز پڑھوں تو ظاہر ہے کہ نماز اس عورت کی نماز نہیں ہوگی۔ اور اپنے آپ کو اہلِ حدیث کہلانے والے بھی اس کی نماز کو باطل ہی کہیں گے اور صلوا کما رأیتمونی اصلی کے قاعدے کو اس جگہ استعمال نہیں کریں گے جس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں علیحدہ حکم فرمایا لا تقبل صلوٰۃ الحائض (البالغہ) الا بخمار اوڑھنی کے بغیر بالغ عورت کی

نماز مقبول اور صحیح نہیں ہے (ترمذی عن ام المؤمنین عائشہؓ ص۵۰)
حالانکہ مرد کی نماز ننگے سر ہو جاتی ہے۔ گو لاابالی کی صورت میں ننگے سر
نماز پڑھنے سے کراہت لازم آتی ہے کیونکہ خلاف ہے طریقۂ مسنونہ
کے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔ چنانچہ فتاوی ثنائیہ جلد
اول ص۵۲۳ میں ماہوار رسالہ اہلِ حدیث ج ۴۴ ص ۱۶/۱۷ کے حوالے سے
سوال جواب لکھا: سوال اگر پگڑی یا ٹوپی ہمارے پاس ہے اور ہم ننگے سر
نماز پڑھیں اس کو اتار کر، تو کیا ہماری نماز جائز ہو گی یا نہیں؟
جواب نماز ادا ہو جائے گی۔ مگر سر ڈھانپنا اچھا ہے۔ آں حضرت
علیہ السلام نماز میں اکثر عمامہ یا ٹوپی رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اعلم
شرفیہ: مگر یہ بعض کا جو شیوہ ہے کہ گھر سے ٹوپی یا پگڑی سر پر
رکھ کر آتے ہیں۔ اور ٹوپی یا پگڑی قصداً اتار کر ننگے سر نماز پڑھنے
کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اور پھر اس کو سنت کہتے ہیں بالکل غلط ہے
یہ فعل سنت سے ثابت نہیں۔ ہاں اس فعل کو مطلقاً ناجائز کہنا
بھی بے وقوفی ہے۔ ایسے ہی برہنہ سر کو بلا وجہ شعار بنانا بھی خلاف
سنت ہے۔ اور خلافِ سنت بے وقوفی ہی تو ہوتی ہے۔

پھر ص۵۲۴ و ص۵۲۵ پر ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے
نتیجہ مسنون طریقہ نماز کا وہی ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے بالدوام ثابت ہوا ہے۔ یعنی بدن پر کپڑے اور سر ڈھکا ہوا۔
پگڑی سے ہو یا ٹوپی سے۔ اقل درجہ یہ ہے کہ سترِ عورت کا حصہ
سینے، پیٹھ اور کندھوں کا ڈھکا ہو۔ یہ جواز کا درجہ ہے۔ مسنون
طریقہ وہی ہے جو اوپر ذکر ہوا ہے۔ اللہ اعلم

مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری مرحوم نے برہنہ سر نماز پڑھنے کے جواز میں حدیث دریافت کرنے والے کو بخاری کی حدیث لکھ کر کہا کہ ثابت ہوا کہ سر ننگے نماز جائز ہے۔

اس کے ساتھ ہی ابوسعید شرف الدین دہلوی مرحوم نے اس کی تشریح ان الفاظ میں فرمائی۔

ستر سر مرد کو واجب نہ سہی مگر بحکم خذوا زینتکم عند کل مسجد الآیہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر پر عمامہ رکھنے سے عمامہ سنت ہے۔ اور ہمیشہ ننگے سر کو نماز کا شعار بنانا بھی ایجادِ بندہ ہے اور خلافِ سنت۔ گاہے چنیں کا حکم اور ہے۔ شعار کا اور۔ پس اول جائز، ثانی ایجاد

نواب صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ نے فتح العلام لشرح بلوغ المرام ص ۱/۲۴۳ میں لکھا دفی اللباس آداب منہا فی العمامۃ الخ اور نماز میں ستر عورت لباس کے ذریعے ہوتا ہے اور لباس میں عمامہ بھی ہے اس لیے جب خارج از نماز عمامہ داخل لباس ہے تو نماز کے اندر عمامہ کو کیوں نظر انداز کیا جائے جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا خذوا زینتکم عند کل مسجد

نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج ص ۲/۱۳ میں شمس الدین رملی شافعیؒ نے لکھا ویستحب للذکر ان یلبس لصلوٰتہ احسن ثیابہ ویتقمص ویتعمم یعنی مرد کو محبوب ہے کہ اپنی نماز کے واسطے حسین کپڑے پہنے۔ اور قمیص بھی پہنے اور عمامہ بھی باندھے۔ اور تہ بند یا سروال (شلوار) باندھے کیونکہ جناب احکم الحاکمین کی روبرو اس کی مامور نماز کے لیے دست بستہ کھڑا ہونا ہے اس لیے اس موقعہ پر حسن وجمال کے ساتھ کھڑا ہو

کشف الغمہ میں شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے حضرت امامنا خلیفہ ثانی امیرالمومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی نقل فرمایا

اذا اتیتم المساجد فلا تاتوہا الا وانتم متعممون یعنی بغیر عمامہ باندھے خانۂ خدا مسجدوں میں نہ آیا کرو

معلوم کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عام طور پر معمول یہی تھا کہ آپؐ عمامہ باندھا کرتے تھے حتےٰ کہ وضو کرتے وقت بھی آپؐ کے سر پر عمامہ ہوتا تھا اور نماز بھی عمامہ باندھ کر پڑھتے تھے اور گو تصریح نہیں ہے مگر اغلب یہ ہے کہ جو نماز پڑھا کر آپ نے صلوا کما رایتمونی اصلی فرمایا تھا وہ نماز بھی باعمامہ ہی پڑھائی ہوگی یہی وجہ ہے کہ علماء (حنفیہ ہوں یا مالکیہ یا شافعیہ یا حنابلہ) میں سے سب عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے کو مستحسن کہتے ہیں اور ننگے سر نماز کو افضل کوئی نہیں کہتا بلکہ مکروہ لکھتے ہیں۔

جیسے فتاویٰ محمودیہ صفحہ ۱۱/۴ میں ہے ننگے سر نماز پڑھنا اور پڑھانا جب کہ عمامہ اور ٹوپی موجود ہو، مکروہ ہے۔ معزز لباس پہن کر نماز پڑھنا اور پڑھانا چاہیے تاہم فریضہ صورتِ مذکورہ سے ادا ہو جاتا ہے

اگر آپ نے ننگے سر نماز پڑھا کر صلوا کما رایتمونی اصلی فرمایا ہوتا تو علماء محدثین وفقہا مجتہدین ننگے سر نماز پڑھنے کو افضل کہتے اور عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے کو خلاف سنت کہتے یا اتنا کہدیتے کہ جواز ہے منع نہیں اور عورت کو عمامہ باندھنا جائز ہوتا جب کہ خوب چہرہ کے گرد کا حصہ مستور ہو اور اوڑھنی کا کام دے بلکہ آپؐ نے عورت کی اوڑھنی کو تین بل دینے سے منع فرمایا کما ہو مصرح فی الاحادیث۔ کہ اس طرح سے اوڑھنی عمامہ کی سی بن جاتی ہے جس سے مردوں کے ساتھ مشابہت

ہو جاتی ہے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے بہر حال نبی ؐ کا فرمان صلوا کما رأیتمونی اصلی برحق ہے لیکن اس فرمان میں سے بعض مستثنیات بھی ہیں۔ جیسے ایک امر مستثنےٰ ابھی مذکور ہوا۔ اسی طرح رسول اللہ ؐ نے جس نماز کے بعد صلوا کما رأیتمونی اصلی فرمایا تھا وہ سری ہو گی یا جہری اگر سری تھی تو اس فرمان کا یہ مطلب نہیں کہ ہر نماز کی قراءت سری پڑھو اور اگر جہری تھی تو اس فرمان کا یہ مطلب نہیں کہ ہر نماز کی قراءت جہری کرو اور نہ یہ مطلب ہے کہ مرد و زن سب ہی جہری قراءت کریں اور نہ ہی کسی نے یہ مفہوم سمجھا بلکہ سب کہتے ہیں کہ عورت بلند آواز سے قراءت نہ کرے اور آپ نے تکبیریں اور تسمیع وسلام بلند آواز سے کہیں مگر صلوا کما رأیتمونی اصلی کا یہ مفہوم کسی ایک نے بھی یہ نہیں سمجھا کہ مقتدی بھی تکبیرات و تسمیع وسلام بلند آواز سے کہیں نیز آپ ؐ اس نماز میں دایاں پاؤں کھڑا کر کے اور بایاں پاؤں بچھا کر کے بیٹھے ہوں گے یا دونوں پاؤں دائیں طرف کو نکال کر سرین پر بیٹھے ہوں گے اب اگر بیٹھنے کی اس وضع میں مرد و زن سب برابر ہیں تو پہلے احتمال کی صورت میں عورتوں کو بھی چاہیے کہ مردوں کی طرح عورت بھی دایاں پاؤں کھڑا کر کے اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اور دوسرے احتمال کی صورت میں مردوں کو بھی عورتوں کی طرح مرد بھی دونوں پاؤں دائیں طرف کو نکال کر سرین پر بیٹھا کریں۔ حالانکہ مردوں کی نشست الگ ہے اور عورتوں کی نشست الگ ہے۔

منصور بن یونس بن ادریس البہزنی الحنبلی کی کتاب الروض المربع شرح زاد المستقنع ص۱۸۳ کے حاشیہ پر عبداللہ بن عبدالعزیز عنقری نے لکھا ہے

قال البخاریؒ وکانت ام الدرداء تجلس فی صلوتها جلسة الرجل وکانت فقیهة، وبه قال مالکؒ والشافعیؒ یعنی امام بخاریؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت ام الدرداءرضی اپنی نماز میں مردوں کی طرح نہ بیٹھتی تھیں۔ حالانکہ وہ فقیہہ تھیں اور قرآن وسنت کی سمجھ رکھنے والی تھیں اور امام مالکؒ و امام شافعیؒ بھی یہی کہتے ہیں۔

تو قرآن وسنت کا فہم جن کو حاصل ہے وہ فرمانِ نبوی صلوا کما رأیتمونی اصلی کو ہر بات پر چسپاں نہیں کرتے بلکہ اس فرمان سے بہت سی باتوں کو مستثنیٰ سمجھتے اور کرتے ہیں

نیز کسی شخص نے محدث ہو یا فقیہ ان فقہاء (حنفیہ مالکیہ شافعیہ حنابلہ) پر اعتراض نہیں کیا کہ تم عورتوں کے سجدہ کی وضع مردوں کے سجدہ کی وضع سے مختلف کیوں کہتے ہو جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے صلوا کما رأیتمونی اصلی

بلکہ خود امام مجتہد محدث کامل فقیہ اکبر حضرت محمد بن ادریس الشافعیؒ نے کتاب الام[115] میں پہلے وہ حدیثیں صاف صاف بیان فرمائیں جن میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کی وضع وہیئت کا بیان ہے اس کے بعد فرمایا قال الشافعی وقد ادب اللہ تعالیٰ النساء بالاستتار وادبهن بذلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واحب للمرأة فی السجود ان تضم بعضها الی بعض وتلصق بطنها بفخذیها وتسجد کأستر ما یکون لها وهکذا احب لها فی الرکوع والجلوس وجمیع الصلوٰة ان تکون فیها کأستر ما یکون لها واحب ان تکفت جلبابها وتجافیه راکعة وساجدة علیها لئلا تصفها ثیابها یعنی امام شافعیؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو پردہ

رکھنے اور پردہ میں رہنے کا ادب سکھایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی ادب سکھایا اور پردہ کی حد بندی بتادی اور عورت کے حق میں سجدہ کے اندر اس بات کو محبوب اور پسند فرمایا کہ عورت اپنے بعض اعضاء کو اپنے دوسرے اعضاء کے ساتھ (بجائے دور رکھنے کے) ملا کر رکھے اور اپنا پیٹ اپنی دونوں رانوں کے ساتھ چپکا دے اور ستر کے ساتھ سجدہ اس طرح کرے جس سے اس کے ستر کی ہر ممکن صورت ہو سکتی ہو اور اسی طرح رکوع جلوس اور تمام نماز میں اسی بات کو پسند فرمایا کہ ستر کی جو بھی امکانی صورت ہے عورت تمام نماز میں پورے ستر کے ساتھ رہے اور یہ بھی پسند فرمایا کہ عورت اپنی اوپر کی بڑی چادر کو رکوع وسجود کی حالت میں اپنے بدن سے چپکا ہوا نہ رکھے بلکہ کچھ کچھ دور رہے تاکہ اس کے بدن کی رنگت نمایاں نہ ہو

نوٹ: حضرت امام شافعیؒ کی اس تقریر سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ جو حدیث مرسل جسے مراسیلِ ابی داؤد کے حوالے سے ہم نقل کر آئے ہیں وہ مرسل ہونے کے باوجود امام شافعیؒ اس کو حجت اور قابلِ احتجاج سمجھتے ہیں تبھی تو آپ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کو یہ امر محبوب ہے کہ عورت اپنا پیٹ اپنی رانوں کے ساتھ چپکا دے اور یہ بھی کہہ دیا قد ادّب اللہ تعالیٰ النساء بالاستتار وادّبھن بذلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور وہ بہانہ ختم ہو گیا کہ ائمہ محدثین کے نزدیک مرسل حجت نہیں ہے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہم نقل کر آئے ہیں علماء کرام نے اس کو حسن بتایا ہے تو جیسے حدیث صحیح حجت و قابلِ احتجاج ہوتی ہے۔ ایسے ہی حسن حدیث بھی حجت اور قابلِ احتجاج ہوتی ہے۔

اب رہا یہ کہ اس کا راوی الحارث الاعور بقولِ شعبیؒ کان یکذب

تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معینؒ اسے ثقہ کہا اور ابن شاہین نے ثقات میں اس کا ذکر کیا۔ احمد بن صالح مصری نے کہا کہ حارث اعور ثقہ ہے اس کے حافظہ کے کیا کہنے اور حضرت علی سے اس کی روایت کے حسن کیا کہنے۔ اور خوب ہی اس کی خوبی بیان کی۔ اسی وقت کسی نے کہہ دیا کہ شعبیؒ تو اس کے بارے میں کہتے تھے "کان یکذب" تو جواب دیا کہ حدیث میں جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ ان کا کذب ان کی رائے میں تھا یعنی فہم اور رائے میں خطا کر جاتے تھے۔ مطلب یہ کہ کذب بہ معنی جھوٹ نہیں ہے بلکہ کذب بمعنی خطا فی الرأی ہے۔ ابن ابی خیثمہ نے کہا کہ کسی نے یحییٰ سے پوچھا کہ حارث سے احتجاج کرنا کیسا ہے تو یحییٰ نے کہا کہ ہمیشہ محدثین اس کی حدیث کو قبول کرتے آئے ہیں (دیکھو تہذیب التہذیب ص $\frac{147}{2}$ و ص $\frac{146}{2}$) تو ان حالات میں یہ حدیث حسن ہوئی اور ابو اسحاق تلمیذ حارث اعور اگرچہ مدلس ہے مگر طبقہ ثالثہ میں سے ہے جس کی حدیث کو بعض محدثین نے قبول کیا ہے اور ان کی تدلیس کو برداشت کیا ہے دیکھو طبقات المدلسین ص ۲) پھر ہمارے ہاں تدلیس مضر بھی نہیں ہے اور مزید برآں یہ کہ دوسری احادیث کے ساتھ اس کو تقویت بھی مل گئی اور صحابی رضؓ کا قول یوں بھی ہمارے ہاں حجت ہے اور مرفوع حدیث کے ساتھ اس کو اور بھی تقویت حاصل ہو گئی (اعلاء السنن ص $\frac{24}{3}$)

اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جلوس اور سجود میں عورت کی ہیئت مردوں کی ہیئت سے مختلف ہو۔ کیونکہ عورتوں کے احوال کا مبنیٰ تستر اور پردہ پر ہے اور احادیث اس کی مؤید ہیں۔

سوال صحیح بخاری میں تعلیقاً ایک روایت ہے کہ ام الدرداء نماز

میں مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں اور تھیں بھی فقیہ۔

جواب یہ ام الدرداء وہ نہیں جو صحابیہ تھیں بلکہ یہ تابعیہ ہیں کیونکہ مکحول راوی، ام الدرداء تابعیہ کا تلمیذ ہے اس نے ام الدرداء صحابیہ رض کو پایا ہی نہیں دیکھو فتح الباری ص ۱۵۲/۲) اور تابعیہ کا فعل حجت نہیں ہے۔ اور امام بخاری رح ام الدرداء کا یہ اثر محض تقویت کے لیے لایا ہے نہ احتجاج کے لیے پھر صحابی کا قول اس ام الدرداء تابعیہ کے معارض ہے اور قول صحابی اثر تابعیہ پر فوقیت رکھتا ہے۔ اور پھر مرفوع حدیثیں بھی قولِ صحابی کی تائید میں موجود ہیں اور قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے اور ائمہ محدثین مجتہدین کا بھی یہی قول فتویٰ اور عمل ہے اور ان کے متبعین نے بھی ان کی رائے سے اتفاق کیا۔ اور سرِ مو اختلاف نہیں کیا جب ان محققین کا یہ انداز ہے کہ وہ جب بھی کوئی بات اپنے مقلَّد مجتہد کی مخالفِ حدیث پاتے ہیں تو اس حدیث کو علی الرأس والعین اپنے سر اور آنکھوں پر رکھ کر معمول بہ بنا لیتے ہیں اور اپنے مقلَّد مجتہد کے بارے اول تو کوشش کرتے ہیں کہ ان کے قول کی کوئی صحیح توجیہ بیان کی جائے اور اگر کوئی صورت اس قول کے صحیح توجیہ کی نہ بن پڑے تو مجبوراً اس اپنے مجتہد کے قول کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں اور اس حدیث کو اپنا معمول بہ بنا لیتے ہیں

نوٹ: یاد رہے کہ کسی حدیث کو صحیح، حسن، ضعیف، مرسل، منقطع، یا متصل کہنا بھی مبنی بر اجتہاد ہے اور کسی محدث کے قول کو (مثلاً ہٰذا حدیث صحیح یا غریبٌ یا حسنٌ یا ضعیفٌ یا اسنادہ جیّدٌ) بغیر تحقیق کے تسلیم کر لینا اسی کا نام تو تقلید جامد یا اندھی تقلید ہے اور تحقیق کرنے لگیں تب بھی سامنے اقوال الرجال ہی آئیں گے کہ فلاں عالم نے اس حدیث کو صحیح، حسن یا ضعیف

وغیرہ کہا ہے اب یہ تحقیق کہ فلاں عالم کے اس حکم صحت یا ضعف لگانے کا ماخذ کیا ہے یہ بھی موقوف ہے اقوالِ رجال پر۔ حدیث کی صحت یا ضعف کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے تو حاصل ہونا بغیر خواب کے ناممکن ہے اور شریعت محمدیہ میں غیر نبی کا خواب کوئی حجت نہیں ہے۔

جب معلوم ہوا کہ صحتِ حدیث یا ضعفِ حدیث کا حکم اجتہادِ مجتہد پر مبنی ہے اور مجتہد نبی نہیں تو اہلِ حدیث کہلانے والے بتائیں کہ جب آپ کے ہاں مسلّم مسئلہ ہے کہ "جو اطاعت میں رسولؐ کے ساتھ کسی کو ملا دے اس کا فعل شرک فی الرسالۃ ہے" تو صحت یا ضعفِ حدیث کے بارے اس محدث کا قول مان لینا کیونکر شرک فی الرسالۃ نہ ہوا اور اہلِ حدیث کہلانے والے اپنے تئیں شرک فی الرسالت سے گلو خلاصی کرا سکتے ہیں۔

مقلدین حضرات تو پھر بھی علماء صالحین متقین مسلمین کی تقلید کرتے ہیں مگر اہلِ حدیث کہلانے والے حضرات مقلدین کو مشرک فی الرسالۃ بھی کہے جاتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ان کی تقلید بھی کرتے جاتے ہیں اور باقاعدہ ان کی اطاعت بھی کرتے جاتے ہیں اور نہ آپ ہی اپنے آپ کو مشرک کہتے ہیں (بلکہ توحید کے بڑے داعی بنتے ہیں) اور نہ ان علماء کو مشرک کہتے ہیں جن کے اقوال کو یہ نقل کرتے ہیں

اصل بات یہ ہے کہ اس ملک میں اہلِ حق کا مقابلہ ہے اہلِ باطل اور مشرکینِ ہند کے ساتھ جو بریلویت کے نام سے مشہور ہیں ان کا فروع کے مسائل میں فقہ حنفیہ سے تمسک ہوتا ہے وہ ان کے ساتھ اس لیے نہیں الجھتے کہ اہلِ باطل ان کو گستاخِ رسول گستاخِ اولیاء کہہ کہہ عوام سے ان کو بدظن کر کے نفرت کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔ اب ان کا پینترا بدلتا ہے یاین

طور کہ دراصل گستاخ رسول یہ بریلوی خود ہیں کیونکہ رسولؐ کا فرمان نہیں مانتے امام ابو حنیفہ کی مانتے ہیں۔ تو اس لپیٹ میں اہل حق علماء دیوبند بھی آجاتے ہیں کیونکہ وہ بھی امام ابو حنیفہ رحؒ کے مقلد ہیں۔ تو اہل حدیث کہلانے والوں نے بریلویہ کی طرح دیوبند کے ساتھ تلمذ کا تعلق رکھنے والوں کو بھی مشرک کہنا شروع کرنا کیونکہ یہ امام ابو حنیفہ کے قول کو فرمان نبیؐ کے ساتھ برابری اور مساوات کا درجہ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سراسر افتراء ہے سبحانک ہذا بہتان عظیم۔

مگر ان کا سارا زور احناف کے خلاف صرف ہوتا ہے۔ اور صاف کہتے ہیں "شرک کی ایک شاخ ہے تقلید"

حالانکہ اگر امام ابو حنیفہ رحؒ کی تقلید شرک ہے تو امام شافعی و امام احمد بن حنبل و امام مالک رحمہم اللہ کی تقلید کرنے والے مسلمان بھی تو دنیا میں بس رہے ہیں اور سعودی عرب (خلدہ اللہ) کے باشندے تو ہیں ہی مذہب کے حنبلی کیا ان تین اماموں کی تقلید بھی شرک ہے کیا ان کو بھی مشرک کہیں گے کیا سعودی عرب والے شاہ عبدالعزیز شاہ سعود شاہ فیصل شاہ خالد شاہ فہد عبداللہ بن سبیل وغیرہ چونکہ حنبلی المسلک ہیں یہ سب مشرک ہیں؟ کیا بخاری مسلم شعبہ یحییٰ بن سعید القطان یحییٰ بن معین ترمذی نسائی ابن ماجہ ذہبی ابن تیمیہ ابن قیم ابن حجر ابن رجب ابن عبدالہادی وغیرہم سب کے سب والعیاذ باللہ ثم والعیاذ باللہ مشرک ہوئے ہیں؟ اگر یہ سب لوگ مشرک تھے تو تم لوگ مشرک لوگوں کی کتابیں پڑھتے پڑھاتے ہو اور ان کی اطاعت کرتے ہو۔ کیا مشرک کی تقلید شرک نہیں ہے۔ یا پھر یوں قید لگاؤ کہ صرف اور صرف ابو حنیفہ کی تقلید کرنا شرک ہے۔ شافعی مالک واحمد کی

الرّأی الصّائب

فی حکم

الصّلوٰۃ علی الغائب

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سیّد محمد حسین شاہ نیلوی علیہ الرحمۃ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

از شیخ الحدیث و التفسیر حضرت مولانا مفتی سید محمد حسین نیلوی مدظلہ

سوال کیا فرماتے ہیں مفتیانِ حنفیہ اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی پشاور میں وفات پا گیا۔ اس کی میت اسی روز اس کے گاؤں موضع کربوغہ ضلع کوہاٹ میں لیجا کر وہیں اس کے ولی اور لواحقین نے بعد نمازِ جنازہ دفنا دی۔ دوسرے دن پشاور میں چند احباب نے دوبارہ غائبانہ نمازِ جنازہ کی تحریک و اہتمام کیا۔ ہمارے خطیب و امام مسجد نے اس غائبانہ نمازِ جنازہ کے عدم جواز کی بناء پر ان لوگوں کو مطلقاً منع کیا۔ اور خود اس میں شرکت سے انکار کر دیا۔ صورت مذکورہ میں چند سوال دریافت طلب ہیں:

- خطیب و امام مسجد کا انکار واقعی مذہب حنفی کے مطابق ہے؟
- حنفیوں کے لیے میت کا امام کے سامنے حاضر موجود ہونا صحتِ نمازِ جنازہ کے لیے شرط ہے یا نہیں؟
- نیز کیا ہمارے ائمۂ حنفیہؒ کا اس میں اتفاق ہے یا اختلاف؟
- اگر میت پر اولیاءِ میت نمازِ جنازہ پڑھ چکے ہوں تو احباب اور ولی دوبارہ حاضراً یا غائباً نمازِ جنازہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟
- اگر نمازِ جنازہ حاضراً یا غائباً دوبارہ جائز نہ ہو تو میت کے ایصالِ ثواب کا مسنون طریقہ اور کیا ہوگا۔

محمد زبیر د نمازیان و اہلِ محلہ مسجد تقویٰ پشاور صدر

جواب ایسی صورت میں جو سوال میں درج ہے خطیب وامام مسجد کا غائب میت پر جنازہ پڑھنے سے انکار واقعی مذہب حنفی کے مطابق ہے۔ کیونکہ حضرت امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میت سامنے رکھے بغیر نمازِ جنازہ صحیح نہیں۔ خواہ اس قصبے وغیرہ میں پڑھی جائے جس میں میت ہو یا کسی دوسرے مقام میں۔ دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ چنانچہ :

- فتاویٰ عالمگیری جلد ا صفحہ ۱۶۴ میں ہے : و من الشروط حضور الميت و وضعه و كونه آمام المصلى فلا تصح على غائب ولا على محمول على دابة ولا على موضوع خلفه۔ هكذا فى النهر الفائق۔ یعنی نماز جنازہ کی صحت کے لیے جو شرطیں ہیں ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ میت امام کے سامنے حاضر موجود ہو اور چارپائی وغیرہ پر رکھا ہوا ہو۔ اور امام کے آگے ہو۔ ان شروط کی بنا پر :

① غائب میت پر نمازِ جنازہ پڑھنا صحیح نہ ہوگا۔
② اس میت پر بھی نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہ ہوگا جو کسی چوپائے پر لادا ہوا ہو۔
③ اور نہ ہی اس میت کی نمازِ جنازہ جائز ہوگی جو امام کے پیچھے رکھا ہوا ہو۔

- اسی طرح الدر المختار بر رد المحتار جلد ا صفحہ ۶۴۱ میں ہے : و شرطها ايضاً حضوره ـــــــ فلا تصح على غائب۔ یعنی صحتِ نماز کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ میت امام کے سامنے حاضر ہو ـــــــ تو اس شرط کی وجہ سے غائب میت پر جنازے کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ جیسے النہر الفائق میں ہے۔

- اسی طرح البحر الرائق جلد ۲ صفحہ ۱۷۹ و فتح القدیر جلد ا صفحہ ۴۵۶ و فتاویٰ النوازل للفقیہ ابی اللیث السمرقندیؒ صفحہ ۸۱ و خلاصۃ الفتاویٰ جلد ا صفحہ ۲۲۴ و امداد الاحکام وغیرہ تمام کتبِ فقہ حنفیہؒ میں لکھا ہے۔

- اسی طرح تمام علماء حنفیہؒ نے لکھا ہے کہ جو شخص تیسری یا چوتھی تکبیر میں ملا ہے تو اگر جنازہ اٹھنے سے پہلے چھوٹی ہوئی تکبیریں کہہ سکتا ہے تو کہہ لے۔ اور اگر

جنازہ اٹھ جائے تو تکبیریں نہ کہے۔ کیونکہ نمازِ جنازہ میت پر ہوتی ہے۔ اور جب میت ہی اٹھالی گئی تو پھر جنازہ کیسے ہوگا۔ دیکھیے فتاویٰ غرائب قلمی ورق ۷۵ و فتاویٰ قاضی خان جلد ا صفحہ ۹۱ و خلاصۃ الفتاویٰ جلد ا صفحہ ۲۲۳۔

○ نیز عہدِ نبویؐ و عہدِ صحابہؓ و سلف صالحینؒ میں غائب میت پر جنازہ پڑھنے کا کوئی معمول نہ تھا۔ جبکہ بڑے بڑے مقرب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جہادوں میں شہید ہوتے رہے۔ مگر حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا۔ مثلاً :

○ حِبِ رسول اللہ سیدنا زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب، عبداللہ بن رواحہ اور ان کے پانچ ساتھی رضی اللہ عنہم جنگِ موتہ میں شہید ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ان کی شہادت کی خبر دی۔ پھر آپ ﷺ نے ان کی موت کی خبر صحابۂ کرامؓ کو دی۔ مگر ان کا جنازہ نہیں پڑھا۔

○ اسی طرح عہدِ نبویؐ میں پچاس سرایا (فوجی دستے) جہادوں میں بھیجے گئے۔ اور خود حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ تشریف نہ لے گئے۔ ان سرایا میں کئی صحابۂ کرامؓ شہید ہوئے۔ مگر کسی حدیث سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جنازہ پڑھا ہو۔

○ البتہ دس سال مدنی زندگی میں دو آدمیوں کے غائبانہ نمازِ جنازہ کا ذکر حدیثوں میں آیا ہے۔ چنانچہ :

<u>پہلی حدیث</u> : ایک حدیث میں ہے کہ حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہِ حبش نجاشی اصحمہ کا جنازہ مدینہ پاک سے باہر میدان میں پڑھا تھا۔ جو رجب ۹ ہجری میں فوت ہوا تھا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور علماءِ مالکیہ و احناف نے اس حدیث سے پیدا ہونے والے شبہ کا تین طرح سے جواب دیا ہے۔

<u>پہلا جواب</u> : یہ شاہِ حبش کے لیے حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ جیسا کہ الجوہر النقی جلد ۴ صفحہ ۵۱ میں التمہید لابن عبدالبر کے حوالے سے لکھا ہے :

اکثر اہل العلم یقولون ان ھذا مخصوص بالنبی ﷺ۔ نیز میزان شعرانی مترجم جلد ا صفحہ ۴۹۹ میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

دوسرا جواب: وہ متعارف نمازِ جنازہ نہ تھی بلکہ وہ تو ایک دعا، تھی یعنی آپ ﷺ نے اس کے حق میں دعا کی تھی۔ جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۳۶۳ میں ہے: قال الحسن انما دعا له۔ یعنی آپ ﷺ نے نجاشیؒ کے حق میں دعا کی تھی۔ اور اسی کتاب میں جریر کے حوالے سے منقول ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرامؓ سے فرمایا: استغفروا له۔ یعنی اس (نجاشی) کے حق میں استغفار کرو۔

تیسرا جواب: حضرت نبی کریم ﷺ نے واقعی اصحمہ نجاشی (شاہِ حبش) کی نمازِ جنازہ پڑھی تھی۔ مگر اس کی میت غائب نہ تھی۔ اس لیے وہ غائبانہ نمازِ جنازہ نہ تھی۔ بلکہ آں حضرت ﷺ کے سامنے اصحمہ نجاشیؒ کی چارپائی رکھی گئی۔ اور یہ آپ ﷺ کا معجزہ تھا۔ جیسا کہ:

○ حضرت محدث ابن حبان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے صحیح ابن حبان جلد ۶ صفحہ ۴۰ میں اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث بیان کی: عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ قال انبأنا رسول اللہ ﷺ ان اخاکم النجاشی توفی فقوموا فصلوا علیه فقام رسول اللہ ﷺ و صفوا خلفه و کبر اربعا و ھم لا یظنون الا ان جنازته بین یدیه۔ یعنی عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایک اہم ضروری اور سچی خبر دی کہ تمہارا بھائی نجاشیؒ فوت ہو گیا ہے۔ اس لیے اب اٹھو! پھر اس پر نماز پڑھو! اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اٹھے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے پیچھے صف باندھی اور آپ ﷺ نے چار تکبیریں کہیں۔ اور صحابۂ کرامؓ یہی سمجھ رہے تھے کہ اس نجاشی کا جنازہ (چارپائی) آپ ﷺ کے آگے رکھی ہے۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ اصحمہ نجاشی (شاہِ حبش) کا جنازہ بھی غائبانہ نہ تھا۔ اور جنھوں نے کہا

کہ غائبانہ تھا ان کو نظر نہ آسکا۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کشف للنبی عن سریر النجاشی حتی راٰہ و صلی علیہ۔ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نجاشیؓ کی چارپائی کا پردہ ہٹ گیا حتی کہ آپ ﷺ نے اسے دیکھ لیا۔ اور آپ ﷺ نے اس پر نمازِ جنازہ پڑھائی۔ دیکھیے: مرقاۃ لملا علی قاریؒ جلد ۴ صفحہ ۴۶۔

اور صحابۂ کرامؓ کا جنازہ کو نہ دیکھنا کوئی مضر نہیں۔ خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ کو دیکھ لینا ہی کافی ہے۔ اس کی مثال حضرت ملا علی قاریؒ نے مسجدِ حرام میں پڑھے جانے والے جنازوں کے ساتھ دیتے ہوئے فرمایا کہ مسجدِ حرام میں جنازہ پڑھا جاتا ہے جو مقتدیوں کو نظر نہیں آتا۔ صرف امام کے سامنے ہوتا ہے۔ نیز یہ ایک معجزہ ہے۔ جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ واقعہ غائبانہ نمازِ جنازہ کی دلیل نہیں بن سکتا۔

دوسری حدیث: اسی طرح السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۴ صفحہ ۵۱ میں ایک صحابیؓ کے جنازے کے متعلق غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنے کی حدیث بیان کی گئی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں گئے ہوئے تھے کہ جبرائیل علیہ السلام نے آکر اطلاع دی کہ حضرت معاویہ بن معاویہ مزنی لیثی رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں فوت ہو گئے ہیں۔ کیا آپ ﷺ کو اس کی نمازِ جنازہ پڑھنا محبوب ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا بے شک۔ تو اس پر جبرائیلؑ نے اپنا پَر مارا تو تبوک سے مدینہ تک تمام درخت اور ٹیلے دب گئے اور معاویہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی چارپائی اوپر کو اٹھائی حتی کہ آپ ﷺ نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اور اس پر نمازِ جنازہ پڑھی اور فرشتوں کی دو صفیں آپ ﷺ کے پیچھے تھیں۔ ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے۔ تو یہ بھی ایک معجزہ ہوا۔ لیکن حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔

بہرحال صرف یہ دو واقعے ہیں جن میں سے پہلا صحیح ہے۔ اور دوسرے واقعہ میں

ضعیف ہے۔ جن میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سالہ مدنی زندگی میں غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ ان کے علاوہ سینکڑوں صحابۂ کرامؓ جنگوں میں شہید ہوئے۔ مگر آپ ﷺ نے ان میں سے کسی ایک پر بھی غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ اور آپ کے دور کے بعد صحابۂ کرامؓ نے روم، ایران اور شام وغیرہ ممالک میں سینکڑوں شہید ہونے والوں پر غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ اور خلفاءِ راشدینؓ خود فوت ہوئے شرقاً غرباً دوسرے شہروں میں کسی ایک نے بھی ان پر غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ اور نہ ہی یہ بات کسی ایک سے منقول ہو کر ہم تک پہنچی ہے۔ (دیکھیے: الجوہر النقی جلد ۴ صفحہ ۵۱)

- بلکہ خود صلوٰۃ علی الغائب کی حدیث بیان کرنے والے راویوں حضرت عمران بن حصین، ابو ہریرہ، جابر اور انس رضی اللہ عنہم سے اور ان کے شاگرد اور ان کے شاگردوں کے شاگردوں سے اصحابِ کتبِ حدیث تک صلوٰۃ علی الغائب کا عمل ثابت نہیں۔ اور نہ ہی کہیں منقول ہے۔ اور اصولِ حدیث کا:

قاعدہ ہے کہ راوی کا حدیث بیان کرنے کے باوجود اس پر عمل نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حدیث قابلِ عمل نہیں ہے۔ جس کے کئی ایک وجوہ ہو سکتے ہیں۔ مثلاً:

- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت، جیسا کہ اکثر اہلِ علم نے کہا ہے۔
- اس کے علاوہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ جو غائب میت پر نمازِ جنازہ پڑھنے کے قائل ہیں وہ بھی مطلقاً نہیں۔ بلکہ صرف اُس صورت میں قائل ہیں جب مُسلمان میت کسی ایسے علاقے میں ہو کہ جہاں کوئی مُسلمان اس میتِ مُسلم کی نماز جنازہ پڑھنے والا نہ ہو۔ جیسے نجاشیؒ (شاہِ حبش) جس کا کوئی مُسلمان ساتھی حبش میں نہ تھا جو اس کا جنازہ پڑھتا۔
- لیکن جب کافروں کے ملک میں مُسلم میت پر نمازِ جنازہ پڑھنے والے موجود ہوں (خواہ ولی ہوں خواہ غیر ولی) اور وہ اس مُسلم میت پر نمازِ جنازہ پڑھ چکے ہوں، تو امام شافعیؒ کے نزدیک دوسرے شہروں والے اس کی نمازِ جنازہ

غائبانہ نہیں پڑھ سکتے۔ جیسے معالم السنن شرح سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۷۰ میں امام ابو سلیمان حمد بن محمد خطابی بُستی نے لکھا ہے: اذا مات المسلم ببلد من البلدان وقد قضی حقه فی الصلوٰة علیه فانه لا یصلی علیه من کان ببلد اٰخر غائبا علیه۔ یعنی جب کوئی مسلم کسی علاقہ میں فوت ہو جائے اور وہاں اس کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی ہو۔ تو دوسرے علاقے والے مسلمان اس پر غائبانہ نمازِ جنازہ نہ پڑھیں۔

○ اور امام احمد بن حنبلؒ سے دو روایتیں منقول ہیں: ایک روایت مذہب شافعیؒ کے مطابق ہے۔ اور دوسری روایت امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے موافق ہے کہ غائب میت پر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔ پھر ناجائز ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: حضورهٔ شرط۔ کہ میت کا امام کے سامنے حاضر ہونا نمازِ جنازہ کے لیے شرط ہے۔ دیکھیے: الکافی جلد ۱ صفحہ ۲۶۴ شیخ الاسلام ابو محمد موفق الدین عبداللہ بن قدامہ مقدسی۔

○ نیز آپ نے فرمایا: فان کان المیت فی احد جانبی البلد لم یصل علیه فی الجانب الاٰخر۔ کہ جب شہر کے ایک کنارے میں میت پر جنازہ پڑھا جا چکا ہو' تو شہر کی دوسری جانب کے لوگ اس کی غائبانہ نمازِ جنازہ نہ پڑھیں۔

○ نیز الانصاف جلد ۲ صفحہ ۵۳۳ میں امام احمد بن حنبلؒ سے روایت منقول ہے: لا تجوز الصلوٰة علیه۔ یعنی غائب میت پر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔

○ اور اگر غائب میت کے لیے نمازِ جنازہ پڑھنے کا جواز ہوتا تو اس صورت میں ہر روز ہر مسلمان کو غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنا چاہیے تھا۔ کیونکہ اس روئے زمین پر کوئی دن ایسا نہیں کہ جس میں کوئی نہ کوئی مسلمان وفات نہ پائے۔ خصوصاً دورِ حاضر میں جبکہ پوری دنیا میں سینکڑوں مسلمان روزانہ ظلماً قتل کیے جا رہے ہیں۔ افغانستان' کشمیر' ہندوستان' برما' انڈونیشیا' بوسنیا' فلسطین اور دیگر کئی ممالک میں مسلمان شہید ہو رہے ہیں۔ روئے زمین پر اسلام کا نام لینے والوں کو

بارود کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ دنیا کی تمام کفریہ قوتیں شب و روز امتِ مسلمہ کو نیست و نابود کرنے کے منصوبے پر عمل کر رہی ہیں۔ شاہراہوں پر حادثاتی اموات کی تعداد بھی یومیہ سینکڑوں تک پہنچ جاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود امام شافعیؒ کے مقلدین بھی اس پر عمل نہیں کرتے۔ جو غائبانہ نمازِ جنازہ کی مشروعیت کے قائل ہیں۔ البتہ:

○ حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے دور میں بعض مُبتدعین نے روزانہ ہر رات کو اس دن میں مرنے والے مُسلمانوں پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ:

○ حضرت امام ابنِ تیمیہؒ نے اس قبیح بدعت پر سخت تنقید کرتے ہوئے تحریر فرمایا:
مایفعله بعض الناس انه کل لیلة یصلی علیٰ جمیع من مات من المُسلمین فلا ریب انه بدعة لم یفعله احد من السلف۔ (حاشیہ المحرر فی فقه الحنابله جلد ۱ صفحہ ۲۰۰) یعنی بعض لوگوں نے یہ کام شروع کر رکھا ہے کہ تمام وفات پانے والے مُسلمانوں پر ہر رات نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں، سو اس کے بدعت ہونے میں کوئی تردد اور شک و شبہ نہیں۔ کیونکہ سلف صالحین (صحابہؓ، تابعینؒ و تبع تابعینؒ) میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا۔

○ امام ابنِ قیم نے زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۵۱۹ میں تحریر فرمایا کہ مُسلمانوں میں بہت لوگ فوت ہوئے جہاں حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ تھے۔ مگر آپ ﷺ نے اِن میں سے کسی ایک کی بھی غائبانہ نمازِ جنازہ نہ پڑھی۔

فائدہ اکثر صحابۂ کرامؓ جنگوں میں شہید ہوئے مگر آپ ﷺ نے ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ اور اصحمہ نجاشیؒ (شاہِ حبش) جو نہ صحابی ہیں نہ شہید، حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اور یہ ان کی خصوصیت ہے۔ اسی طرح حضرت معاویہ بن معاویہ لیثیؓ بھی شہید نہ ہوئے تھے، تاہم ان کی نمازِ جنازہ کے متعلق جو حدیث آئی ہے وہ ضعیف اور ناقابلِ عمل ہے۔

اس لیے شہداء کی غائبانہ نمازِ جنازہ کو جائز کہنا بھی غلط ہے۔ کیونکہ یہ حضرت نبیِ کریم ﷺ کے معمول کے خلاف تشریع من عند نفسہ ہے، جو کہ بہت ہی بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ایک ہے۔

نیز یہ بھی یاد رہے کہ نمازِ جنازہ الگ چیز ہے جو کہ فرضِ کفایہ ہے۔ اگر کوئی نہ پڑھے گا تو اس علاقے والے تمام کے تمام لوگ گنہگار ہوں گے اور اگر ان میں سے کسی ایک نے پڑھ لیا تو فرض ادا ہو گیا۔ لیکن ایصالِ ثواب ایک دوسری چیز ہے۔ جو نہ تو فرض ہے نہ واجب، نہ سنت۔ البتہ یہ ایک مستحسن عمل ہے جو مستحب کے درجے میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی زندہ یا مردہ مسلمان بھائی یا ماں باپ وغیرہ کو اس کی وصیت کے مطابق یا بدونِ وصیت اسے ثواب پہنچانے کی نیت سے صدقہ کرے اور اس کا ثواب اسے پہنچانے کی دعا کرے تو بشرطِ قبولیت اس کا ثواب اسے پہنچ سکتا ہے۔ اور میت کے حق میں استغفار کرنے کا حکم بھی حضرت نبیِ کریم ﷺ نے دیا ہے۔ چنانچہ:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مردہ (برزخی) قبر میں ایسے پڑا ہوتا ہے جیسے کوئی ڈوبنے والا فریاد کرنے والا اس انتظار میں ہوتا ہے کہ کوئی اس کا ہاتھ پکڑے۔ یہ بھی اس انتظار میں ہوتا ہے کہ اس کو باپ، ماں، بھائی یا دوست کی طرف سے دعا پہنچے۔ پھر جب اس کو دعا پہنچ جاتی ہے تو اس کا پہنچنا اس کو دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے پیارا لگتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ واقعی اللہ تعالیٰ قبر والوں کو زمین والوں کی دعا کی وجہ سے پہاڑوں جتنا بڑا ثواب اور رحمت و مغفرت پہنچاتا ہے۔ اور واقعی زندوں کی طرف سے مردوں کو بڑا تحفہ یہی ہے کہ ان کے لیے استغفار کی جائے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا ہے کہ مُسلمان کے مرنے کے بعد اس کے عمل اور اس کی نیکیوں میں سے جو چیزیں پہنچتی ہیں ان میں سے :

① ایک تو علم ہے جسے اس نے سیکھا تھا اور اسے رواج دیا تھا۔
② اور ان میں سے دوسرا جو نیک بخت اولاد چھوڑ گیا ہو۔
③ اور ان میں سے تیسرا قرآن مجید جو وارثوں کے لیے چھوڑ گیا ہو۔
④ اور ان میں سے چوتھی چیز مسجد ہے جو نمازیوں کی عبادت کے لیے بنا گیا ہو۔
⑤ اور پانچویں چیز مسافر خانہ یا سرائے جو مسافروں کے لیے بنائی گئی ہو۔
⑥ اور چھٹی چیز نہر (یا پانی کا کنواں اور سبیل وغیرہ) ہے۔
⑦ اور ساتویں خیرات ہے جو اپنی زندگی اور صحت کی حالت میں اپنے حلال مال میں سے نکالی ہو تو اس کے مرنے کے بعد ان سب چیزوں کا ثواب اس کو پہنچتا ہے۔ (مِشکوٰۃ صفحہ ۳۶)

○ امیر المؤمنین سیدنا امام عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دفنِ میت سے فارغ ہوجاتے تو اس کی قبر کے قریب کھڑے ہو کر فرماتے کہ اپنے بھائی کے واسطے استغفار کرو پھر اس کے لیے اس کی ثابت قدمی کی دعا کرو۔ کیونکہ اس وقت (عالمِ برزخ میں) اس سے سوال کیا جاتا ہے۔ (مِشکوٰۃ شریف صفحہ)

○ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی مرتا ہے تو اس کے عمل کا ثواب اس سے موقوف ہوجاتا ہے مگر تین عملوں کا ثواب باقی رہتا ہے۔

① صدقہ جاریہ۔
② علمِ نافع۔
③ نیک اولاد جو اس کے واسطے دعا کرے۔ (مِشکوٰۃ صفحہ ۳۲)

فائدہ نماز روزہ وغیرہ جو زندگی میں کرتا ہے ثواب اس کا تو ذخیرہ ہوتا ہے، سلے گا بعد

مرنے کے۔ لیکن آئندہ کو منقطع ہوا۔ (سوا شہدا کے کما فی الحدیث) کیونکہ جب تک کرتا تھا اس کا ثواب پاتا تھا اب نہ کرے گا نہ پائے گا۔ مگر ان تین چیزوں کا ثواب بعد مرنے کے بھی پہنچتا رہتا ہے۔ صدقہ جاریہ جیسے کوئی زمین وغیرہ وقف کر گیا یا کنواں یا باؤلی بنا گیا۔ وغیر ذلک۔ اور علم کہ نفع لیا جاتا ہے۔ جیسے کوئی کتاب تصنیف کر گیا یا کسی کو علم پڑھا گیا۔ (مظاہرِ حق جلد ا صفحہ ۸۸)

حضرت عبدالرحمٰن بنِ عمرہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی اماں جان نے بردہ آزاد کرنے کا ارادہ کیا۔ پھر آزاد کرنے میں صبح تک دیر لگادی۔ پھر مر گئی۔ حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں نے قاسم بنِ محمد (ابنِ ابی بکر الصدیقؓ) سے پوچھا کہ ماں کی طرف سے میں بردہ آزاد کردوں تو میری ماں کو فائدہ پہنچے گا تو جناب قاسم بن محمد نے جواب دیا کہ سعد بن عبادہؓ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگے کہ میری اماں جان (یکایک) مر گئی ہے اب کیا میرا اس کی طرف سے بردہ آزاد کرنا اس کو نفع دے گا؟ تو حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں نفع کرے گا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۹۵)

حضرت یحییٰ بنِ سعیدؒ سے مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بنِ امام ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما سوئے تھے اپنی اسی نیند میں (اچانک) فوت ہو گئے تو ان کی طرف سے ان کی ہمشیرہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بہت سے بردے آزاد فرمائے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۹۵)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس آدمی کے ماں باپ دونوں مر جائیں یا ان میں سے ایک مر جائے اور زندگی میں وہ ان کا نافرمان رہا ہو لیکن اب ان کے حق میں دعا کرتا رہتا ہے اور ان کے حق میں استغفار کرتا رہتا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والوں میں لکھ دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۱)

ملک الفقہاء حضرت برہان الدین علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل الفرغانی

المرغینانی رحمۃ اللہ تعالیٰ المتوفی ۵۹۳ھ نے ہدایہ جلد ا صفحہ ۲۷۶ میں فرمایا:

قاعدہ یہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک ایک آدمی دوسرے آدمی کو اپنے ہر عمل کا ثواب دے سکتا ہے خواہ وہ عمل نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا اور کوئی عمل ہو۔ دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے دو چتکبرے دنبے قربانی میں دیے ایک قربانی اپنی طرف سے دی اور دوسری اپنی امت کی طرف سے جو جو بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقراری ہو اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں شہادت دیتا ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام احکام شرعیہ ہم تک پہنچا دیے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو دنبوں میں سے ایک دنبہ اپنی امت کی خاطر قربانی میں دیا۔

- بخاری و مسلم نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص روزہ اپنے ذمہ پر لے کر مرجائے تو اس کی طرف سے کوئی قرابت دار ادا کر دیوے۔
- مسلم نے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میری ماں پر دو مہینے کے روزے واجب تھے۔ اگر اس کی طرف سے میں ادا کردوں (یعنی ان کا کفارہ دے دوں) آیا کافی ہو جائیں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ پھر اس نے کہا میری ماں نے کبھی حج نہ کیا تھا۔ اگر میں اس کی طرف سے حج کردوں تو کافی ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں!
- اسی طرح اور بہت سی روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کے لیے استغفار کرنا سنتِ نبوی ہے اور بشرطِ قبولیت جانی و مالی عبادات بھی میت کے حق میں مفید ہیں۔ لیکن اس کے لیے کوئی دن معین کرنا اور اعلان کر کے ایصالِ ثواب کی نیت سے لوگوں کو جمع کرنا بدعت ہے۔ جیسا کہ آج کل لوگوں میں تیجا ساتا دہا اور چالیسواں وغیرہ کا رواج ہے۔ مسلمانوں کو ایسی رسوم سے بچنا چاہیے۔